حج کا سفر

سنہ ۱۳۸۴ھ مطابق سنہ ۱۹۶۵ء میں

محمد رضا انصاری

طابع .... نامی پریس لکھنؤ

ناشر .... فرنگی محل کتاب گھر ۹ فرنگی محل لکھنؤ

صفحات ۳۴۴

طبع اوّل .... ایک ہزار ایک سو جلدیں

قیمت مجلد .... پانچ روپے پچاس پیسے

تاریخ اشاعت .... ۱۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

ملنے کا پتہ:- فرنگی محل کتاب گھر ۹ فرنگی محل لکھنؤ ۳

والد ماجد

مولوی محمد سخاوت اللہ مرحوم و مغفور کے نام

جنھوں نے فرنگی محل کے ایک خوشحال گھرانے میں آنکھیں کھولیں پہلی اولاد کی حیثیت سے دادیہال اور ننہیال کا لاڈ پیار بے حساب پایا، جوان ہونے سے قبل شفقت پدری سے محروم ہو گئے دادا الحاج مولوی محمد شرافت اللہؒ (ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر) اور باپ کے برابر شفیق چچا مولانا محمد سلامت اللہؒ اور مولانا مفتی محمد عنایت اللہؒ کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی دینی علوم حاصل کر کے دنیاوی علم حاصل کیا۔ پیر و مرشد حضرت مولانا عبد الباریؒ کے منشا کے مطابق ترک موالات کے تحت انگریزی نوکری نہیں کی، مشاغل زندگی کا بار پڑنے پر ریاست حیدرآباد میں روزگار تلاش کیا اپنے بڑے بیٹے ـــ راقم السطور کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے وطن میں مع اس کی والدہ اور بہنوں کے چھوڑ کر حیدرآباد میں ۲۵ سال بے گھر بار والی زندگی کی کڑیاں جھیلیں ہڈیوں کی دق میں مبتلا ہو کر بغرض علاج ـــ جو بوجہ تنگدستی خاطرخواہ نہ ہو سکا وطن واپس آئے اور ۱۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو ۸ بجے صبح وفات ـــ مرض دق کے پیش نظر شہادت پاگئے۔ بڑے لڑکے کے ساتھ اس کی ماں اس کے ایک چھوٹے بھائی محمد خالد انصاری سلمہٗ اور دو چھوٹی بہنیں آسیہ مبین احمد علوی سلمہا اور رضیہ واقف علوی سلمہا کو اپنے سایۂ شفقت سے محروم کر دیا۔ اللھم اغفر لہ وارحمنا وارحمہ بحرمتہ سید الاولین والآخرین۔

نہ صرف یہ سراپا سعادت سفر اور اس کا سفرنامہ بلکہ زندگی کا ہر وہ عمل جو ذریعۂ نجات بن سکتا ہے بلاواسطہ یا بالواسطہ آں مرحوم و مغفور کے ایثار ہی کا صدقہ ہے فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بھا (او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فہرست

بسم اللہ مجریہا ومرسٰہا

سفرنامہ کا "سفر"

روانگی سے پہلے بھی سفرنامہ لکھنے کا کوئی قصد نہ تھا اور واپسی کے بعد بھی اس کا کوئی خیال نہیں ہوا۔ چھ مہینے سوا مہینے کے بعد جب عمر محترم جناب حیات اللہ صاحب انصاری نے اخبار کے لئے "سات آٹھ جامع قسطوں" میں تاثراتِ حج قلمبند کرنے کو کہا تو یک گونہ تامل کے بعد "حج کا سفر" لکھنے کا آغاز جولائی ۱۹۶۵ء میں اس طرح کیا کہ اخبار کے ہفتہ وار ایڈیشن میں پہلی قسط ڈھائی تین گھنٹے کی ایک نشست میں گویا لکھ ڈالی، اور یہی معمول بن گیا کہ ہفتہ وار ایڈیشن کی آخری کاپی کے مطبع جانے کے دن ایک قسط لکھی جاتی رہی۔ نہ کوئی خاص خاکہ تصنیف و تالیف کا پیش نظر تھا اور نہ کوئی واضح اندازہ کہ کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔

پوچھنے والے پوچھ بھی بیٹھتے تھے۔ یہی سمجھ کر کہ سفرنامہ مرتب ہوکر بالاقساط شائع ہو رہا ہے — کہ کتنی قسطوں میں "حج کا سفر" آنے والا ہے؟ سات

آٹھ قسطوں کا تخمینہ دس بارہ قسطوں تک جا سکے گا اس انداز کو سامنے رکھ کر جواب دیا جا سکتا تھا مگر یہ جواب بھی بہرحال تخمینی نظر آیا اس لیے عموماً ایسے استفسارات کا جواب ٹال دینے ہی سے دیا، اسی دوران میں ایک سادہ مزاج مخلص کے ایک جملے نے اس طرح چونکا دیا کہ سفر کی کہانی کو مکمل کیے بغیر ہی ختم کر دینے کا ارادہ ہونے لگا، اس نے بطور ستائش بڑے معصومانہ انداز میں کہا تھا "آپ کے سفر حج کا تو خوب چرچا ہو رہا ہے"

اس بھولے بھالے جملے نے ذہن کو ٹہوکا دیا "کہیں اس حرکت میں سکو کاری کے "اشتہار" کی ہوس تو کارفرما نہیں ہے؟ اور اس مبارک سفر میں خوش بختی سے اگر کچھ ملا ہے تو کیا اس طرح اسے گنوا دینا مناسب ہوگا؟"

اگر بیمار کا اپنے مرض کی خود تشخیص کر لینا علاً اور روا بھاً درست ہے تو اس بیماری کی جو نفس کی انتہائی گہرائیوں میں چھپی ہوا کرتی ہے جستجو کی سعی خود ہی کی جاتی! لامحالہ ان سے جن کی فضیلت اس حیثیت سے مسلمہ ہے اس پیچیدگی کا ذکر کیا، محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے جو حج کے رفیق بھی تھے اس سے بھی زیادہ سنگین مگر پرلطف واقعہ بیان کر دیا کہ ایک صاحب نے حج سے آ کر سفرنامہ لکھنا شروع کیا تو ان کے بارے میں ایک دوسرے صاحب نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ "وہ حج کرنے گئے ہی اسی نیت سے تھے کہ واپس آ کر سفرنامہ لکھیں گے"

علی میاں نے اس کے بعد یہ بھی کہا "سفرنامہ لکھنے والے صاحب کا نام بتانا خطرے سے خالی نہیں اور جن صاحب نے یہ "تبصرہ" ان پر کیا تھا ان کا نام کہیں لے لیا تو غضب ہی ہو جائے گا"

اس ڈھارس بندھانے والے واقعہ کے علاوہ "حج کا سفر" پڑھنے والوں کا بالمشافہ اظہار پسندیدگی نیز لکھنے والے اور اخبار کے مدیر کے نام پسندیدگی کے ایسے خطوط کی آمد نے جن کے لکھنے والوں میں سے اکثر دونوں کے لیے اجنبی تھے تذبذب اور تردد کو گویا ختم کر دیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ "حج" کے بارے میں پڑھنے کی بے چینی بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے — ورنہ بلا تعارف اور شناسائی کے کوئی کیا پسندیدگی کی "سند" لکھنے بیٹھ جاتا ہے؟

اس سلسلے میں بزرگ صحافی اور بے لوث سیاسی قائد قاضی محمد عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ (بستی) نے اپنے متواتر گرامی ناموں میں اس حد تک قدر افزائی سے کام لیا جو درحقیقت "ذرہ نوازی" کے ہم معنی ہو گئی۔

اگرچہ یہ جسارت ہے کہ اُن نجی خطوط کے اقتباسات جن میں مکتوب الیہ کی تعریف و توصیف ہو — خود مکتوب الیہ منظر عام پر لائے لیکن قاضی صاحب کے گرامی ناموں کے اقتباسات دو وجہوں سے نقل کرنا موزوں معلوم ہوا، ایک یہ کہ یہ قاضی صاحب کے گرامی نامے ہی تھے جنھوں نے قلم کو مہمیز بھی کیا اور اس کی راہنمائی بھی کی، دوسرے یہ کہ ان میں حجاز کے سفر ناموں پر فنی پہلو سے تبصرہ کا حق بھی بخوبی ادا کیا گیا ہے۔

پہلے گرامی نامہ (مورخہ ۲۶ ستمبر ۷۵ء) میں قاضی صاحب نے تحریر فرمایا:

"آپ کا سفر نامۂ حجاز میں اس شوق سے پڑھتا ہوں جس شوق سے قومی آواز میں شیر یا ہاتھی کے شکار کی کہانی پڑھتا ہوں! یہ گستاخی نہیں

ہے بلکہ مثال محض آپ کے مضمون نے اپنے اسلوب کے انوکھے پن سے
میرے اندر جو دلچسپی پیدا کر دی ہے اسے واضح کرنے کے لئے دی ہو!
ہر سنیچر کو اخبار کا بے چینی کے ساتھ انتظار رہتا ہے اور ایک ایک لفظ
انہاک سے پڑھنے کے بعد جب مضمون ختم ہو جاتا ہے تو ایسا دھکا
لگتا ہے جیسے ایک موٹر ۶۰ میل کی رفتار سے جا رہا ہو اور اچانک
کسی رکاوٹ کے آجانے سے ڈرائیور ایک دم بریک لگا دے۔۔ مضمون
ایک دم ایسا ختم ہو جاتا ہے کہ ہم ورق الٹتے ہی رہ جاتے ہیں کہ اب
کہاں درج ہے یعنی بس اضطراب ہی اضطراب کا سامنا رہتا ہے"

"دو کل کے پہلے سنیچر کو آپ جدہ تک پہنچے تھے اور ابھی بے کیف
ہی تھے 'کل قومی آواز اٹھایا تو کوئی دلچسپی نہ ہوئی' ایڈیٹوریل چند سکنڈ
میں اس طرح پڑھ لیا جس طرح مولانا...... کی ضخیم کتاب منٹوں میں
پڑھ لیتا ہوں' میرا دعویٰ ہے کہ مولانا...... کی کسی کتاب کے لیے
جو دو تین سو صفحات کی ہو بس مجھے صرف ۱۰-۱۵ منٹ چاہئیں پھر
امتحان لے لیجئے کہ اس میں کیا لکھا ہے! ایڈیٹوریل تھا تو مبنی بر
حقیقت مگر مطلب چند سکنڈ میں آگیا سمجھ میں' "گلوریاں" بھی
پھیکی تھیں 'نیشنل ہیرالڈ' اٹھایا اور پڑھتا رہا پھر کھانا کھایا کھانے
کے بعد میں فوراً سو نہیں سکتا کچھ پڑھنا ضروری ہے ادھر ادھر تلاش
کیا کوئی چیز نہ ملی اچانک خیال آیا کہ آج سنیچر ہے جھٹ پٹ کر قومی آواز
اٹھایا اور سفرنامے پر نگاہ پڑی۔ اب آپ منزل شوق میں داخل

ہوئے ہیں ....

سبحان اللہ کیا سفر نامہ ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت آپ کا خلوص ہے خلوص کسی کو اس جگہ نہیں ہوتا لیکن ایک ایک لفظ سے خلوص و سرمستی پر اثر پذیر ہو یہ بات کمیاب ہے' اس سے زیادہ کمیاب اپنی خامیوں کا اقرار ہے جہاں قلب متحرک نہ ہوا اقرار کر لیا' ایسا عظیم احتساب ہے کہ نفس دھوکا دے نہیں پاتا ہے الفاظ سیدھے سادے اور زبان ؟ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جب آپ نے آب زمزم کے پینے نل کھولا تو اسے اس میں غسل دے دیا تھا جو کوثر و تسنیم سے زیادہ شیریں اور دلکش ہو گئی ہے ایسی جزئیات کا بیان ہے کہ مسافر پڑھ لے تو سامان اور قلی سے لے کر ٹکٹ کی خریداری اور جہاز میں کہاں اور کس طرح جگہ حاصل کی جائے سب سے پوری واقفیت ہو جائے"

ایسی فیاضانہ "داد" پا کر ابھی شادمانی سے اور جن جن کو یہ تحریر و فورِ مسرت میں سنا ڈالی تھی ان کے خوش گوار ردِعمل سے دل پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہو پایا تھا کہ قاضی صاحب کا دوسرا گرامی نامہ (مورخہ ۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء) ملا۔

"میں تعطیلات میں مکان چلا گیا تھا وہاں میں نے ایک اور خط آپ کے نام دماغ کے اندر تحریر کیا اور ابھی وہ کاغذ پر منتقل نہیں ہوا تھا کہ واپسی پر آپ کا گرامی نامہ ملا یہ پہلے گرامی نامے کی رسید تھی' میرا لکھنے کا ارادہ یہ تھا کہ آپ وہاں کے تمدن و معاشرت پر بھی روشنی ڈالیں' لیکن ابھی تو آپ شب میں مکہ معظمہ پہنچے تھے' اور میری بیتابی عجلت کے باعث تھی'

واپسی پر میں نے فوراً سینچر کا اخبار مانگا اور بڑا کر چھ تارے ہوتے پہلے آپ کا سفرنامہ پڑھا اگرچہ بہت تھکا تھا اور طبیعت بھی خراب تھی، الحمدللہ کہ آپ نے خود ادھر توجہ کی، اور انشا اللہ مزید توجہ کریں گے۔

"اپنے یہاں کے سفر حجاز لکھنے والوں کی کم بینی پر افسوس ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے جاتے ہیں اور کوئی قوت شاہدہ نہیں رکھتے ۔۔۔ یہ صحیح ہے کہ شوق کی افراط" پردہ سا ڈال دیتی ہے، مسافر حجاز اور دام سیر کرنے والے میں فرق ہے پھر بھی حساس انسان کے شاہدے پر چوٹ تو لگتی رہتی ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے خود ادھر توجہ کی ہے لیکن ابھی صرف ایک رخ نظر آیا ہے:"

پھر ایک گرامی نامہ قاضی صاحب کا اور صادر ہوا جو ۸ رجب ۱۳۸۶ھ کا لکھا ہوا تھا۔

"میرے ادیب عبدالحمید خاں صاحب کا بڑا احسان ہے کہ ان کی کتاب "تعمیر کی غلطی" نے مجھے عبادت اور نماز کا مفہوم اور مقصد سمجھایا اور جہاں تک خیالات کا تعلق ہے میری دنیا بدل گئی عمل تو مشکل منزل ہے! دوسرا احسان آپ کا ہوا کل آپ کے سفرنامے کی قسط پڑھنے کے بعد میرے دل میں حج کا شوق و ولولہ پیدا ہوا اب تک معاملہ صرف ذہن و دماغ تک تھا:"

"میں آپ کے ساتھ ساتھ حج کا سفر کر رہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح آپ لکھنؤ سے روانہ ہوئے وہ بمبئی پہنچے جہاز کو دیکھ رہا ہوں کہ اس میں کہاں فرسٹ کلاس ہے اور کہاں ڈیک ہے چٹائیاں بچھی ہیں

لوگ بیٹھے لیٹے چلے جا رہے ہیں پھر جدہ اور جدہ سے مکہ معظمہ وہاں عمرہ پھر صبح کو بازار میں گشت کر رہا ہوں دکانیں اور بازار کے مکانات سینما فلم کی طرح میرے سامنے سے گزر رہے ہیں پھر موٹر سے منیٰ میں خیمہ زن ہوں دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح انسانوں کا ہجوم زمین پر پڑا ہے، خیمے بھی لگے ہیں اوپر پہاڑ پر انسان چھوٹے چھوٹے دکھائی دے رہے ہیں مسجد خیف میں نماز پڑھی رجسے کاتب نے "صیفہ" لکھ دیا ہے) وہاں سے عرفات پہنچے مسجد نمرہ کا منظر دیکھا اندر گھسنے کی گنجائش نہیں کل مناظر خطبہ نماز معلم کی خشوع وخضوع سے دعا پھر بعد مغرب روانگی مزدلفہ میں قیام مغرب وعشا کی ایک ساتھ نماز پھر اول وقت روانہ ہو کر منیٰ آیا ہوں عرفات کی سبیلیں جاری کی دعوت عام پانی کی خریداری سب کچھ نگاہوں کے سامنے ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہوں، آپ سفر نامہ نہیں لکھ رہے ہیں سینما دکھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے میرے جیسے کتنے تاریک دلوں میں آپ کا یہ سفر نامہ شمع جلائے گا اور حسرت و ارمان پیدا کرے گا آپ کی یہ قسط جو بھی پڑھے گا اس کا دل ہلا دے گی پتھر کو پگھلا دے گی۔"

ایک ہی دن کے وقفے کے بعد ایک گرامی نامہ اور ملا مورخہ ۹ نومبر ۶۵ء:-

"کل شام کو میکش صاحب کے مکان پر اتفاق سے ان چند لوگوں کا مجمع ہو گیا جو آپ کے سفر نامے کو سبق کی طرح پڑھتے ہیں ہر شخص اپنی بساط کے موافق اس کا تذکرہ کر رہا تھا ایک صاحب تو ایسے ہیں جن کی تخیص سوٹ بوٹ کے سوا نہ تھی

بھی واسطہ نہیں ہے لیکن وہ حج کے مسائل میں عالم ہو چکے ہیں یعنی یہاں تک
آپ کا سفرنامہ گیا ہے۔ دیر تک گفتگو رہی کہیں کہیں ہم لوگوں میں اختلاف
بھی ہوا تو سفرنامہ تلاش کر کے نکالا گیا اور بحث حوالے سے طے ہوئی.....
ایک اور صاحب نے کہا کہ ڈھائیو را در چودھری عظیم الدین اشرف صاحب
کی ہدایت کس درجہ مزیدار الفاظ میں لکھی ہے اور ایک صاحب بولے کہ صاحب
حج کرنے کی ضرورت کیا ہے مولانا محمد رضا صاحب کا سفرنامہ پڑھتے جائیے
حج کرتے جائیے۔ یہیں سے حج ہو جاتا ہے..!

ان اقتباسات کی یہ اہمیت بہرحال قابلِ توجہ ہے کہ اس میں پورا پورا
تجزیہ نہ صرف ایک سفرنامے پر بلکہ حجاز کے تمام سفرناموں پر اس صراحت کے
ساتھ کیا گیا ہے کہ کیا ہونا چاہیئے کس انداز اور کس رخ سے ہونا چاہیئے قاضی
صاحب نے اس سفرنامے کو سامنے رکھ کر متعدد نکتے ایسے بیان کر دیئے
ہیں جن کو پیشِ نظر رکھ کر اس موضوع پر آئندہ کوئی بھی قلم اٹھانے والا کامیاب
کوشش کر سکتا ہے۔

ان خطوں سے اور بعض دوسرے خطوں سے بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس ہوا
کہ یہ دوسروں کی ایک ضروری خدمت انجام پا رہی ہے جو انشاء اللہ باعثِ اجر
قرار پائے گی۔

مخدوم شاہ معین الدین احمد صاحب ناظم دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے
گرامی نامے نے سرفراز فرمایا ہے۔
آپ کے سفرنامے کا کچھ حصہ کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں مسلسل پڑھنے کا اتفاق

نہیں ہوا لیکن یہ اتفاق ہے کہ جو نمبر اس سفر نامے کی جان اور بیت الغزل تھا یعنی آستانہ نبوی کی حاضری اس کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھا اور پڑھ کر دل بہت متاثر ہوا ایسا معلوم ہوا کہ اس سعادت میں میں بھی شریک ہوں ایک تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر قلم کی تاثیر سے مل کر کیفیت پیدا کر دی ع جزاک اللہ چشمم باز کر دی "

حضرت بسمل اکبر آبادی نے سفر نامہ کو علیحدہ کتابی صورت میں طبع کرانے کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، سفر حج و زیارت مدینہ طیبہ سے جو فیوض و برکات آپ لائے تھے ہم گنہگار ان دور افتادہ کو بھی اس سے محروم نہ رکھا "

ان قدیم کرم فرماؤں کے گرامی ناموں کے علاوہ وہ خطوط جن کے لکھنے والوں سے کوئی شناسائی نہ تھی اس طرح کے تھے کہ محسوس کرنا پڑتا تھا کہ اگر "حج کا سفر" نہ لکھا جاتا۔ یا کار خیر کے "اشتہار" کے شبہ میں بیچ سے ختم کر دیا جاتا ــــ تو زیادتی ہو جاتی۔

مدیر ' قومی آواز ' کے نام :ــ

" آپ کے موقر اخبار میں ہفتہ وار " حج کا سفر " قسط وار چھپتا رہا ہے جو کافی دلچسپ اور معلوماتی تھا نیز اس میں بہت سے مسائل کو بھی حل کیا گیا ہے انداز بیان اس قدر پر لطف ہوتا تھا کہ میں سب سے پہلے اسی کو پڑھتا تھا اخبارات میں ایسے بیش بہا ذخیرے کا محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اخبارات تلف ہو جاتے ہیں اس لئے اگر قبلہ مولوی صاحب اس

کو کتابی صورت میں شائع کرا دیں تو بہت اچھا ہوگا اور حج کے سفر پر جانے
والوں کے لیے ایک مشعل کا کام کرے گا" (ایس اے حق للت پور جھانسی)

(۲) رضا انصاری صاحب کا مضمون "حج کا سفر" میں شروع سے بڑے
ذوق و شوق سے پڑھ رہا ہوں اور اس سلسلے کے ہر مضمون کو پڑھ کر
مجھے بے پایاں مسرت کا احساس ہوا ہے، اس موضوع پر اردو میں
مختصر اور ضخیم کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں میری نظر سے بھی متعدد کتابیں
گزری ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین نہ تو حالات و
واقعات کے عوامل و محرکات تک پہنچے نہ انھیں مناسب پیرایۂ بیان
ہاتھ آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سفرنامے زیادہ تر بے جان رپورٹیں ہیں
یا گلدستہ ہائے عقیدت، رضا صاحب نہ صرف یہ کہ حالات و واقعات
کے بنیادی محرکات تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ وہ اظہار خیال کے سارے
وسائل بھی بروئے کار لا سکتے ہیں ان کے مضامین میں ادب کی چاشنی
بھی ہے اور خلوص و عقیدت کے نذرانے بھی۔ ان کی ایک خصوصیت یہ
بھی ہے کہ وہ جزئیات پر کما حقہ نگاہ رکھتے ہیں اور اپنے محسوسات
کو بے کم و کاست بیان کر سکتے ہیں پیرایۂ زبان اتنا دل نشین کہ اکثر جگہ
مکرر سہ مکرر پڑھنے کی طبیعت چاہے، دوسری بات یہ ہے کہ رضا صاحب کا
زاویۂ نگاہ یوپی کے متوسط طبقے کے شرفا کا زاویۂ نگاہ ہے جو کہ ہم جیسے
اکثر لوگوں کے لیے جانی پہچانی چیز معلوم ہوتی ہے، مجھے امید ہے کہ یہ
مضامین کتابی صورت میں ضرور شائع کیے جائیں گے تاکہ گوشہ نشینانِ ہند

اور مسافران حجاز دونوں مستفید ہوسکیں، رضا صاحب کی خدمت
میں میری جانب سے ہدیہ تبریک پیش کر دیجئے" (نامی انصاری پریذیڈنٹ)

(۳) "سفر نامہ حج قومی آواز میں پڑھ رہا ہوں بہت مفید اور معلومات سے
پر ہے خاص بات یہ ہے کہ عملی گائیڈنس اور دلچسپ ہے اس کو کتابی شکل
میں لایا جائے تاکہ آئندہ حاجیوں کو رہنما کا کام دے"

(محمد حامد حنفی کلے اسکوائر لکھنؤ)

اور جب ۴۴ قسطوں پر "حج کا سفر" پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو ایک ایسا خط
ملا جس کے حرف حرف سے بے ساختگی، سادگی، صاف گوئی اور مافی الضمیر کو
کہہ گزرنے کی بے تکلف کوشش بخوبی ظاہر ہوتی ہے:۔

"مکرمی انصاری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ حج بیت اللہ
کے متعلق ۴۴ قسطوں میں بہت معلومات ہوئیں اور ہوجایا کرتی تھیں اور
اس مرتبہ آخری قسط کا اعلان پڑھ کر سخت تکلیف اور دکھ ہو رہا ہے کیا
آپ ایک اور دو ماہ سلسل قائم نہیں رکھ سکتے ہیں؟ اب کل والا قومی آواز
کاہے کو پڑھا جائے گا، کوئی تو سبیل انصاری صاحب نکالیے، اگر ممکن نہ
ہو تو پھر پہلی قسط سے شروع ہوجائیے، تو بڑی مہربانی ہوگی کل تو دل بڑا
اداس رہے گا، کیا عرض کروں بیان نہیں کرسکتا فقط والسلام

خیر اندیش"

پوسٹ کارڈ کے ایک طرف خط لکھ کر اور بات ختم کرکے اس "محبت پاک" کو پھر بیقراری
نے ستایا پوسٹ کارڈ کی دوسری طرف اس نے بار دوم رعایت دل کی بات کہہ ڈالی۔

"خدا کی قسم آپنے یہ سلسلہ ختم کر کے بے حد کوفت میں ڈال دیا ہے اگر یہ ممکن نہیں تو اسی قسم کا کوئی اور ہی سلسلہ شروع کر دیجئے مدینے پاک کی کوئی اور ہی خبریں اور حالات شروع کر دیجئے مہربانی ہوگی، جی چاہتا ہے کہ آپ پر ظالم ہونے کا فتوی کوئی صادر فرما دیوے مگر مشکل تو یہ ہے کہ حضور خود ہی دوسروں پر فتاد سے صادر فرمایا کرتے ہیں میری کیا کسی کی کیا بساط ہے' اچھا صاحب آپ کی جیسی مرضی کبھی تو آپ کو رحم آ ہی جائے گا آمین"

(..... اے ۔ بی نگر اناؤ)

اس قسم کے تحریری تقاضے انبساط خاطر کا باعث جس حد تک بن سکتے ہیں وہ ظاہر ہے لیکن کیا یہ بھی گنجائش چھوڑتے ہیں کہ ایسی فرمائشوں کو در خور اعتنا نہ سمجھا جائے ؟ بے اعتنائی نہیں تنگ دلی ہوتی کہ " ماحضر" موجود ہو صرف اسے مرتب کر کے پیش کرنے کا مرحلہ باقی ہو اس وقت ان معارف کا بہنہ دیکھا جائے جو اگرچہ ابتداً میں ہوتے مگر بالآخر بارنہ ثابت ہوتے ! سفر نامے کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد طباعت کے تخمینے کے سلسلے میں" قومی آواز" کے صدر کاتب سید مظفر حسین عرف نوابو صاحب سے ایک دن راہ چلتے تبادلۂ خیال ہو رہا تھا دس قدم کے فاصلے پر ایک رکشا اور دو صاحب قمیص اور پتلون میں اس کے پاس کھڑے نظر آئے قریب جانے پر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا " یہی ہیں"

" میں آپ سے ملنے آپکے یہاں آنا چاہتا تھا ابھی رکشے سے گزرتے ہوئے انھوں نے (اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بتایا کہ آپ یہ ہیں" دوسرے صاحب نے کہا۔

فوراً ہی انھوں نے اپنا تعارف کرادیا " میں ڈاکٹر بھاٹیا ہوں، بازار کھالہ میں میرا مطب ہے "حج کا سفر" برابر پڑھ رہا ہوں، مکے کی ان بی بی کے واقعہ سے جن کو انکے والد نے وطن سے تیس درہم ایک حاجی کے ہاتھ بھیجے تھے، دل پر بہت اثر ہوا "

ڈاکٹر بھاٹیا صاحب کی اس گفتگو نے طبیعت پر غیر معمولی اثر کیا، خدا کا فضل اور اسی کا شکر ہے کہ اس تحریر کو اس نے بلا تخصیص مذہب و ملت قبول خاطر عطا فرمایا۔

(۲)

محترم مولانا علی میاں صاحب نے فرمایا تھا " جب مکمل ہو جائے تو اسے کتابی صورت میں چھپوائیے گا ضرور اردو میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے سفر نامۂ حجاز کے بعد غالباً یہ دوسرا سفرنامہ ثابت ہوگا "

" اس شرط پر منظور ہے کہ آپ مقدمہ لکھنے کا وعدہ کریں "

جب یہ بات چیت ہوئی اس وقت علی میاں آشوب چشم کے شدید ترین کرب میں مبتلا تھے پھر بھی انھوں نے اپنی فطری مروت کے تحت بشرط صحت وعدہ فرما لیا تھا سفرنامے کی بدقسمتی کہ اب تک وہ شفایاب نہ ہو پائے کہ معمول کے مطابق لکھنے پڑھنے کے شاغل جاری کر سکیں، اب سفرنامہ بغیر ان کے پاس اونکے مقدمے کے مطبع کے سپرد کیا جا رہا ہے۔

(۳)

بالاقساط چھپنے کے دوران میں کچھ مشورے عازمین حج کی سہولت کے سلسلے میں حج کمیٹی اور مرکزی سرکار کو برسبیل تذکرہ دیئے گئے تھے، ان میں سے بعض

بلکہ اکثر اس سال ضابطہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ایک دفعہ کے مسترد عازمین حج کو دوسری دفعہ ترجیحی سلوک کا مستحق مان لیا گیا بلکہ اس سال ستر فیصدی ان ہی عازمین حج کو جگہ دی گئی ہے جنھوں نے سالِ گزشتہ دپیوستہ کے "محروم رہ جانے کی تحریری سندیں" پیش کر دیں۔ یہ بھی اب عمل درآمد کی حد تک قریب طے سا ہو گیا ہو کہ ایک ریاست کے عازمین حج حتی الامکان ایک ہی جہاز کے ذریعہ روانہ ہوں گے۔

اس مشورے کو بھی مان لیا گیا ہے کہ عازمین حج کے ویزا پاسپورٹ کے مراحل ایک ہی ساتھ بلکہ بمبئی پہنچنے سے پہلے ہی طے ہو جایا کریں اب تک عازمین حج جہاز کی روانگی سے آٹھ آٹھ روز قبل بمبئی پہنچ کر پاسپورٹ ویزا وغیرہ کے چکروں میں ہی پھنسے رہتے تھے۔

(۴)

"حج کا سفر" روئیداد سفر کے انداز میں لکھا گیا تھا اور جیسا کہ اوپر گزرا ایک سلسلے سے نہیں بلکہ وقتے وقفے سے اس کی قسطیں لکھی گئیں اسی لئے وہ چیز جسے اسلوب، انداز اور رجحان کی یکسانی کہتے ہیں۔ جو تصنیف کی عضویت اور مصنف کی مہارت کا ثبوت ہوتی ہے۔ اگر ان صفحات میں نظر نہ آئے تو اسے ایسی خامی سمجھ کر گوارا کر لیا جانا چاہیئے کہ نظر ثانی میں اس کو دور کرنا دوسرے قسم کی خامیوں کے پیدا ہو جانے کا خطرہ مول لیے بغیر ممکن نہ تھا۔

(۵)

حج کی دعاؤں کا اس سفر نامے میں ذکر نہیں ہے اوّل تو اس لیے کہ

ایسا بہت ہی نادر ہے کہ کوئی خاص دعا کسی خاص موقع کے لیے اس طرح ماثور ہو کہ بغیر اس کے پڑھے مناسک حج میں خامی رہ جائے تو اس کی تفصیلات میں جانا غیر ضروری نظر آیا۔ دوسرے یہ کہ دعاؤں کی جیبی سائز کی بہت سی کتابیں بآسانی ہندوستان اور حجاز میں مل جاتی ہیں۔

(۶)

کتاب کے صفحات کا مناسب حد میں رہنا مولانا محمد منظور نعمانی صاحب (مدیر الفرقان) کے توجہ دلانے کے بعد انتہائی ضروری معلوم ہوا۔ مولانا نے اپنے دیرینہ تجربے کی روشنی میں فرمایا کہ کتابی شکل میں لانے سے پہلے سفرنامے پر اس پہلو سے نظر ثانی کر لی جائے کہ زیادہ ضخیم کتاب سے اکثر استفادہ کرنے والوں کی تعداد گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

اس صلاح کے پیش نظر "حج کا سفر" حذف و ترمیم کے بعد ——— اور ایسی ترمیم کے بغیر جو ثقیل مقصود ہو ——— کتاب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

کتاب کی منزل تک سفرنامے کے پہنچنے میں بہت سے مراحل تھے اور ہر مرحلہ جدا جدا مشکل کشا کا محتاج۔ اسی فکر میں چھ سات مہینے گزر گئے بالآخر تقاضوں اور تعاونوں کے سہارے منزل کی سمت قدم بڑھا لیا۔

اب منزل پر پہنچتے وقت سب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا انسانی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ ان میں جناب حیات اللہ انصاری صاحب (مدیر قومی آواز) محب محترم جناب مقبول احمد صاحب لاری اور عزیز محترم حافظ حفیظ نعمانی صاحب (مدیر ندائے ملت) سرفہرست ہیں۔ حفیظ صاحب نے پیچیدہ مراحل

کی تمام تر ذمہ داری لے لی ان کی رفیقۂ حیات اپنے خسر مولانا محمد منظور نعمانی کے ساتھ اسی سال حج کرنے گئی تھیں جس سال کی روئیداد سفر بالاقساط شائع ہوتی رہی تھی، اور جب یہ قسطیں چھپ رہی تھیں اس دوران میں خود حفیظ نعمانی صاحب ڈی آئی آر کے تحت لکھنؤ جیل میں غیر معینہ میعاد گزار رہے تھے اور، حج کا سفر جیل میں پڑھ پڑھ کر نجی خطوں میں اپنی خصوصی دلچسپی کا پیغام بھی لکھوادیا کرتے تھے۔

اس سراپا سعادت کے تذکرے کے ساتھ الحاج حافظ محمد افضل رزاقی عرف فجی میاں (بڑا گاؤں ضلع بارہ بنکی) پرنس ڈاکٹر یوسف نجم الدین (بمبئی) مولانا محمد میاں فاروقی (الہ آباد) اور الحاج فقیر محمد صاحب (لکھنؤ) کا ممنونیت کے ساتھ ذکر بھی ضروری ہے ان حضرات کی خصوصی توجہ کے بغیر روانگی جہاز کا آرام اور مکہ معظمہ کا قیام آسان نہ ہوتا۔

بعض ان رفقائے سفر کا تذکرہ بھی ایک خوش گوار فریضہ ہے جن کی رفاقت اس مبارک سفر کی یاد کے ساتھ ہمیشہ یاد رہے گی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد میاں فاروقی (الہ آباد) مولانا محمد شاہد فاخری (الہ آباد) مولانا شاہ عبدالرحیم نقشبندی (بجے پور) مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ) مولانا محمد اویس ندوی نگرامی (لکھنؤ) مولانا سید محمد سعید مجتہد (لکھنؤ) مولانا حبیب الرحمن (اعظم گڑھ) حاجی فقیر محمد (لکھنؤ) چودھری عظیم الدین اشرف (سپیار بارہ بنکی) برادرم شیخ ظہیر حسین (لکھنؤ) سید اکرام الحق (لکھنؤ) جناب مناظر الحسن (پٹنہ) جناب اشتیاق حسین (کانپور) جناب ایم۔ او۔ رحمان (مدراس)

مولانا معین اللہ ندوی (لکھنؤ) مولانا ابو اللیث ندوی (دہلی) قاری محمد سابق (لکھنؤ) شیخ ظہور الحسن (لکھنؤ) شیخ ذوالفقار اللہ (الہ آباد) جناب فرحت علی (الہ آباد) حاجی نثار احمد عارف خیر آبادی عرف لاّ میاں (لکھنؤ) مولانا مفتی محمد یتیق فرنگی محلی (لکھنؤ) اور برادر عزیز مولانا حافظ محمد جلال الدین عبدالمتین فرنگی محلی یہ سب حضرات وہ ہیں جو آتے جاتے جہاز پر یا مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں حق رفاقت ادا کرنے میں بڑے عالی ظرف ثابت ہوئے۔

جاتے آتے بمبئی میں ایک ایک ہفتہ قیام کے دوران، چھوٹوں کی طرح خیال کر کے اسعد الدین صدیقی (سنٹرل ریلوے بمبئی) اور مجروح سلطان پوری نے اور بڑوں کی طرح شفقت کر کے مولانا زاہد شوکت علی اور حافظ عابد شوکت علی نے بمبئی کو بالکل لکھنؤ بنا دیا تھا۔

بمبئی سے روانگی کے وقت ہمارا قافلہ پانچ افراد والدہ، پھوپھو جان (اہلیہ مولانا قطب میاں صاحب مرحوم) ممانی (اہلیہ خالِ محترم حافظ حکیم محمد لعہد علوی کاکوروی مرحوم) متین میاں اور راقم السطور پر مشتمل تھا۔

سفر حج کے مصارف کا ذکر "حج کا سفر" لکھنے کے دوران متفرق طور پر ہوا ہے یہاں "ایک نظر میں" تیسرے درجے کے مسافر کے تمام لازمی مصارف کو دیکھ لیا جائے:۔

بمبئی سے جدے تک جانے آنے کا بحری جہاز کا ٹکٹ ۔ ۲۴۳، روپے

اس رقم میں ہیلتھ سارٹیفکٹ کی فیس، جدہ میں مدینۃ الحجاج میں پہنچنے کا کرایہ، جدے میں جہاز سے سامان منتقل کرنے اور فیس مدینۃ الحجاج

تک پہنچانے کی مزدوری اور جہاز پر کھانے پینے کے مصارف وغیرہ سب شامل ہیں۔

جدے سے آگے سارے مصارف ریال (سعودی سکّے) میں ہوں گے جو حسب ذیل ہیں:-

معلم کی فیس جو جدے میں اس کے وکیل کو ادا کرنا ہوگی — ۴۷ ریال

جدے سے مکہ معظمہ جانے اور آنے کا سرکاری بس کا کرایہ — ۲۳ ریال

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے آنے کا سرکاری بس کا کرایہ — ۱۰۱ ریال

مکہ معظمہ میں دو مہینے قیام کے لئے مکان کا کرایہ کوئی مقرر نہیں ہو حسب حیثیت مکان کا کرایہ ادا کرکے کوئی بھی مکان لے سکتا ہے اوسطاً فی کس ۱۰۰ ریال

منیٰ اور عرفات میں خیمے کا کرایہ —————— ۵۳ ریال

قربانی (ایک جانور کی) —————— ۳۵ ریال

مدینہ شریف میں مزور کی فیس —————— ۱۵ ریال

مدینہ شریف میں کرایہ مکان اوسطاً —————— ۲۰ ریال

کم و بیش دو مہینے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کھانے پینے کے مصارف اوسطاً —————— ۲۵۰ ریال

متفرقات —————— ۴۷ ریال

۷۰۰ ریال

ہندستانی سکہ زیادہ سے زیادہ ۵۷۵ روپے آپ کے لئے ہوجیبے

جہاز پر بیٹھنے سے پہلے ہی صابوصدیق مسافر خانہ میں واقع ریزرو بنک کی شاخ میں آپ داخل کرکے اس کے بدلے میں ۹۳۰ ریال کا ڈرافٹ لے لیں جسے جدہ میں آپ سعودی بنک کی شاخ سے جو مدینۃ الحجاج میں ہے کھڑے کھڑے بھنا لیجئے گا تو آپ کے ہاتھ میں ۹۳۰ ریال ہو گئے جن میں سے سات سو ریال آپ نے مذکورہ مصارف میں خرچ کئے آپ کے پاس دو سو تیس ریال بچے ہیں ان کو آپ وہاں اپنی مرضی سے خرچ کر سکتے ہیں، لیکن ہر حاجی کے پاس لازماً سات سو ریال ہونا چاہیئے ورنہ وہ مشکلات میں پڑ جائے گا اسی لئے حکومت ہند ایسے کسی عازم حج کو اجازت سفر نہیں دیتی جو علاوہ جہاز کے ٹکٹ کے دام کے کم از کم سات سو ریال کا ڈرافٹ بنوانے کے لئے ساڑھے بارہ سو ہندستانی سکہ نہ رکھتا ہو۔

اب ہندستانی سکے میں حساب لگایئے تو جہاز کے ٹکٹ کی خریداری کے لئے ۹۴۳، روپے اور حجاز کے مصارف کے لئے زیادہ سے زیادہ ۱۵۰۰ روپے یا کم سے کم ۱۲۵۰ سو روپے یعنی کل جمع چوبیس سو روپے یا کم از کم اکیس سو روپے کا خرچ ہے، اس خرچ میں اپنے وطن سے بمبئی تک جانے آنے اور بمبئی میں کھانے پینے کے مصارف بھی جوڑ لئے جائیں تو کسی طرح ڈھائی ہزار یا دو ہزار دو سو ہندستانی روپوں سے کم کا خرچ — فی حاجی نہ آئے گا۔

(۷)

حج کا سفر دیکھنے میں طویل اور مشقت کا سفر ہے، بہت سے کمزور دل بھی سوچ سوچ کر ہمت ہار دیتے ہیں، اپنا حال بھی اس سے مختلف نہ تھا، روانگی

سے پہلے جب محترم و معظم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے تحریر فرمایا تھا "اتنا طویل سفر واقعی ایک مجاہدہ ہے اور وہ بھی ضعیف العمر زنانی سواریوں کے ساتھ لیکن اول تو صعوبات سفر زیادہ تر خیالی ہی ہوتی ہیں پھر اس مبارک سفر کے متعلق میرا اور دوسروں کا تجربہ یہ ہے کہ پہلے تو ہر صورت ڈراؤنی نظر آتی ہے لیکن عین وقت پر رحمت الٰہی ہر مشکل کو پانی کر دیتی ہے" تو اس کی حیثیت صرف ایک تسلی کی سمجھی تھی لیکن پورے سفر میں قدم قدم پر اس "تجربے" کی صداقت کی گواہی دینا پڑی، اور کم و بیش ہر رفیق سفر کو اسی تجربے کا قائل پایا۔ یہ تو نہیں کہ کوئی زحمت نمودار ہی نہیں ہوتی۔ لیکن بروقت مددگار اور معاون ہر ایک کو مل جاتے ہیں چاہے کسی کا کوئی ایک بھی شناسا وہاں نہ ہو۔ ہر مرحلے پر مولانا عبدالماجد صاحب کی یہ تسلی اور اس کے ساتھ وہ بھی یاد آتے رہے۔

(۸)

لکھنؤ سے روانگی سے لے کر مدینہ منورہ سے رخصت ہونے تک کا ذکر اس سفرنامے میں ہے جدے سے واپسی بمبئی میں آمد اور وطن میں واپسی کا تذکرہ عمداً ترک کر دیا گیا ہے کہ داستان کا اختتام "ذکر خیر" پر ہو وہاں سے واپسی کا ذکر بھی خوشی خوشی کیا جا سکتا ہے جہاں سے واپس نہ آپانے والے ہی خوش قسمت کہلاتے ہیں ؎

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

خاندان فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ملا قطب الدین شہید سہالوی کے چھوٹے بیٹے

ملا محمد رضاؒ ـــــ راقم السطور کے جد اعلیٰ ـ علمائے فرنگی محل میں پہلے تھے جو حج و زیارت کو اس ولولے اور جذبے سے گئے تھے کہ اپنے پیر و مرشد سید السالکینؒ حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف سے اپنی مدینۂ منورہ میں طلبی کی خوشخبری پاکر اہل و عیال کو اپنے سے بڑے بھائی استاذ الہند ملا نظام الدینؒ بانیٔ درس نظامی کے سپرد کرکے بلا زاد و راحلہ صرف ایک مرید کی معیت میں پیادہ پا چل پڑے حج کے بعد مدینۂ منورہ تک رسائی کی اطلاع مختلف ذرائع سے ملتی رہی پھر استاذ الہندؒ نے اپنے کشف سے اپنے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کی وفات کی خبر دی، فرنگی محل کے نامور عالم اور تذکرہ نویس ملا محمد ولی اللہ نے لکھا ہے کہ " وفاتش ہم دراں نواح واقع شد ازیں جہت ضبط تاریخ وفات اتفاق نیفتاد چہ دریافت نگشتہ کہ درکدام سن و کدام ماہ و کدام روز ازیں عالم انتقال کرد مگر ایں قدر البتہ دریافت می گردد کہ شاید در حیات برادر کلان خود حضرت مولانا قدس سرہ را استاذ الہند ملا نظام الدین، وفات یافتہ" (ملا نظام الدینؒ کی وفات ۱۱۶۱ھ میں ہوئی)

ملا حاجی محمد رضا کی دسویں پشت میں ان کے ایک پوتے کا نام ملا ہی کے نام پر رکھا گیا جو صرف نام ہی کا محمد رضا نکلا، نہ اس نے وہ قسمت پائی جو اس کے جد اعلیٰ کے نصیب میں آئی اور نہ وہ ولولہ و جذبہ پایا جس نے حق شناس و حق آگاہ سرکار حضرت بانسہ سے ملا محمد رضا کو "دولت خدا" کا لقب دلایا ـــــ وہ کوئے حبیب کی طرف سر کے بل دیوانہ صفت گئے، یہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اپنی سلامتی کی خیر مناتا گیا ـــــ وہ گئے تو لوٹ کر نہ آئے یہ گیا

اور ہنسی خوشی گھر لوٹ آیا۔

کیا ہنسی آتی ہے ہم کو دیوانگان عشق میں
ہم جو ثابت لے کے اپنے جیب و دامن کو گئے

۹۔ فرنگی محل لکھنؤ ۳ — محمد رضا انصاری

۲۷ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ ۱۱ نومبر ۱۹۶۶ء

حج کی قسمیں

حج فرض ہے ان لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہیں۔
عمرہ جسے چھوٹا حج بھی کہتے ہیں سنت مؤکدہ ہے۔
اگر کوئی شخص صرف حج کی نیت کر کے حج کو جائے تو وہ مفرد ہے اس حج کو افراد کہتے ہیں۔
کوئی شخص میقات پر پہنچ کر حج اور عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے وہ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہیں اتارے گا بلکہ ایام حج میں جب حج کرے تب احرام اتارے گا ایسے شخص کو قارن کہیں گے اور حج اور عمرہ کا ملانا قران ہے۔
جو میقات پر عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کر کے احرام اتار دے پھر ایام حج میں حج کی نیت سے احرام باندھے وہ متمتع کہلائے گا اور اس طرح حج کرنے کو تمتع کہتے ہیں۔

عمرہ میں احرام باندھنا اور طواف عمرہ کرنا فرض صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب اس کے بعد سر کے بال ترشوانا یا منڈوانا واجب ہے۔
مفرد کے لئے احرام باندھنا وقوف عرفہ اور طواف زیارت فرض وقوف

مزدلفہ حلق یا تقصیر سعی، طواف وداع رمی جمرہ عقبہ اور رمی جمرات ثلاثہ واجب طواف قدوم اور منیٰ میں آٹھویں شب گزارنا سنت اور قربانی کرنا مستحب ہے۔

مقرن کے لئے حج اور عمرہ کا احرام باندھنا، طواف عمرہ کرنا وقوف عرفہ اور طواف زیارت فرض ہے سعی عمرہ سعی حج، وقوف مزدلفہ، رمی جمرہ عقبہ رمی جمرات ثلاثہ قربانی، حلق یا تقصیر اور طواف وداع واجب اور منیٰ میں آٹھویں شب گزارنا سنت ہے۔

متمتع پہلے عمرہ کرتا ہے اور احرام اتار دیتا ہے پھر دوبارہ حج کا احرام باندھتا ہے وہ پہلے عمرے کے ارکان ادا کرے پھر ایام حج میں حج کے مناسک ادا کرے جس طرح مفرد ادا کرتا ہے۔ اس پر وہی سب فرائض اور واجبات ہیں البتہ متمتع کے لئے قربانی واجب ہے جب کہ مفرد کے لئے مستحب تھی۔

کوئی فرض رہ جائے تو اس کی قضا کرے اس سال نہ ہوسکے تو آئندہ سال قضا کرے واجب ترک ہوجائے تو دم (قربانی) دے سنت اور مستحب امور رہ جائیں تو کوئی تاوان نہیں ہے۔

حنفیوں کے نزدیک قران افضل ہے اس کے بعد تمتع اس کے بعد افراد اگر کوئی شخص ایام حج سے کافی پہلے قران کا احرام باندھ کر گیا تو احرام کے تقاضوں کو برابر ادا کرتا ہوگا یہ سفر میں بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے اپنی سکت کو دیکھ کر قران کی نیت کرنا چاہئیے، جہاں تک فریضہ حج کی ادائیگی کا سوال ہے وہ جس قسم کا حج کرے گا فرض سے سبکدوش ہوجائے گا۔

اب جس قدر کثرت عازمین حج کی ہونے لگی ہے اس کے دیکھتے ہوئے

ضمنی باتوں میں اہتمام کرنا بسا اوقات فرائض اور واجبات میں خلل انداز ہوجاتا ہے اس لئے فرائض وواجبات میں اہتمام کرنا چاہیئے مسنون اور مستحب امور میں اگر مشکل ہو رہی ہو تو اس کی وجہ سے فرض اور واجب کو متاثر نہ ہونے دے ـــ

حج بدل کرنے والے کو اسی قسم کے حج کا احرام باندھنا چاہیئے جس کا حکم اپنی طرف سے حج کرانے والے نے دیا ہے اگر کوئی خاص حکم نہیں دیا ہے تو فقہا کہتے ہیں کہ اسے افراد کا احرام باندھنا چاہیئے مگر مفتی یہ مسلک یہی ہے کہ آمر کا حکم صریح نہ ہو تو مامور مختار ہے کہ جس قسم کے حج کا احرام باندھے اچھا یہ ہے کہ آمر خود ہی مامور کو اختیار دے دے کہ "جس قسم کا حج تیرا جی چاہے کر۔"

احرام باندھنے والے کو خوشبو یا تیل کا استعمال، سلا ہوا کپڑا پہننا، بال مونڈنا، ناخن کترنا، عورت کے ساتھ استراحت یا ہم کناری اور شکار کرنا خشکی کے جانور کا احرام سے جوں تک مارنا ممنوع ہے۔

شرطِ اوّل قدم

موجودہ صدی ہجری کے ایک شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کی مجلس سے متعلق ایک روایت جب کبھی حافظے میں تازہ ہو جاتی ہے تو نفس کا سخت محاسبہ کرنا لازم نظر آتا ہے۔ روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک نوجوان جو تحصیل علم سے فارغ ہو چکا تھا وقت کے نقشبندی اور قادری شیخ مولانا شاہ فضل رحمٰن کی خدمت میں گنج مرادآباد (ضلع اناؤ) حاضر ہوا اور ایک نووارد و غالب کی حیثیت سے شاہ صاحبؒ کی مجلس میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ بزرگانِ طریقت کے دستور کے مطابق شاہ صاحبؒ نے حضارِ مجلس کی طرف حسب مراتب توجہ فرماتے ہوئے اس نووارد نوجوان سے بھی استفسار فرمایا

"کیوں آئے ہو اور کیا مقصد ہے؟"

نوجوان نے دست بستہ عرض کیا کہ تحصیل علم سے فراغت حاصل کر لی ہے اب حج کو جانا چاہتا ہوں۔ نوجوان کے اس جواب میں شاید خودنمائی کا شائبہ محسوس ہوا ہو اور بزرگوں کی خدمت میں اس طرح جسارت کرنے پر کچھ تادیب مقصود ہو یا کوئی اور رمز اس کے اندر نہاں ہو جس کو حقیقت شناس ہی سمجھ پائیں گے، بہرحال شاہ صاحبؒ نے ذرا تیز لہجے میں فرمایا

فرمایا: جانتا بھی ہے کہ سفر حج کی شرط کیا ہے؟"

نوجوان نے دوبارہ جسارت سے کام لیا اور حضرت کے تیور دیکھ کر خاموش ہو جانے کے بجائے بول اٹھا۔

"جی ہاں"

شاہ صاحب نے پوچھا "بتا کیا شرط ہے"؟

نوجوان نے برجستہ اور قدرے والہانہ انداز میں جواب دیا: "شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی"۔

حضرت شاہ فضل رحمٰنؒ شاداں سے ہو گئے اس کے بعد دیر تک اس نوجوان کی طرف ملتفت رہے اور جب نوجوان رخصت ہوا تو بنفس نفیس کچھ دور اس کی مشایعت فرمائی، اور رخصت کرتے وقت اسے گاڑھے کا ایک تھان بھی عطا فرمایا۔

یہ نوجوان تھا کون؟ ہمارے زمانے کے اور ہم میں سے بہتوں کے دیکھے، ایک بزرگ مولانا محمد شفیع بجنوریؒ جن کے وصال کو دس بارہ برس ہوئے ہیں جنہوں نے متعدد بار حج کیا، آخری حج میں عین ایام حج میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ (مکہ معظمہ) میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے گاڑھے کا تھان جو دیا تھا تو خدا ہی جانے یہ ایک سچے عازم حج کو بالآخر اس پاک سرزمین پر منہ لپیٹ کر حشر تک پڑے رہنے کی اشارتاً تلقین تھی یا مجنوں ہونے کی شرط پر عمل کے دعوے دار کو سچا مان کر اس کے جان سے گزر جانے کے وقت کے لئے پہلے ہی سامان کر دیا۔ آج کون ہے جو اس قطعیت کے ساتھ روشنی ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے!

محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا کہ ان تک اس واقعہ کی روایت جزوی اختلاف سے پہونچی ہے۔ یہ اختلاف ضرور قابل ذکر ہے۔
ان کی اطلاع کے مطابق جب شاہ صاحبؒ نے مولانا محمد شفیع بجنوریؒ سے پوچھا کہ جانتے بھی ہو کہ شرائط حج کیا ہیں؟ اور مولانا بجنوری نے جواب میں حافظ کا شعر پڑھا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

تو شاہ فضل رحمٰنؒ نے زور سے ایک چیخ ماری اور ایک کیفیت میں ڈوب گئے جب حالتِ سکر سے حالتِ صحو میں آئے (باطنی کیفیت رفع ہوئی اور ظاہری حالت عود کر آئی) تو مولانا شفیع بجنوریؒ سے جلدی جلدی فرمانے لگے۔
"یہ سب فضول باتیں ہیں، بس شرائط حج وہی ہیں جو فقہائے کرام نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں"۔ (یعنی استطاعت۔ امن راہ۔ بلوغ، اسلام، حریت وغیرہ)
مولانا شاہ فضل رحمٰنؒ ایک جلیل القدر عالم دین بھی تھے صاحب درس و تدریس بھی اور اپنے وقت کے نقشبندی اور قادری شیخ طریقت بھی جن کا فیض تربیت دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کی محفل کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ان کے حلقۂ ارادت میں ایک سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہ صاحب کو جس کیفیت کے تحت مذکورہ شعر معدودے چند ساطاری ہوا۔ اس کی تہ تک عام نگاہوں کا پہونچنا آسان نہ تھا جس کے نتیجے میں یہ اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شریعت نے جو شرائط حج بتائے ہیں۔ ان کی اتنی وقعت نہیں ہے جتنی اس شرط کی جس پر شاہ صاحبؒ نے اپنے "حال"

سے مہر توثیق ثبت فرما دی ہے۔ اس طرح شریعت کا پہلو دبتا نظر آتا دیکھ کر شاہ صاحبؒ نے اس اشتباہ کو رفع کرنا اور شرعی احکام کو عام ذہنوں کے لئے مقدم اور اہم بتانا ضروری سمجھا، اور اپنے "حال" کی تردید اپنے "قال" سے فرما دی۔

یہ نکتہ، صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے سوانح کے مطالعہ کرنے والوں کے اگر پیش نظر رہے تو "طریقت" اور "شریعت" کے تصادم کی فرضی داستانیں خود بخود معدوم و منتفی ہو جائیں۔

تو۔ جس راہ کے راہرو کے لئے قدم اٹھانے کی پہلی شرط یہ ہو کہ وہ تمام احتیاطوں اور انجام بینیوں سے فارغ ہو جائے اس راہ پر چلنے کا ارادہ اگر وہ کرے جو قدم قدم پر سہارے ڈھونڈھنے کا عادی رہے لمحے لمحے کی ضرورتوں کے لئے گھنٹوں اور دنوں فکرمند اور منزل منزل کی آسائشوں کے لئے سارے وسائل صرف کر دینے پر تیار رہتا ہو تو سوائے اس کے اور کیا کہا جائے گا ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ دور "شیوۂ اہل نظر" کی بے آبروئی کا دور رہا۔ اور اس اعتراف و اقرار کے بغیر مفر نہیں کہ سفر حج کا قصد کرنے سے بہت پہلے "بوالہوسی" کی کیفیات سے مجبور ہو کر بار بار اور لگاتار سوچنا پڑا کہ یہ دور دراز سفر کن کن سہاروں کے ذریعہ آرام و اطمینان سے طے ہو سکتا ہے، جو ہو آئے ہیں ان سے گھنٹوں تبادلۂ خیال اور جو اثر و رسوخ رکھتے ہیں ان کے سامنے بار بار اپنی پریشانیوں کا اظہار، یہی وہ مشاغل تھے جو دوسرے تمام نجی اور منصبی فرائض پر

غالب سے ہو گئے تھے ۔۔۔ جو پہلا قدم اٹھانے کی پہلی ہی شرط کے سراسر منافی تھے۔
سفرِ حج کے لئے شرع نے استطاعت کی شرط رکھی ہے۔ استطاعت میں مالی استطاعت جسمانی، ذہنی استطاعت سب ہی کچھ شامل کیا جاتا ہے اپنے خیال میں یہاں کسی قسم کی بھی استطاعت کا فقدان نہ پائی جاتی تھی لیکن جب کسی "ہم سایہ" کی "پائے مردی" سے مالی استطاعت نصیب ہو جائے تو بلاشبہ کفرانِ نعمت ہو گا کہ دوسری ان بے استطاعتیوں کو جو موہوم ہونے کا پہلو بھی رکھتی ہیں قابلِ اعتنا سمجھا جائے۔
بالواسطہ مالی استطاعت نصیب ہوتے ہی سنہ ۱۹۶۲ء میں پہلی بار اپنی، اپنی اہلیہ اور اپنی پھوپھو کی طرف سے جہاز راں کمپنی مغل لائنز بمبئی کو درخواستیں بھیجدی تھیں، اس وقت درخواستوں کی وصولی کی ترتیب کے حساب سے جہازوں پر جگہیں دی جاتی تھیں، ترتیب کا مطلب یہ کہ ایک ہی دن اگر دس ہزار درخواستیں پہونچیں تو کمپنی کا عملہ جس ترتیب سے رجسٹریاں وصول کرے گا اسی ترتیب سے رجسٹر میں اندراج ہوگا۔ ہماری درخواستیں اس نمبر پر درج رجسٹر ہوئیں جو مقررہ نشستوں کے بعد پڑتا تھا۔ اس طرح اس سال پھر سنہ ۶۳ء میں ہماری درخواستوں کا جواب انکار میں ملا، سنہ ۱۹۶۴ء میں تیسری بار درخواستیں دیں ان کا بھی وہی حشر ہوا اگرچہ اس دفعہ ترتیب کے بجائے "قسمت" کی کارفرمائی رائج ہو چکی تھی یعنی سب درخواستیں جو مقررہ تاریخ تک کمپنی کو پہونچ گئیں ۔ یکجا کر کے مقررہ نشستوں کی تعداد کے مطابق قرعے کے ذریعہ نکال لی گئیں ہماری درخواستیں قرعے میں نہیں نکلیں اور محرومی اور ناکامی پھر ہاتھ آئی۔
اس دفعہ حج کمیٹی نے ایک گنجائش پیدا کر دی تھی وہ یہ کہ کچھ نشستیں محفوظ

کرلی تھیں (جن کی تعداد کے بارے میں افواہیں بہت سی سننے میں آئیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ صرف دو سو تھیں) یہ ایسے درخواست دہندگان کے لئے محفوظ کی گئی تھیں جو سن رسیدہ ہیں اور پہلی بار عازم حج ہیں۔ ان نشستوں کو الاٹ کرنے کا اختیار مرکزی حج کمیٹی کے صدر مفتی محمد عتیق الرحمٰن عثمانی (ورکنگ صدر مرکزی جمعیۃ العلما) اور ممبران کمیٹی کو دیا گیا تھا۔

مفتی صاحب سے ذاتی نیازمندی نے آمادہ کیا کہ والدہ اور پھوپھی کی سن رسیدگی کی طرف ان کو توجہ دلائی جائے اور انھوں نے توجہ کرکے تین نشستیں ہم تینوں کے لئے الاٹ کردیں، آخری جہاز ۲۰ر مارچ کو جانے والا تھا اور جگہیں ملنے کی خوشخبری شروع مارچ میں گویا تقریباً عالم یاس میں ملی۔

چھوٹا سا سفر بھی جس کے لئے باعث وحشت ہوتا ہو اس کو اتنے بڑے سفر کے لئے اتنے مختصر وقت میں اور اتنی ذمہ داریوں کے پیش نظر تیاریاں کرنا کیسی کچھ پریشانی اور سراسیمگی کا باعث بنا ہوگا اب اسے سوچنے کا بھی حوصلہ نہیں ہے

خیر تیاریاں ہوئیں اور زور و شور کے ساتھ ہوئیں۔ کپڑے لتے، اوڑھنا بچھونا تو ہوتا ہی جتنے منھ اتنے مشورے —— اور ظاہر ہے کہ سب مخلصانہ مشورے —— یہ بھی ساتھ ہونا چاہیے وہ بھی —— پھر بڑی بوڑھیوں کی نصیحت نے دادا، پر دادا کے وقت سے چلی آنے والی "ضروریات سفر" کی فراہمی بھی لازم کردی، انکار کی گنجائش کہاں؟ لاکھ اچھے مگر بزرگ کا کہنا نہ ماننے کا گناہ وہ بھی اس مبارک سفر کے موقع پر اپنے سر کیسے لے لیجئے گا؟

عزیزوں اور دوستوں نے بہت سا زاد راہ بھیجا، سب کا لاد کرلے جانا بس سے

باہر نظر آیا لیکن والدہ کے سامنے مصلحت یہ تھی کہ کھانے کا ایسا سامان جو بہت دنوں چل سکے اتنا جائے کہ اگر خدانخواستہ دو تین مہینے کے سفر میں کہیں ضرورت پڑ جائے تو زحمت نہ ہو، اور ان کی مصلحت تسلیم ہی کرنا پڑی۔
گو تجربے نے یہ ثابت کر دیا کہ سوائے روزمرہ کی بہت ہی ضروری چیزوں کے اور سامان کا لاد کر لے جانا محض دردِ سر ہے۔ وہ زمانہ اور تھا جب حجاز میں کچھ نہیں ملتا تھا۔ اب کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو وہاں نہ ملتی ہو۔
عازمِ حج کو جس قدر روپیہ لے جانے کی اجازت ہے اس کی محدودیت کے دیکھتے بعضوں کو یہ خیال بجا طور پر آتا ہے کہ اگر محدود رقم حجاز میں ضروریات کی فراہمی میں خرچ کی گئی تو حج کے ضروری اخراجات میں تنگی ہو جائے گی اسی لئے وہ ہر چیز جو یہاں سے لے جا سکتے ہیں لے جانا ضروری سمجھتے ہیں۔
ذاتی تجربہ اس کے برعکس ہوا۔ ریل اور جہاز پر اس کے بعد ہر منزل پر زیادہ سامان کی بار برداری میں جتنا خرچ کرنا پڑا اس سے کم ہی میں وہ چیزیں وہاں خریدی جا سکتی تھیں جو یہاں سے لاد کے لے جائی گئی تھیں۔ مزید برآں لدے پھندے حاجی کو ہر مرحلے میں پھیر دار رہنا پڑتا ہے اور سامان کی حفاظت کا تردد کسی وقت اسکا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

جتنی رقم بحری جہاز سے جانے والے حاجی کو ملتی ہے اتنی ہی ہوائی جہاز سے جانے والے حاجی کو، ہوائی جہاز کا مسافر بہت محدود سامان لے جا سکتا ہے ایک چھوٹا ایک بکس اور ایک آدھ ٹوکری اس میں اس کا وزن پورا ہو جاتا ہے۔ اتنے مختصر سامان سامان کے ساتھ اور اسی محدود رقم میں وہ حج کر لیتا ہے تو بحری جہاز کے مسافر بھی

سامان میں بڑی حد تک اختصار سے کام لے سکتے ہیں مگر چوں کہ بحری جہاز پر فی کس سامان کے وزن کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے جی بھر کے سامان لے جانے والے لے جاتے اور بے سبب پریشانی میں پڑجاتے ہیں۔

ہوائی اور بحری مسافروں میں ایک فرق ضرور ہے۔ ہوائی جہاز کے حاجی کو کم و بیش ایک مہینہ حجاز میں صرف کرنا ہوتا ہے جب کہ بحری جہاز کے حاجیوں کو تقریباً ڈھائی مہینے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گزارنا ہوتے ہیں۔ اور کم و بیش بیس دن آمد و رفت میں سمندر پر بسر کرنا ہوتے ہیں۔ تاہم سامان کے سلسلے میں یہ فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے زیادہ دنوں ٹھہرنے والوں کو صرف زیادہ دنوں کھانے کے مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس کا انتظام اس طرح ہے کہ بمبئی میں گیہوں، دال چاول اور شکر کے دام داخل کر دیجئے اور رسید لے لیجئے۔ آپ کا پورا راشن آپ کو زحمت دیئے بغیر مکہ معظمہ پہونچا دیا جاتا ہے۔ جہاں رسید دکھا کر آپ اسے حاصل کر سکتے ہیں اس طرح اس مد میں وہ رقم خرچ کرنا نہیں پڑتی ہے جو ہر حاجی کو مصارف حج کے لئے دیتی ہے۔

ایسے حاجیوں کو دیکھ کر بڑا رشک ہوتا تھا جن کے پاس صرف ایک بچھونا اور ایک بکس تھا، ہلکے پھلکے ہر فکر سے آزاد۔ جہاز پر جتنے دن گزارے کھانا پینا جہاز سے ملتا رہا، ایک لوٹا، دو برتن بس یہ کل سامان ضروری ثابت ہوا۔

پہلے سے کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا ہے کہ سامان کی ڈھلائی کہاں کہاں اور کیسی کیسی زیر باری کے ساتھ ہوتی ہے۔ گھر سے چلے تو ریل میں سامان کا محصول دیا قلی کی مزدوری دی، بمبئی میں اترے اسٹیشن پر پھر قیام گاہ پر مزدوری ادا کی۔ جہاز تک لے جانے کی مزدوری دی (جہاز پر لے جانے کی مزدوری فی کس آٹھ روپے مقرر ہے)

اگر مختصر سامان ہو کر خود اٹھا لیں تو اس نپر پاری سے نجات ہو جائے جدے میں ساحل سے اترنے پر، پھر جدے میں حجاج کی قیام گاہ مدینۃ الحجاج میں، اس کے بعد مدینۃ الحجاج سے روانگی کے وقت ٹیکسی یا بس پر لادنے میں پھر مکہ معظمہ میں سامان اتارنے اور قیام گاہ تک لے جانے میں، اسی طرح مدینہ شریف آنے جانے میں پھر اسی طرح واپس جدے میں کل جدے سے واپس ہوتے وقت جہاز یا ریل میں حساب کیا تو کم و بیش چار سو روپے صرف اپنے سامان کی مزدوری میں مجموعی طور پر خرچ ہوئے۔ پانچ مسافروں کے سامان پر۔

پرانے لکھنوی شاعر آفتاب الدولہ قلق کا ایک شعر پڑھا تھا اور خالی خولی شاعری سمجھ کر گزر گئے تھے ؎

کوئی آئین وفا اٹھ نہیں رہتا اس سے
کون دل کو ادبِ عشق سکھا دیتا ہے؟

اب — جو سفرِ حج درپیش ہوا تو یہ شعر اپنی پوری معنویت کے ساتھ ذہن میں جاگ اٹھا کوئی سفر بھی بغیر تیاریوں کے نہیں ہوتا تیاریوں کا مطلب بھی بہت صاف ہے لیکن عازم حج کی تیاریوں کا رخ خواہ مخواہ بدلا نظر آتا ہے جس میں ارادے کا اتنا دخل نہیں ہوتا جتنا توفیق اور قسمت کا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی غیبی تحریک حقیقی تیاریوں کی طرف توجہ مبذول کرانے پر تلی ہوئی ہے۔

سفرِ حج کی تیاریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ مسافر اپنی گزشتہ لغزشوں اور غلطیوں کو یاد کر کے ان پر نادم ہو، توبہ کرے اور آئندہ حتی الوسع برائیوں سے بچنے کا عہد کرے، بظاہر بڑا آسان کام ہے اگر معاملہ اپنے ہی تک محدود رہے یعنی خلوت میں بیٹھ کر اپنی

کوتاہیوں اور معصیتوں پر نادم ہو لینا کس کو گراں گزرے گا، جب کہ اس کے معاوضے میں بے شمار منافع بھی ملنے والے ہوں' ـــــ لیکن بات اس قدر سہل نہیں ـــــ ان معاملات میں جن کا تعلق 'حقوق اللہ' سے ہے، تخلیہ اور اندرون پردہ کی توبہ چل جائے گی مگر جن معاملات کا تعلق بندوں سے ہو ان میں بندوں کے سامنے عفو اور درگزر کے لئے ہاتھ پھیلائے بغیر معافی ملنے کا سوال کیسا! ـــــ ایسے اللہ والے اب کہاں کہ ان کے حقوق کے بارے میں کوئی لغزش کوئی زیادتی کوئی کوتاہی ہوئی اور انھوں نے بغیر کہے خالصاً لوجہ اللہ دل سے معاف کر دیا ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یہاں تو ایک ایک سے کہا سنا معاف کرانا ہو گا ـــــ یہ جو رسمی طور پر کہہ ڈالتے ہیں "بھئی! کہا سنا معاف کرنا" اور معاف کرنے والے بھی ٹھیٹھ رسمی انداز میں جواب دیتے ہیں "آپ نے کیا ہی کیا ہے۔ خیر کہتے ہیں تو معاف کیا آپ بھی ہمارا کہا سنا معاف کیجئے گا" انشاء اللہ خیر سلا! اس طرح رسمی اور سطحی معافی تلافی سے کام چلنے والا نہیں! آدمی ایک معاشرے میں دن رات رہتا ہے کسی سے دوستی کسی سے نیازمندی کسی سے فرمانبرداری کسی سے اشتراک کسی سے قول و قرار کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیا عملاً ممکن ہو کہ ان تمام تعلقات کو اسی طرح نباہ دے جو ان کا حق ہے؟ کھٹ پٹ بھی ہوتی ہے، اختلاف بھی، نافرمانی بھی ہوتی ہے، بیوفائی بھی، بدخواہی بھی ہوتی ہے اور بدمعاملگی بھی

یہ ظرف کوئی کہاں سے لائے کہ ایک ایک بات کو یاد کرے، اور ایک ایک فرد سے جن کا اس سے سابقہ رہا ہے۔ دانستہ اور نادانستہ بدمعاملگیوں پر معافی مانگے! نفس کا وقار کیسا کچھ مجروح ہوتا نظر آئے گا! تقویٰ اور دینداری کی دھوم دھام کی کیا کیا ہنسی اڑے گی!! اور شہرتِ ایمانداری کی کیا کچھ رسوائی ہو گی!! لیکن سفرِ حج کے آداب و شرائط میں ہے کہ پہلے یہ سب کچھ گوارا کیا جائے، تب آگے قدم اٹھایا جائے ؎

یک قدم بر نفسِ خود نہ
یک قدم در کوئے دوست

پہلے ہی قدم سے اگر نفس کی سرکشی کو نہیں کچلا تو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرا قدم "کوئے دوست" کے بجائے کسی اور ہی کوچے میں نظر آئے گا ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بات بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے سے تعلق پرورش، رحمت اور مغفرت کا ہے، اس کے حقوق میں کوتاہیوں کا اعمال نامہ عرقِ انفعال کے دو قطروں سے دھل سکتا ہے ؎

قطرۂ زاب رحمتِ تو بس است
شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ

بندوں سے بندے کا معاملہ برابری کا ہے اور برابری ہی کی سطح پر طے ہو سکتا ہے کہ جو حق تلفیاں ہوئی ہیں ان کی پوری تلافی کی جائے، تلافی امکان سے باہر ہو تو معافی حاصل کر کے سبک دوشی حاصل کی جائے ـــــ ورنہ اس کے دربار میں جہاں

حقوق اللہ سے پہلے حقوق العباد پوچھے جاتے ہیں کوئی کس منہ سے جانے کی جرائت کرے گا ۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

جن بچاروں کا تعلق کسی نہج سے "پبلک لائف" یا عام انسانوں سے رہا ہے ان کا معاملہ اور بھی سنگین ہے، کتنوں کی دل شکنی کی ہو گی کتنوں پر چوٹیں کی ہوں گی، کتنوں کی مذمت کی ہو گی، کتنوں کی بدگوئی اور غیبت کی ہو گی، مانا کہ یہ سب کچھ پوری نیک نیتی سے کیا ہو گا لیکن نیت کا حال تو صرف نیت کرنے والا ہی جانے گا!! کسی کی نیک نیتی سے جس پر بیت گئی ہیں تو اسے بھی دیکھنا ہے۔ پھر عقل و فہم کے تفاوت کی بنیاد پر ایک کی خیر خواہی کو دوسرا اپنے حق میں بدخواہی سمجھ کر بگڑتا اور کڑھتا بھی تو ہے! بے شک خیر خواہی کرنے والا بے قصور لیکن جس کا دل ٹوٹ گیا اس کی غلط فہمی رفع کرنا اور اس کی دلجوئی کرنا بھی تو معاشرتی فریضہ اور دینی تقاضا ہونا چاہیئے!

اخبار سے تعلق رکھنے کی بنا پر عوامی رابطہ کا دائرہ خاصا وسیع ہو جاتا ہے سینکڑوں سے براہ راست اور ہزاروں لاکھوں سے بالواسطہ ایک ربط قائم ہو جاتا ہے۔ اب سوچیے تو بنا ہنے کی ذمہ داریاں کتنی بڑھی چڑھی نظر آئیں گی اور ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کتنی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہو گی!

آسان تھا کہ اخبار میں اعلان کر کے ہر ایک سے علانیہ معافی مانگ لی جائے اور حقوق العباد سے پوری طرح سبکدوش ہو کر آگے قدم بڑھایا جائے ———

لیکن یہ تجزیہ مشکل ہوگیا کہ نفس کہیں ایک اور فریب میں تو مبتلا نہیں کر رہا ہے؟ واقعی یہ اعلانِ معذرت ہوگا یا دینداری کا ڈھنڈورا ــــ "حقیر پُر تقصیر" "نامہ سیاہ" اور گنہگار وغیرہ کے الفاظ اپنے حق میں لکھنے کا رواج بہت قدیم سہی لیکن یہ فیصلہ کرنا آج بھی مشکل ہے کہ واقعی یہ انکسار ہے یا بابو واسطہ تعلّی۔

غرض اسی کش مکش کی حالت میں جن تک رسائی ہوسکی ان سے زبانی اور جن کو خط لکھ سکے ان سے بذریعۂ تحریر ادائیگی حقوق کے سلسلے میں اپنی کوتاہیوں کی عذر خواہیاں کیں۔ محسوس ہوا کہ بزرگوں نے بڑی فراخ دلی سے چھوٹے کے قصور کو، دوستوں نے دلسوزی سے دوست کی غیر ذمہ داریوں کو، اور شریک زندگی نے پوری محبت کے ساتھ اپنے شریک کی کوتاہیوں کو معاف کیا، لیجئے! اپنے حساب ــــ اس طرح سفر حج کے آداب میں سے ایک بڑا ضروری ادب انجام پاگیا لیکن ایک کھٹکا سا بہ کر لگا ہوا ہے! خدا جانے اپنی جان چھڑانے کے مارے معاف کرنے والے نے معافی دے دی ہے یا واقعی دل سے معاف کیا ہے ــــ اور اسی کھٹکے کے ساتھ آگے قدم بڑھانا پڑا۔

یہ کھٹکا بھی ایک خلش بن کر ساتھ رہے تو کیا کہنا! ــــ خدا نکردہ کہیں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ حقوق العباد سے پوری طرح سبکدوش ہو چکے تو "نازِ تقویٰ" کی راہ سے راہزنِ نفس کو تاخت و تاراجی کے کیسے کیسے مواقع ہاتھ نہ آجائیں گے۔ یہ جو بندگانِ دین کا مشہور قول ہے انکسار العاصیین احب الی اللہ من صولۃ المطیعین (اطاعت گزار بندوں کی نخوت سے کہیں زیادہ گنہگار بندوں کا عجز و انکسار اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے) تو وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے

بچانے کی ایک کوشش ہے مجذوب مرحوم نے اسی مفہوم کو پیش کیا ہے ؎

نازِ تقویٰ سے بھرا اچھا ہے نیازِ رندی
جا و زاہد سے بھرا بھی مری رسوائی ہے

اس راہ کی سب سے بہتر متاع یہی ہے کہ ہر پہلو سے اپنی بے کمالی کے کمال کا اعتراف کرتا چلا جائے جیسے اندھا لکڑی کے سہارے قطع مسافت کرتا ہے تو بڑھ کر کوئی دیکھنے والا راہ گیر اس کی نابینائی پر ترس کھا کر خطرے کے مقام پر اس کا ہاتھ پکڑ کر مقام خطر سے اسے دور کر دیتا ہے ؎

نہ تمتعت ز دنیا نہ ز دیں نصیب منظر
بفنونِ بے کمالی چہ قدر کمال داری

ڈھیر بھر سامان تو بندھا بندھایا رکھا ہی تھا اپنے حساب حقوق العباد کے بارے کسی حد تک سبکدوشی جو ہو گئی تو طبیعت بھی ساما ن کا وزن جیسے کچھ کم محسوس ہونے لگا اور چل کھڑے ہونے میں ایک ترنگ اور امنگ کی کیفیت جلوہ فرما نظر آئی۔ ہنسی خوشی ماثور دعائیں پڑھتے پڑھاتے گھر سے باہر قدم رکھا، سامان بھی باہر آیا اور خدا حافظ کہنے والے بھی اکٹھا ہو گئے، لیکن ابھی ایک حقدار کے حق کی ادائیگی باقی تھی یعنی وہ تھی محلے کی مسجد۔ یہ بھی آداب سفر حج میں ہے کہ گھر سے برآمد ہو کر سفر پر روانہ ہونے سے پہلے محلے کی مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے۔ اور مسجد سے اسی طرح رخصت ہو جس طرح عزیزوں اور رشتہ داروں سے رخصت ہوا جاتا ہے اور مسجد سے ان کوتاہیوں کی جو حق مسجد کے سلسلے میں سرزد ہوتی رہی ہیں بالکل اسی طرح معافی مانگے جیسے دوست احباب سے فروگذاشتوں کی معافی چاہی تھی

اتفاق سے گھر سے برآمد ہونے کا وقت عصر سے کچھ پہلے کا تھا۔ جس وقت نفل پڑھی جا سکتی ہے۔ مسجد جا کر دو رکعت نفل پڑھی اور خدا جانے کیوں مسجد سے رخصت ہوتے وقت آنکھیں اشکبار ہوگئیں جب کہ قریب ترین عزیزوں سے رخصت ہوتے یا حقوق کی معافی چاہتے وقت بھی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔

اس بحث میں کیوں پڑا جائے کہ سفر پر روانگی کے لئے کون سا دن "مبارک" ہوتا ہے۔ صرف اتباع سنت اور ارشاد نبوت کے پہلو سے بارک اللہ فی السبت والخمیس (سنیچر اور جمعرات کے دنوں میں اللہ برکت عطا فرمائے) کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ہمارے قافلے کی روانگی جمعہ کا دن گزار کر سنیچر کی شام کو ہوئی (شرعی پہلو سے رات آنے والے دن کی تاریخ ہوا کرتی ہے)

اپنے محلے سے رخصت ۴ بجے سہ پہر کو ہوئے تھے اپنے بزرگوں کے مدفن، باغ مولانا انوار (درگاہ بگنج) سے پیران سلاسل، باپ دادا اور اساتذہ کی قبور کی زیارت اور ایصال ثواب کے بعد قبل مغرب روانگی ہوئی۔ چار باغ ریلوے اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جس کے چند لمحوں بعد بمبئی اکسپریس سے ہمارا کارواں روانہ ہوگیا — ۱۹ مارچ ۱۹۶۵ء کو۔

روانگی اور بمبئی میں

قافلہ جو چار افراد پر مشتمل تھا، راقم الحروف اس کی والدہ، مولانا متین میاں فرنگی محلی اور ان کی والدہ ۱۹ مارچ کو جھانسی ایکسپریس کے ذریعہ شام کے ساڑھے سات بجے لکھنؤ کے چارباغ اسٹیشن سے روانہ ہوا۔

اسٹیشن پر رخصت کرنے والے اعزا و احباب میں اپنے خوردسال بچے بھی تھے جن سے اتنی طویل جدائی کا احساس شاید عام حالات میں برداشت سے باہر ہوتا یہ محض توفیق ایزدی تھی کہ سب سے چھوٹے پانچ سالہ بچے (فائق میاں) کو چمٹاتے وقت بھی بے قراری اور بے چینی کی کیفیت اپنے اندر پیدا نہیں ہوئی۔ وہ تو چھوٹا تھا اور اتنی لمبی غیر حاضری کا واضح تصور بھی اس کے معصوم ذہن میں نہ ہوگا۔ اس کے بڑے بھائی بہن جو رخصت ہوتے وقت زار و قطار رو رہے تھے ایک ایسے کو رونے پر آمادہ نہ کرسکے جو ذرا سی غیر معمولی بات پر پریشان ہونے کا عادی رہا ہو۔

اب سوچنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ گاڑی چھوٹتے وقت دھڑکا دوسرا لگا ہوا تھا کہ دیکھا چاہیئے کہ وہاں کیا گزرتی ہے۔ شوق قدوائی کا یہ شعر اسی دھڑکے

نغمے کے ساتھ ذہن میں گونج رہا تھا ؎

اللہ کرے آج نہ ملنا اُسے یاس
امید جسے جانب دلے کے گئی ہے

اور جب یہ کیفیت حاوی ہو تو دوسری کیفیتیں خواہ نخواہ مغلوب ہو جائیں گی۔

دو راتیں اور ایک دن کا سفر کرکے ۱۲ مارچ کی صبح کو حدود بمبئی میں ہماری ٹرین داخل ہوئی۔ طے پایا تھا کہ بمبئی پہونچ کر سیدھے صابو صدیق مسافر خانے جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔ خدا رحمت نازل فرمائے صابو صدیق مرحوم پر جنھوں نے عازمین حج کے قیام کے لئے ایک عالی شان عمارت بمبئی میں اپنے ذاتی سرمایے سے کھڑی کردی ہے۔ اوسطاً دو ہزار مسافر ایک وقت میں اس مسافر خانے میں آرام سے ٹھہر سکتے ہیں۔

جو بمبئی نہیں گیا ہے وہ اندازہ کر ہی نہیں سکتا کہ اس مسافر خانے کی شکل میں عازمین حج کو کیا دولت ہاتھ آگئی ہے۔ مچھ مارکٹ میں مسافر خانہ ہے جہاں حج کو جانے والے کی تمام ضرورتیں بآسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ دوکانیں ہوٹل، بینک، خانے سواریاں، ڈاک گھر سب چیزیں اس سے متصل ہی ہیں۔ اگر یہ مسافر خانہ نہ ہوتا تو اس زمانے میں عازمین حج کی بمبئی کی مصیبتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بمبئی کے بڑے اسٹیشن وکٹوریہ ٹرمنس یا بمبئی سنٹرل اسٹیشن پر ٹرین کے آتے ہی حج کمیٹی کی پولیس کے جوان سامنے آتے ہیں اور عازمین حج کو ٹرین سے اترنے، سامان کو منتقل کرانے اور مسافر خانے تک پہونچانے میں مدد دیتے ہیں۔

بمبئی ایسا بڑا شہر ہے جہاں ناواقف ہی نہیں بڑے بڑے واقف کار بھی دھوکا

کھا جاتے ہیں اور چاروں طرف منڈلانے والے فریبیوں اور جعل سازوں کے
فریب میں آجاتے ہیں۔ احتیاط کا شدید تقاضا ہے کہ کسی اجنبی سے بمبئی میں کوئی
معاملہ نہ رکھا جائے خواہ وہ کتنا ہی خیر خواہ نظر آتا ہو۔ ایسا ہوا ہے کہ بعد والے
بھی خواہ بن کر عازمین حج کو لوگوں نے لوٹ لیا ہے۔

ہم لوگ وکٹوریہ ٹرمنس پر اتر کر مسافر خانے میں قیام کرنے والے تھے کہ اس سے
قبل ہی ہمارے ایک محترم اور پیر بھائی چودھری عظیم الدین اشرف تعلقدار پتہ پور
ضلع بارہ بنکی، اپنے داماد اسعد الدین صدیقی سینیر برج انسپکٹر کے ساتھ بائی کلہ
اسٹیشن پر نظر آئے۔ ٹرین رکتے ہی انھوں نے حکم دیا کہ یہیں اترو اور ہمارے ساتھ
قیام کرو۔

بائی کلہ اسٹیشن بمبئی شہر کا ایک چھوٹا اسٹیشن ہے جہاں چند منٹ گاڑی رکتی ہے
ہم کو جو بڑے اسٹیشن پر اترنے کے خیال میں تھے جو دس پندرہ منٹ کے بعد آنے
والا تھا تعمیل حکم میں عذر ہوا کہ اتنے سامان کے ساتھ اتنے مختصر وقت میں کیسے
یہاں اتر پائیں گے اور اگر اتر بھی گئے تو مسافر خانے میں ٹھہرنے کا ارادہ کیسے عملی
جامہ پہن پائے گا ـــــ اور اس وقت یہ بڑی بے غیرتی کی بات نظر آرہی تھی
کہ جہاں عام عازمین حج ٹھہرے ہوں وہاں نہ ٹھہر کر کسی مخصوص قیام گاہ میں
آرام سے وقت گزارا جائے۔

عذر کیا کہ ہم لوگ تو مسافر خانے میں ٹھہرنے کا ارادہ کرکے آئے ہیں۔ عظیم
بھائی نے کہا "آپ کو مسافر خانے کا اندازہ نہیں ہے، میں دیکھ آیا ہوں۔ جی
چاہتا ہے تو آپ شوق سے وہیں ٹھہریں میں آپ کی والدہ اور پھوپھی جان کو

تو وہاں ٹھہرنے نہیں دوں گا۔

جلدی جلدی بائی کلہ اسٹیشن پر اترے اور عظیم بھائی کے داماد کے یہاں جو قریب ہی میں بائی کلہ گڈز شیڈ کے ایک بنگلے میں رہتے ہیں چلے آئے مگر اپنی دانست میں کچھ اچھا نہیں کیا۔

چودھری عظیم الدین اشرف بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز عازم حج تھے وہ بمبئی پہلے ہی آگئے تھے اور مسافر خانے کئی بار جا چکے تھے۔

پہلی فرصت میں اپنی قیام گاہ سے انھیں کے ساتھ ہم اور متین میاں، صابو صدیق مسافر خانے گئے اور مسافر خانے کا حال دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

اس وقت دو ہزار کی گنجایش والے مسافر خانے میں کم و بیش پانچ ہزار مسافر مقیم تھے۔

ہم لوگ ۲۰/ مارچ کو بمبئی پہونچے تھے۔ دوسرے دن پھر پانچویں دن پھر آٹھویں دن بحری جہاز روانہ ہونے والے تھے۔ تینوں جہازوں کے مسافر اس وقت مسافر خانے میں اکٹھا تھے۔ تل دھرنے کی جگہ کیا سانس لینا مشکل تھا۔ اللہ کے وہ بندے جو ہر حال میں مگن رہتے ہیں اس حال میں بھی مگن نظر آرہے تھے۔ وہ جو خس خانہ و برفاب کے عادی نہ سہی آرزومند ضرور رہتے ہیں کہاں اس ماحول کی تاب لاسکتے تھے۔

تین منزلہ یہ مسافر خانہ نصف کے قریب تو حج کمیٹی اور متعلقات حج کے دفتروں سے معمور تھا۔ حج کمیٹی کے صدر کا دفتر، اس کے عملہ کا دفتر، ٹیکہ اور انجکشن لگانے کی مردانہ اور زنانہ ڈسپنسریاں، پاسپورٹ بنوانے کا دفتر، روپیہ جمع کرانے کا

بینک، ڈرافٹ حاصل کرنے کا دفتر، راشن کی دوکان، احرام کی دوکان جمعیۃ العلماء کا دفتر، خدام النبی کا دفتر، مردانہ، زنانہ اسپتال۔ یہ دفاتر تو یا دہ رہ گئے ـــــ اور کئی کمرے بھی متعلقات حج کے تصرف میں تھے آدھا سا فرخانہ رہ گیا تھا جس میں بھیڑ بکریوں کی طرح عازمین حج بھرے ہوئے تھے۔ چار پلنگ والے کمرے میں دس بارہ حاجی زمین پر سامان رکھے اور اس سامان سے چوحدی قائم کئے مقیم تھے، راستے، برآمدے، صحن حتیٰ کہ پاخانے کے سامنے کی زمین تک پر اللہ والے دریاں اور چٹائیاں بچھا کر دن رات گزار رہے تھے اور اپنا حال یہ کہ ؎

سودا! قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگر چہ لے نہ سکا ـــــ سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
او روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نکلے تھے منزل لیلیٰ تک کی راہ طے کرنے جس کی پہلی شرط مجنوں ہونا لازمی قرار دی گئی ہے اور ابھی پہلا قدم بھی نہیں اٹھا ہے اور چھکے چھوٹے جا رہے ہیں!

ہے آرزو کہ ابروئے پرخم کو دیکھئے
اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

حوصلہ اتنا چھوٹا اور شوق اتنا اونچا! دونوں میں سمجھوتہ ہو تو کیسے؟ دعا بس بندھے تو کس بات سے؟ ـــــ اپنا ملک، اپنا وطن، شہر اور دل جاتے والے اس بمبئی میں عازمین حج کے اس مجمع میں اپنی موجودگی سے سامان تسلی فراہم کر رہے ہیں اور دل ہے کہ بیٹھا جا رہا ہے۔

مسافر خانے کے اس نا قابل دید منظر کے درمیان کھڑے گھبرا بھی رہے تھے اور کبھی کبھی اپنے حال پر ہنسی بھی آجاتی تھی۔ آخر یہ اتنے اللہ کے بندے بھی تو اسی گوشت پوست اور اسی فطرت و جبلت پر تخلیق ہوئے ہیں۔ یہ کیوں نہیں گھبراتے ہخود اپنے ساتھ متین میاں ہیں۔ مانا کہ وہ نوجوان ہیں اور برداشت زیادہ ہے مگر کہیں زیادہ آرام کی زندگی گزارنے کے عادی ہیں اچھا بوڑھی ماں اور ڈھیر سے زیادہ عمر والی پھوپھو کیا یہ سب فولاد کے بنے ہیں کہ انھیں مصائب سفر سے کوئی وحشت نہیں ہو رہی ہے۔ آپ ہی اکیلے ہیں بڑے نازک مزاج! اکبر الہ آبادی کا شعر یاد آ گیا ؎

یا نہ رکھو منزل یوسف میں قدم اے سالک!
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

مسافر خانے گئے تھے اپنے کاغذات کی تکمیل کرانے، اس بھیڑ بھاڑ میں قطار میں کھڑے ہو گئے جب نمبر آیا تو پہلے "صحت کا صداقت نامہ" دکھایا، یعنی اس کا ثبوت کہ بین اقوامی تو اعد کے تحت ملک سے باہر جانے سے پہلے چیچک کا ٹیکہ اور ہیضہ کا انجکشن لگوالیا ہے پیش کیا۔ متین میاں کے علاوہ ہم تینوں کا صداقت نامہ ضابطے کے فارم پر تھا اور ضابطے کے تحت اس کی خانہ پری ہوئی تھی اس لئے ہم جلدی چھوٹ گئے۔ متین میاں کا عزم حج عین وقت پر ہوا تھا۔ ان کے پاس ضابطے کا فارم مغل لائن نے بھیجا نہیں تھا، انھوں نے لکھنؤ کا ریڈیشن سے جس فارم پر صداقت نامہ حاصل کیا معلوم ہوا کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے اب نیا فارم چل رہا ہے، ہم چاروں نے ساتھ ہی لکھنؤ کار یڈیشن کے عملۂ صحت سے

ٹیکے اور انجکشن لگوائے تھے اور ایک ہی طرح سے لگوائے تھے لیکن فارم کے فرق سے متین میاں کا صداقت نامہ (سارٹیفکٹ) معتبر نہیں نکلا، اسی وقت مسافر خانے کی ڈسپنسری نے دوبارہ ہیضے کا انجکشن دے کر صداقت نامہ پر مہر توثیق ثبت کر دی۔

ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا کہ جب ایک ہی طرح سے سب کے ٹیکے اور انجکشن لگے تو فارم کے فرق سے ایک معتبر دوسرا غیر معتبر کیوں ہوا یہ بھی سمجھ سے باہر تھا کہ جو فارم منسوخ ہو چکا ہے وہ لکھنؤ کارپوریشن نے استعمال کیوں کیا، یہی حال اضلاع سے آنے والے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے محکمۂ صحت کے صداقت نامے لانے والوں کا ہوا، دوبارہ انجکشن کی سوئی بھنکوا کر ان کو "باضابطہ مسافر" ہونے کی سند حاصل ہو سکی۔ کیا قواعد و ضوابط کی تبدیلی اس قدر خفیہ بات ہوتی ہے کہ دوسرے متعلق محکموں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے یا تبدیلی اور ترمیم کی اطلاع بھجوانا اس قدر دشوار ہوتا ہے کہ ـــــ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں کو ابھی تک خبر نہ ہوئی کہ فارم بدل چکا ہے وہ پرانے فارم منسوخ کر دیں!

مسافر خانے کے عملۂ صحت سے تھوڑی دیر تک از سر نو انجکشن لگوانے کی ضرورت پر حجت کی بالآخر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

اب آگے پاسپورٹ کے لئے فیس جمع کرنے۔ یہاں بھی لمبی قطار میں کھڑے ہوئے اور دس روپئے فی کس داخل کر کے رسیدے لی جب پاسپورٹ بن کر مل جائے گا تب آگے کی کارروائیاں بھی اسی طرح قطاروں میں کھڑے ہو کر مکمل کی جائیں گی۔

شیخ ظہور الحسن (ریٹائرڈ سکریٹری محکمہ مال، یوپی) نے خیال ظاہر کیا کہ اگر انتظام میں اتنی تبدیلی کرا دی جائے کہ آدمی ایک ہی دفعہ قطار میں کھڑے ہو کر اپنا نمبر آنے پر تمام اندراجات مکمل کرا سکے تو دردسر بہت حد تک کم ہو جائے وہیں صداقت نامہ کی جانچ ہو وہیں پاسپورٹ کی فیس جمع کر لی جائے یا پہلے پاسپورٹ کی فیس لے لی جائے اور جب پاسپورٹ بن جائے تو تمام اندراجات ایک ساتھ کر دیے جائیں۔

پہلے شیخ صاحب خود حج کمیٹی کے ممبر تھے اب اس سے مستعفی ہو گئے ہیں ان کا یہ خیال بلاشبہ بہت صحیح ہے۔

اسی طرح اگر حج کمیٹی سے متعلق تمام دفتروں کے لئے کوئی علیحدہ عمارت قریب میں حاصل کر لی جائے تو آدھے کے قریب گھرا ہوا مسافرخانہ خالی ہو جائے اور واقفین کے منشا کے عین مطابق عازمین حج ان کمروں میں ٹھہر سکیں مسافروں کو آرام بھی ملے اور چوری چکاری کا خطرہ بھی کم ہو جائے۔ اس وقت تو کوئی حفاظت نہیں ممکن ہے۔ سامان الگ چوری ہوتا ہے اور بھیڑ بھاڑ میں جیب الگ کٹتی ہیں اس طرح بہتوں کی آرزوئیں حسرت میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔

مسافرخانے میں جب اس قدر ازدحام ہوگا تو لازمی نتیجہ نکلے گا کہ صحت صفائی کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، جس حال میں ہم نے مسافرخانے کو پایا وہ کسی بھی متمدن شہر کے لئے شرمناک تھا، اس کی کچھ ذمہ داری تو حج کمیٹی پر ہے جس نے کافی حصہ دبا رکھا ہے اور کچھ ذمہ داری خود عازمین حج کی ہے جو صحت و صفائی کا مطلق خیال نہیں کرتے، جہاں بیٹھے ہیں وہیں ساری ضروریات

پوری کر لینا چاہتے ہیں جس میں بچوں کو ہگانا متانا بھی شامل ہے۔
یہ سب عازمین حج ہیں اور ظاہر ہے کہ سب پابند صوم و صلوٰۃ بھی ہوں گے
لیکن جس طرح یہاں وہ رہ رہے ہیں، اس میں پاس سے گزرنے والوں کا طاہر
رہ جانا مشکل ہے چہ جائیکہ یہ خود طاہر اور پاک رہ پاتے ہوں۔
اس حقیقت پر کہاں تک آنسو بہائیے گا کہ عازمین حج کی بڑی تعداد حج
کے ابتدائیات ہی سے نابلد ہوتی ہے۔ زیادہ صحیح لفظوں میں یوں کہنے کی جرأت
کی جا سکتی ہے کہ ضروریات دین ہی سے ناواقف اور نابلد ہوتی ہے

کیا جانیے کیا ہو گیا ارباب جنوں کو
جینے کی ادا یاد نہ مرنے کی ادا یاد

ہم لوگ صابو صدیق مسافر خانے کے اس حصے میں جو حج کمیٹی کے قبضے
میں ہے کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے اچانک نظر پڑی کہ کئی ایک
بوڑھے بنگالی کچھ کہہ رہے ہیں اور رو رہے ہیں، سب ہی ادھر متوجہ ہو گئے
مگر مشکل یہ تھی کہ ان بنگالیوں کی بات جو بجز رو بیانی تھے کسی کی سمجھ میں
نہیں آ رہی تھی۔ کیا چاہتے ہیں اور کس بات پر رو رہے ہیں؟ کون پوچھے! حج
کمیٹی کے پورے عملے میں ایک بھی بنگالی یا بنگلہ جاننے والا نظر نہیں آ رہا تھا،
ان بچاروں کے ہاتھوں میں کچھ کاغذ تھے جن کی طرف اشارہ کرتے اور رونے لگتے
تھے دیکھنے اور سننے والے لاچار کہ آخر کیسے حق غم گساری ادا کریں۔
حسن اتفاق کہ ہمارے رفیق اور عزیز متین میاں بنگلہ جاننے والے نکل گئے
انھوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ان بنگالیوں کو محمدی جہاز میں جدہ روانہ کو

روانہ ہونے والا تھا نشستیں ملی تھیں، نہ معلوم کن اسباب کے تحت جہازوں کے پروگرام میں عین وقت پر تبدیلی کر دی گئی اور محمدی جہاز کی ۵ مارچ کے بجائے دو دن قبل ۳ مارچ کو روانگی طے کر دی گئی اور ۲۳ مارچ کو جو اسلامی جہاز جانے والا تھا اس کی روانگی ۲۵ مارچ کر دی گئی۔

مغل کمپنی کی طرف سے ایسے تنگ وقت میں پروگرام میں تبدیلی کی اطلاعیں عازمین حج کو بھیجی گئیں کہ دور دراز کے رہنے والے مسافروں کو وقت کے وقت خبر پہنچی، یہ بنگالی قافلہ کسی دیہات کا تھا، اور ۵ مارچ کے پروگرام کے حساب سے اپنے وطن سے روانہ ہونے والا تھا، یعنی گھر سے اس طرح چلتا کہ چار پانچ روز پہلے بمبئی پہنچ جاتا، اپنے حساب سے اس نے گھر سے نکلنے کا پروگرام جس دن بنایا تھا اسی دن اس کو محمدی جہاز کے دو روز قبل روانگی کے پروگرام کی خبر ملی بنگال کے ایک دیہات سے بمبئی تک پہنچتے پہنچتے وہ وقت آگیا کہ صرف دو دن محمدی جہاز کی روانگی کو رہ گئے تھے، ان بنگالیوں نے بمبئی پہنچتے ہی اپنے کاغذات دکھائے تو انھیں سرسری جواب یہ ملا کہ "آپ لوگ دیر میں آئے محمدی جہاز کی تمام نشستیں بھر چکی ہیں یعنی چار پانچ روز پہلے نہ پہنچنے کی وجہ سے امیدواروں کی فہرست کے اولین ناموں کو آپ کی جگہیں دیدی گئیں"

اب یہ بنگالی اپنی کہہ رہے ہیں اور حج کمیٹی والے اپنی اڑا رہے ہیں نہ وہ ان کی سمجھتے ہیں نہ یہ ان کی، اس مصیبت میں بنگالیوں کو رونا نہ آئے تو اور کیا ہو؟ ہم لوگوں کی بھی رگ حمیت بھڑکی اور ان بنگالیوں کی بغیر کسی غلطی کے محرومی پر ہم میں سے بہتوں نے حج کمیٹی والوں کی بڑی لے دے کی، بہر حال

جب حج کمیٹی والوں کو صحیح صورت حال کا علم ہوا تو ان بنگالیوں کے لئے وہ گنجائش نکالنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ واردات تو ہماری چشم دید تھی ایسے ہی نہ معلوم کتنے واقعے بنگالیوں آسامیوں، سواتیوں، مارواڑیوں اور یوپی یا پہاڑی اضلاع کے رہنے والے اترپردیش کے باشندوں کو زبان اور لہجے کی ناواقفیت کی بنا پر پیش آچکے ہوں گے جن کا ہمیں علم تو نہیں ہوا مگر جن کا وقوع پذیر ہونا لابدی سا ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں محسوس ہوا کہ حج ایکٹ کی مرکزیت کو توڑے بغیر عازمین حج کے مصائب کا علاج ممکن ہی نہیں ہے۔

حاجیوں کی سہولت کے لئے حکومت ہند نے ایک مرکزی قانون حج ایکٹ کے نام سے منظور کیا ہے جس کی دفعات کی رو سے ایک "حج کمیٹی" بمبئی میں قائم ہے جسے پہلے پورٹ حج کمیٹی کہتے تھے اب وہ صرف "حج کمیٹی" کہلاتی ہے، یہی حج کمیٹی حج اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے جانے والے مسافروں کے تمام انتظامات کرتی ہے۔

بمبئی کی حج کمیٹی پر ذمہ داریوں کا جتنا بوجھ زمانہ حج میں پڑتا ہے وہ اس کی متحمل نہیں ہو پاتی اور ہندوستان بھر کے عازمین حج کے مسائل سے نپٹنا کمیٹی کے لئے جس قدر دشوار ہے اس سے زیادہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے عازمین حج کے لئے زحمت طلب ہے صورت حال یہ ہے کہ تقریباً تمام بڑی بڑی ریاستوں میں ریاستی حج کمیٹیاں قائم ہیں، اس کے علاوہ ایک مرکزی حج کمیٹی بھی دلی میں موجود ہے، مرکزی حج کمیٹی ملک کے مسلم ذمہ دار وسینئر ممبران پارلیمنٹ کی ایک تعداد پر مشتمل ہے

ریاستی کمیٹیاں بھی ریاستی قانون ساز مسلم ممبروں اور ذمہ دار باشندوں پر مشتمل ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ صرف مشورہ دینے والے ادارے ہیں۔ ساری طاقت حج ایکٹ کے تحت قائم حج کمیٹی بمبئی کے ہاتھ میں ہے جس کے ارکان میں مرکزی حکومت کے نامزد دو ممبر لوک سبھا کے اسپیکر اور راجیہ سبھا کے چیرمین کے نامزد کردہ دو دو ممبر مہاراشٹر اسمبلی کے اسپیکر کے نامزد دو دو ممبر مہاراشٹر حکومت کی طرف سے بمبئی کارپوریشن کے ممبروں کی سفارش پر نامزد تین ممبر اور عہدے کے اعتبار سے بمبئی کلکٹر کسٹم بمبئی چیرمین پورٹ ٹرسٹ مرکنٹائل میرین ڈپارٹمنٹ بمبئی کے پرنسپل افسر، بمبئی کمشنر پولیس بمبئی، میونسپل کمشنر اور بمبئی پورٹ ہیلتھ افسر ہیں اور یہ تمام ارکان کمیٹی دو اور ممبروں کو کو آپٹ منتخب کرتے ہیں حج کمیٹی کی موجودہ تشکیل میں اور عموماً اسی طرح وہ تشکیل پاتی ہے) بمبئی کا عنصر بے حد غالب ہے ۱۹ ممبروں میں ۱۴ ممبر خاص بمبئی کے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عازمین حج کے تمام قضایا سرزمین بمبئی کے معزز ممبروں کے جنبش قلم ہی سے طے ہوتے ہیں حالانکہ جن کے قضیے درپیش ہوتے ہیں وہ سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حج کے متمنی اگر صاحب حیثیت ہیں تو بذات خود اور اگر اتنی استطاعت نہیں رکھتے ہیں تو کئی کئی آدمی مل کر کسی ایک کو نمائندہ بنا کر معاملات کی جیرا بی کے لئے پہلے سے بمبئی بھیج دیتے ہیں، پھر یہ پیروکار اپنی ہنرمندیاں دکھا کر وہ کچھ حاصل کر سکتے ہیں جسے کوئی دوسرا سوچ بھی نہیں سکتا۔

آغاز کار اس وقت سے ہوتا ہے جب جہاز راں کمپنی مغل لائن "جہازوں کی

روانگی کا پروگرام مشتہر کرتی ہے۔

اس سے قبل حکومت ہند فیصلہ کر چکی ہوتی ہے کہ اس سال کتنے حاجیوں کے سفر حج کا وہ انتظام کرے گی۔ مثلاً اس دفعہ سمندری جہازوں سے سولہ ہزار اور ہوائی جہازوں سے ایک ہزار عازمین حج کو بھیجنے کا فیصلہ حکومت ہند نے کیا تھا۔ اس فیصلے کی روشنی میں مغل لائن نے اپنا پروگرام بنایا اور گیارہ سمندری جہازوں کی روانگی طے پائی ہر بحری جہاز میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مسافروں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ ادھر مغل لائن کا پروگرام شائع ہوا ادھر عازمین حج نے ملک بھر سے درخواستیں بھیجنا شروع کر دیں۔ پہلے یہ ہوا کرتا تھا کہ ایک مقررہ تاریخ تک درخواستیں جس ترتیب سے موصول ہوتیں اسی ترتیب سے عازمین حج کو نشستیں الاٹ کر دی جاتیں۔ اور مقررہ تعداد پوری ہو جانے کے بعد موصول ہونے والی درخواستیں مسترد کر دی جاتیں۔

اس طریقۂ کار میں گھپلے کی گنجائش بہت تھی اور اس کی شکایتیں بھی ہوئیں پھر سارا معاملہ ڈپوٹیشن کے رحم و کرم پر رہتا تھا کسی کی رجسٹرڈ درخواست اگر چہ بعد کی تاریخ میں روانہ ہوئی ہو مغل لائن کو پہلے وصول ہو گئی اور پہلے کی روانہ کی ہوئی درخواستیں بعد کو موصول ہوئیں۔ ایسے متعدد واقعات سامنے آئے پھر مسافت کے قرب و بعد سے بھی درخواستوں کی وصولی پر اثر پڑتا تھا مثلاً ار نومبر کو پروگرام مشتہر ہوا، ناسک اور کلیان کے باشندوں نے جو بمبئی سے بہت قریب ہیں دوسرے دن درخواستیں رجسٹری کر دیں آسام اور بنگال کے عازمین حج نے بھی اسی دن رجسٹریاں روانہ کیں مگر ناسک اور کلیان والوں کی رجسٹریاں تیسرے

ہی دن اور آسام بنگال کی رجسٹریاں پانچویں چھٹے دن پہنچیں فرض کیجیے کہ مقررہ تعداد سولہ ہزار ہے اور ناسک، کلیان اور قرب وجوار کے اضلاع کی درخواستوں کی تعداد بھی سولہ ہزار ہے تو دو دن میں کام ختم ہو گیا اور باقی تمام ریاستیں منہ دیکھتی رہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے عازمین حج نے خود بمبئی پہنچ کر اولیں نمبروں میں اپنی درخواستوں کا اندراج کرا دیا بہرحال اس صورت حال پہ اخباروں اور اداروں نے بڑا شور مچایا۔

بالآخر طریقہ کار میں کچھ رد وبدل کیا گیا، پہلی تبدیلی یہ کہ ریاستوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ہر ریاست کا ایک کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ مقررہ تاریخ تک موصول ہونے والی درخواستیں ایک ساتھ موصول ہونے والی درخواستیں قرار دی گئیں۔

اس سال اگرچہ سولہ ہزار جگہیں تھیں لیکن درخواستیں بیالیس ہزار کے قریب آئیں ہر ریاست کی درخواستوں کو (درخواست کے لفافے پر ریاست کی صراحت کرنا ضروری ہو گیا ہے) الگ الگ کر کے اس کے کوٹے کی تعداد کے مطابق اتنی ہی درخواستوں کو قرعہ اندازی کے طور پر نکال لیا گیا باقی درخواستیں مسترد کر دی گئیں۔

یہ سب حج کمیٹی کی نگرانی میں ہوا اور شکایت ہوئی کہ قرعہ نکالنے کے وقت کسی غیر کو حتیٰ کہ اخباری نمائندوں کو بھی داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ظاہر بات ہے کہ اس اخفائے راز نے بدگمانیوں اور شکایتوں کے دروازے اس طرح کھول دیے کہ کوئی تاویل اور تردید انھیں بند نہیں کر پائی۔

عام طور پر کہا جانے لگا کہ لے دے کے سارے کام ہوئے ہیں، اس لین دین کی جو شہرت ہوئی تو سینکڑوں ہزاروں لے لے کے بمبئی پہنچ گئے کہ ہم بھی اسی طرح کام نکال لیں گے۔ شہرت اپنی جگہ صحیح نہ سہی لیکن جب بات پھیل جائے تو کس کس کی زبان پکڑتے پھریے گا؟

ایک طرف عازمین حج کا جمگھٹا دوسری طرف ناکام عازمین حج کا ہجوم اور ان ناکام عازمین حج کے بہرو کاروں کی تگ و دو، بمبئی اور حج کمیٹی اچھی خاصی منڈی بن جاتی ہے۔

اگر حج ایکٹ بنانے والے ذمہ دار ارکان زحمت کر کے ایک دفعہ اس موقع پر بمبئی جا کر صورت حال کا مشاہدہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ "آسانیوں" کے نام پر کیا کیا دقتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ حج کمیٹی کے ایمانداری سے کام کرنے والے ارکان کی بھی سٹی گم ہو جاتی ہے۔ بے جا تحکمانہ، بہتان طرازیاں، بدکلامی، گفتاری سب کچھ انھیں سننا پڑتا ہے۔

ناکام عازمین حج تو رہے ایک طرف، جن کو جگہیں الاٹ ہو جاتی ہیں ان کا بھی ایک عمومی سوال باقی رہ جاتا ہے۔ ایک جہاز میں ایک کو جگہ ملی دوسرے جہاز میں اس کے کسی رشتہ دار کو یا اس کے گاؤں، قصبے یا شہر کے رہنے والوں کو جگہیں دی گئی ہیں، اب ایک ہم جہاز تبدیل کرانے کی شروع ہو جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی مہم اس وقت سب کاموں پر حاوی ہوتی ہے ۔۔۔ حج کمیٹی اور مغل لائن والے اسی پھیر میں پڑے رہتے ہیں وہ وہ سفارشیں وہ وہ دباؤ وہ وہ خوشامدیں ہوتی ہیں کہ بس دیکھتے رہ جائیے۔

ہی دن اور آسام بنگال کی رجسٹریاں پانچویں چھٹے دن پہنچیں فرض کیجئے کہ مقررہ تعداد سولہ ہزار ہے اور ناسک، کلیان اور قرب و جوار کے اضلاع کی درخواستوں کی تعداد بھی سولہ ہزار ہے تو دو دن میں کام ختم ہو گیا اور باقی تمام ریاستیں منہ دیکھتی رہ گئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے عازمین حج نے خود بمبئی پہنچ کر اولیں نمبروں میں اپنی درخواستوں کا اندراج کرا دیا بہرحال اس صورت حال پر اخباروں اور اداروں نے بڑا شور مچایا۔

بالآخر طریقہ کار میں کچھ رد و بدل کیا گیا، پہلی تبدیلی یہ کہ ریاستوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ہر ریاست کا ایک کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ مقررہ تاریخ تک موصول ہونے والی درخواستیں ایک ساتھ موصول ہونے والی درخواستیں قرار دی گئیں۔

اس سال اگرچہ سولہ ہزار جگہیں تھیں لیکن درخواستیں بیالیس ہزار کے قریب آئیں ہر ریاست کی درخواستوں کو (درخواست کے لفافے پر ریاست کی صراحت کرنا ضروری ہو گیا ہے) الگ الگ کر کے اس کے کوٹے کی تعداد کے مطابق اتنی ہی درخواستوں کو قرعہ اندازی کے طور پر نکال لیا گیا باقی درخواستیں مسترد کر دی گئیں۔

یہ سب حج کمیٹی کی نگرانی میں ہوا اور شکایت ہوئی کہ قرعہ نکالنے کے وقت کسی غیر کو حتیٰ کہ اخباری نمائندوں کو بھی داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ظاہر بات ہے کہ اس اخفائے راز نے بدگمانیوں اور شکایتوں کے دروازے اس طرح کھول دیئے کہ کوئی تاویل اور تردید انھیں بند نہیں کر پائی۔

عام طور پر کہا جانے لگا کہ لے دے کے سارے کام ہوئے ہیں، اس لین دین کی جو شہرت ہوئی تو سینکڑوں ہزاروں لے لے کے بمبئی پہنچ گئے کہ ہم بھی اسی طرح کام نکال لیں گے۔ شہرت اپنی جگہ صحیح نہ سہی لیکن جب بات پھیل جائے تو کس کس کی زبان پکڑتے پھریے گا؟

ایک طرف عازمین حج کا جمگھٹا دوسری طرف ناکام عازمین حج کا ہجوم اور ان ناکام عازمین حج کے ہیرو کاروں کی تگ و دو، بمبئی اور حج کمیٹی اچھی خاصی منڈی بن جاتی ہے۔

اگر حج ایکٹ بنانے والے ذمہ دار ارکان زحمت کرکے ایک دفعہ اس موقع پر بمبئی جا کر صورت حال کا مشاہدہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ "آسانیوں" کے نام پر کیا کیا دقتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ حج کمیٹی کے ایمانداری سے کام کرنے والے ارکان کی بھی سٹی گم ہو جاتی ہے۔ بے جا تحکمانہ، بے پناہ طرار دیاں، ناروا گفتاری سب کچھ انھیں سنا پڑتا ہے۔

ناکام عازمین حج تو رہے ایک طرف، جن کو جگہیں الاٹ ہو جاتی ہیں ان کا بھی ایک عمومی سوال باقی رہ جاتا ہے۔ ایک جہاز میں ایک کو جگہ ملی دوسرے جہاز میں اس کے کسی رشتہ دار کو یا اس کے گاؤں، قصبے یا شہر کے رہنے والوں کو جگہیں دی گئی ہیں، اب ایک مہم جہاز تبدیل کرانے کی شروع ہو جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہی مہم اس وقت سب کاموں پر حاوی ہوتی ہے۔۔۔ حج کمیٹی اور مغل لائن والے اسی پھیر میں پڑے رہتے ہیں وہ وہ سفارشیں وہ وہ دباؤ وہ وہ خوشامدیں ہوتی ہیں کہ بس دیکھتے رہ جائیے۔

لطف کی بات یہ کہ حج کمیٹی یا مغل لائن کسی استدعا کو یک قلم نامنظور بھی نہیں کرتی۔ ایک ڈھارس اس وقت تک بندھی رہتی ہے جب تک آخری جہاز بھی ساحل سے لنگر نہ اٹھالے ؎

تیرے فریب غمزہ کے قربان جائیے
دل ٹوٹتا نہیں ترے امیدوار کا

یہ ساری مصیبت محض اس وجہ سے ہے کہ ساری طاقت ایک مرکز پہ سمٹ کر آ گئی ہے اگر اس کو ڈی سنٹرلائز (لامرکزیت سے ہم کنار) کر دیا جائے —— اور وہ حج ایکٹ میں ترمیم کے بغیر ممکن نہیں —— تو بڑی راحت نصیب ہو۔ ریاستوں کا کوٹہ مقرر ہی کیا جا چکا ہے اور ریاستوں میں حج کمیٹیاں موجود ہی ہیں، اس میں کیا حرج ہے کہ ریاستی حج کمیٹیوں کو مجاز کر دیا جائے کہ وہ اپنی ریاست کے عازمین حج کی درخواستیں وصول کریں جگہیں الاٹ کریں۔ بکنگ بھی ریاست ہی میں ہو۔ کرنسی (زرِ مبادلہ) کا مسئلہ بھی اپنی ہی ریاست میں طے ہو جائے۔ اور ایک ریاست کے بیشتر عازمین حج ایک متعین جہاز سے روانہ کر دیئے جائیں۔

اس امر کے پیش نظر کہ ہر ریاستی حج کمیٹی اپنی طرف سے ایک حج ویلفیئر آفیسر (دیکھ بھال افسر) بھی اب بھیجنے لگی ہے ایک ہی جہاز سے ایک ریاست کے عازمین حج کی روانگی ایک ویلفیئر افسر کی نگرانی میں بہت زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

ہوتا ہے کہ مغل لائن سے نشست محفوظ ہونے کی اطلاع آتی ہے اب خوش قسمت
عازم حج اپنے شہر یا قصبے یا گاؤں میں انجکشن اور ٹیکہ لگواتا ہے۔ سامان درست
کرتا ہے، روپیہ یکجا کرتا ہے اور جس جہاز پر اس کو جگہ ملی ہے اس کی روانگی
سے چار چھ روز قبل بمبئی پہونچ جاتا ہے۔ ابھی اس کے پاس صرف ٹیکے انجکشن
کا صداقت نامہ اور مغل لائن کا پروانہ ہے اور بس ہاں بمبئی پہنچ کر صابو صدیق
مسافر خانے میں پڑ رہنے کا اجازت نامہ بھی!

بمبئی پہونچے، بالکل اجنبی ہیں وہاں آپ، اگر اردو یا انگریزی بول لیتے ہیں
تو خیر اور اگر آسام، بنگال وغیرہ کے مضافات کے رہنے والے اور محض مقامی
بولی بولنے والے ہیں تو آپ ایک ترجمان بھی ساتھ لائے ہیں یا نہیں؟ یہاں
آپ کی بولی کوئی سمجھ نہیں پائے گا۔ اور یہاں سینکڑوں ضروری امور پر آپ کو
بات چیت کرنا ہے ـــــ اور حج ہی سے متعلق بات چیت!

اس وقت ویلفیر آفیسر کی ضرورت بہت پڑتی ہے لیکن دستور یہ بن گیا ہو کہ
ویلفیر آفیسر عموماً پہلے یا دوسرے جہاز سے حجاز روانہ کردیا جاتا ہے تاکہ وہاں
اپنی ریاست کے حاجیوں کی ضروریات کا کفیل ہو اور وہاں تو ہمارا حاجی، زبان،
آداب، مقام اور ضروریات کی فراہمی کے دستور وغیرہ سب سے ناواقف ہوتا
ہے، پھر حاجیوں سے متعلق جو ضوابط سعودی حکومت کے عائد کئے ہوئے ہیں
ان سے بھی وہاں ہی سابقہ پڑتا ہے وہاں واقعی ایک مددگار اور رہنما کی
ضرورت شدید ہوتی ہے۔

بمبئی میں ہر ریاست کا عازم حج پہنچ گیا مگر یہاں کے مراحل میں اسکا

کوئی پرسان حال نہیں، پاسپورٹ بنوانا ہے۔ کرنسی جمع کرانا ہے اور بہت کچھ بمبئی میں ضروری امور طے کرنا ہیں۔

ہم لوگ کھڑے پاسپورٹ بنوا رہے تھے۔ بڑا مجمع تھا ایک عورت کا پاسپورٹ ایک کلرک بنا رہا تھا، کوئی عورت بغیر محرم کے سفر حج کر نہیں سکتی ہے اسے پاسپورٹ بنواتے وقت بتانا ہوتا ہے کہ کون محرم اس کے ساتھ ہے۔ ایک بنگالی اور ایک بوڑھی عورت تھی جس سے پاسپورٹ کلرک ساتھ جانے والے مرد کا رشتہ پوچھ رہا تھا، اپنی اپنی زبان میں وہ کچھ بتا رہی تھیں اور کلرک سمجھنے سے قاصر۔ بالآخر ساتھ والے مردوں سے اس نے پوچھا۔ بنگالی نے اپنی زبان میں جو کہا وہ "کچھ ماں" کے لفظ سے ملتا جلتا تھا۔ حالانکہ مرد سن رسیدہ تھا اور بنگالی عورت نوجوان۔ ماں کا رشتہ ہو نہیں سکتا تھا۔ اب تفتیش شروع ہوئی بڑی دیر کے بعد یہ حقیقت کسی طرح منکشف ہوئی کہ ساتھ جانے والی نوجوان عورت اس کی بہو ہوتی ہے۔ خدا جانے بہو کے لئے بنگلہ میں جو لفظ ہے وہ ہماری سماعت میں "ماں" کیسے معلوم ہوا۔

اب سوچئے کہ ایک پاسپورٹ بنانے میں اتنی دیر اگر لگے گی تو چار روز کے اندر چار ہزار عازمین حج کے پاسپورٹ کیسے بن پائیں گے؟

اس میں کیا قباحت ہوگی کہ تمام ضروری مراحل ریاست ہی میں حج کمیٹی کی نگرانی میں طے ہو جائیں صرف ویزا لینا رہ جائے ـــــ سعودی حکومت کے سفارت خانے کی طرف سے عازمین حج کو ویزا دینے کا ایک ضمنی دفتر بمبئی میں

قائم ہے تمام مراحل ریاست میں طے کرکے عازمین حج بمبئی جائیں اور ویزا حاصل کریں اور روانہ ہو جائیں مسافر خانے کی دھکم پیل بھی ختم ہو۔ حج کمیٹی کا دردسر بھی دور ہو اور عازمین حج کی بمبئی کے ایسے یاجوجی شہر میں حیرانی اور سرگردانی میں بھی تخفیف ہو جائے

ایک جہاز میں ایک ہی ریاست کے عازمین حج کی روانگی کی صلاح پیش کرنا ایک تجربے کی بنیاد پر ضروری معلوم ہوا۔ سمندری جہاز کے مسافروں کو کھانا جہاز ہی کی طرف سے ملتا ہے جس کے دام ٹکٹ کے ساتھ وصول کر لیے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے ایسے بڑے ملک میں کھانے کا ذوق ہر ہر خطے کا الگ ہے کہیں چاول دال، کہیں روٹی سالن کہیں کوئی کھچڑی اصل کھانا ہے باقی چیزیں پیٹ بھراؤ ہیں۔ پھر کسی علاقے میں کھٹا اور مرچ بہت چلتا ہے کہیں میٹھا پھیکا کھانا پسند کیا جاتا ہے، اب اگر ایک جہاز پر کئی ریاستوں کے عازمین حج ہوں جیسا کہ ہوتے ہیں تو سب کے مذاق کا کھانا دینا جہاز والوں کی قدرت سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے مذاق سے مختلف کھانا پا کر بڑی بے اطمینانی ظاہر کرتا ہے ایک دو وقت کی بات ہو تو سہہ لی جائے آٹھ دس دن لگاتار ایسا کھانا کھانا جو ناپسند ہو بہت مشکل ہے، تمام حاجی شاکی رہتے ہیں اور جہاز والے عاجز اور پریشان۔

دونوں وقت کھانا تقسیم ہونے سے پہلے جہاز کا کپتان، جہاز کا ڈاکٹر اور امیر حج کھانا چکھنے باورچی خانے جاتے ہیں جب وہ اطمینان ظاہر کر دیتے ہیں تب کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا ہے۔ کسی کو شکایت ہوتی ہے کہ مرچ بہت ہے۔ کوئی کہتا ہے بالکل پھیکا ہے یہ اختلاف رائے اختلاف مذاق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ معمولی اختلاف مذاق تو ہر دو آدمیوں میں ہوگا لیکن ریاستی پیمانے پر ذائقہ اور پسند کا جو اختلاف ہے اسے آخر کس طرح حل کیا جائے؟

کچھ حج کمیٹی کے طریقۂ کار کے بارے میں

وہ بیچارہ جو سفر حج کی اجازت، حج کمیٹی یا مغل لائن سے حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک بار نہیں لگاتار کئی بار ناکام رہا ہو اگر وہ بے چین اور بیتاب ہو کر یہ فریاد کرتا نظر آئے سہ

دل کے ٹکڑے میں بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ! ہے کہ نہیں؟

اور اس کا یہ دلدوز نالہ، اراکین حج کمیٹی کے ایوانوں یا مغل لائن کے عالی شان آہنی دفتر کے دیواروں سے ٹکرائے تو شاید برا ماننے کی بات نہ ہوگی۔ نہ حج کمیٹی اور کے لئے نہ مغل لائن کے ذمہ داروں کے لئے اور نہ ان خود مختاروں کے لئے جو حج کمیٹی کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں۔

متواتر ناکام رہنے والے عازم حج کی اس فریاد و فغاں اور اس قلبی کیفیت کی طرف رہنا یا محض قیاس یا صرف مشاہدے سے نہیں بلکہ ذاتی تجربے کی روشنی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آج جو حج کا سفر قلم بند کر رہا ہوں وہ سفرِ سعادت کے شرف سے شاد کام ہونے سے قبل لگاتار چار سال تک اسی کیفیت میں لاچاری اور بے بسی کے ساتھ مبتلا رہ چکا ہے تھوڑی دیر کے لئے اس سلسلے میں "آپ بیتی" کہہ لینے کی اسے اجازت دیدیجئے!

شروع سنہ ۱۹۶۱ء میں سفرِ حج کے مصارف کا انتظام ایک ذریعہ سے ہوا جس کا انکشاف ایک عہد اور قرار کے تحت کیا نہیں جا سکتا، انتظام ایسے وقت ہوا جب حج کی بکنگ کی آخری تاریخ گزر چکی تھی، اب درخواست بھیجنا بے سود تھا اس درخواست بھیجنے کی راہ میں ایک فرض بھی حائل نظر آ رہا تھا یہ فرض خالص شرعی اور دینی تھا یعنی اپنی والدہ سے اجازت حاصل کرنا حجِ فرض تک کے لئے ضروری ہو چہ جائیکہ حج نفل۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی خوش نصیب کو حج کی استطاعت حاصل ہو چکی ہے اور شرائط حج پوری طرح پائے جاتے ہیں تو اس پر حج فرض ہو گیا لیکن اسے اپنے والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اب اگر والدین اجازت نہیں دیتے تو دیکھنا ہوگا کہ ان کا اجازت نہ دینا کیا محض محبت کی وجہ سے ہے کہ اتنے لمبے عرصے کے لئے وہ اولاد سے جدا رہنے پر تیار نہیں یا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی ضعیفی یا حاجتمندی کی وجہ سے اولاد کی ہر وقت موجودگی کے محتاج ہیں، غربت یا حاجت مندی کی رکاوٹ تو مالی بندوبست کر دینے سے دور ہو سکتی ہے لیکن کبر سنی اور ضعیفی کی وجہ سے جو احتیاج والدین کو اولاد کی ہوتی ہے اس کا دفع کرنا اگرچہ دوسروں کو مامور خدمت کر کے ایک حد تک ممکن ہے لیکن کما حقہٗ ممکن نہیں ہے۔

علماء کی رائے میں ایسی صورت میں جب والدین یا دونوں میں کوئی ایک شخص کم

والدہ اولاد کی خدمت کی محتاج ہوں تو اولاد کو اگرچہ اس پر حج فرض ہو چکا ہو۔ بلا اجازتِ والدین حج کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔

یہ تو حج فرض کی بات ٹھہری، اب اگر کسی پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہے اور اسے حج کا موقع مل گیا ہے تو اس کا یہ حج نفل حج ہوگا۔ نفل حج، حج فرض سے درجے میں بہت کم ہے۔

ہمارے محترم حکیم مولانا شاہ واثق الیقین سجادہ نشین خانقاہ کرسی (فاضل فرنگی محل) نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ سنایا جو یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۲۲ء میں واثق میاں کے خاندان کے ایک مخلص اور متمول مرید نے جو اپنے متعلقین کے ساتھ حج کو جا رہے تھے پیش کش کی کہ ان کے پیرزادے بھی اگر ساتھ چلیں تو مزید باعث سعادت ہوگا، اس زمانے میں واثق میاں کی والدہ علیل تھیں اور لکھنؤ میں اطبائے جوالی ٹولہ کے زیر علاج تھیں اس پیش کش نے انہیں بے چین کر دیا اور جانے کے لئے ایک گونہ وہ تیار ہو گئے لیکن عالم دین ہونے کی حیثیت سے مسئلے کا شرعی پہلو ان کے پیش نظر تھا اور وہ آخری فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم ہی سے انھوں نے اس مسئلے کی بابت استفسار کیا والدہ کی علالت مرید کی پیش کش اور سفر حج کے لئے اپنی بے چینی سب کچھ عرض کر دیا

مولانا عین القضاۃؒ نے جواب میں فرمایا "مولوی صاحب! مولوی صاحب! نفل کو فرض پر مقدم کر رہے ہیں؟"

گویا ۔۔۔ اس وقت والدہ کی علالت میں تیمارداری کرنا فرض اور حج جس کی

استطاعت بالواسطہ نمودار ہوئی ہے نفل ہے۔
یہ محسوس فرماتے ہوئے کہ جواب نے راقم میاں کو اور بے چین کر دیا ہے مولانا معین القضاۃؒ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "مولوی صاحب! گھبرانے کی بات نہیں انشاءاللہ آپ حج کو جائیں گے اللہ تعالیٰ انتظام کرے گا۔"
یہی فرض اور نفل کی بحث اپنی راہ میں بھی کھڑی نظر آئی۔ یہاں بھی یک سر نفل حج کا معاملہ تھا جو بغیر والدہ کی اجازت کے جائز ہی نہیں بلکہ نفل حج میں یہ دیکھنے کا بھی موقع نہیں کہ والدین اجازت جو نہیں دے رہے ہیں تو کیوں؟ ان کی محبت، احتیاجِ ضرورت اور خدمت کی حاجت وغیرہ پر نظر ڈالنے کا موقعہ شریعت نے صرف حج فرض کے سلسلے میں دیا ہے۔
ہماری والدہ، اپنی اور ہماری تمام بے سروسامانیوں کے باوجود حج کرنے کی بے حد تمنی، ان کے جانے کی صورت یہی کہ محرم کی حیثیت سے بیٹا ساتھ ہو۔
ان کی خدمت میں اجازت کے لئے عرض معروض کی تو صاف جواب ملا کہ "جب تک ہمارا بھی انتظام نہ ہو جائے تم کیسے جاؤ گے؟"
ان کا یہ جواب بے حد دل شکن معلوم ہوا تھا۔ صاف لفظوں میں یہ ہے کہ بہت کھلا تھا ــ مناسب الفاظ، گر نامناسب لہجے میں عرض کیا"۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ ہم بھی نہ جائیں، کسی ایک مخلص پر یہ بار کون ڈال سکتا ہے کہ ہمارے اور ہماری امی دونوں کے لئے انتظام کر دیجئے"؟
بات رفت گزشت ہوگئی کچھ دنوں کے بعد غالباً ہماری افسردگی کو دیکھ کر امی نے اجازت دیدی اور ہم نے بھی بچیانی الا دکر مگہ حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں

تاریخ تو گزر ہی چکی تھی۔ براہ راست درخواست پہونچنے کا سوال ہی باقی نہیں تھا اس زمانے میں ریاستی حج کمیٹی کے صدر مرحوم سید صدیق حسن صاحب (آئی سی ایس) تھے جن کا دروازہ ہر قسم کے حاجت مند کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اجنبی بیگانے تک بغیر کسی وسیلے اور سفارش کے ان کی حاجت روائی کی ہمہ گیر خصلت محمودہ سے بے تکلف مستفید ہوتے رہتے تھے، یہاں تو شناسائی اور تعلقات کا ایک حق بھی تھا ان ہی کے دروازہ پر دستک دی۔

یہ جانتے تھے کہ وقت گزر چکا ہو گنجائش بالکل نہ ہوگی لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ صدیق حسن صاحب کے یہاں دوسروں کے کام آنے کے سلسلے میں کسی مانع یا رکاوٹ کا کبھی خیال نہیں کیا جاتا ہے، ان کے پاس پہنچ گئے۔

کسی طرح نہیں بھولتا وہ عالم جب ضرورت لے کر جانے والا تو موانع اور عوائق پر نظر کرتے ہوئے ضرورت کہتے ہوئے جھجکا لیکن صدیق حسن صاحب کا سا ہمدرد اور غمگسار کسی بات کی پرواہ کرتے ہوئے مشکل کشائی کے لئے تیار نظر آئے۔

مرحوم نے کہا "بھئی دیر تو بہت ہوگئی خیر میں ابھی گول انداز کو خط لکھتا ہوں"

گول انداز صاحب اس وقت پورٹ حج کمیٹی کے چیرمین تھے۔ حسن صاحب کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو ٹکا سا جواب دے دیتا "جناب! آخری تاریخ گزرے تین مہینے ہوچکے جہازوں کی روانگی بھی شروع ہوگئی۔ حج میں بھی اب صرف ڈیڑھ مہینہ رہ گیا آج آپ درخواست دینا چاہتے ہیں، کیسے ہوگا۔ آپ کا کام؟"

مگر مرحوم حسن صاحب نے اسی وقت ہمارے سامنے (۳۱ مارچ ۱۹۶۱ کو) اسٹینوگرافر کو بلاکر خط کا مضمون املا کرایا اور ہم دوسری ادھر اُدھر کی باتیں کرکے واپس چلے آئے،

ایک ہفتے کے بعد جناب گول انداز صاحب کا ۲۹ راپریل کا لکھا ہوا خط آیا کہ "سید صدیق حسن آئی سی ایس ایڈمنسٹریٹو ممبر بورڈ آف ریونیو یو پی کی خواہش پر آپ کو جہاز پر نشست محفوظ کرانے کا ایک فارم بھیجا جا رہا ہے اور مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ جلد از جلد جہاز کے درجۂ اول کے منتظر امیدواروں میں اپنا نام درج کرالیں"

فوراً فارم بھر کر اور حسب ہدایت دس روپے کا پوسٹل آرڈر منسلک کر کے درخواست بھیج دی اور حسن صاحب سے جا کر شکوہ کیا کہ آپ کی سفارش سے گول انداز صاحب نے ہمیں بھی شاید آئی سی ایس سمجھ لیا اور فرسٹ کلاس میں نام اندراج کرانے کا مشورہ مرحمت فرما دیا۔

خدا رحمت نازل فرمائے مرحوم حسن صاحب کی تربت پر اس شکوے پر ہنستے ہنسانے کے بعد انھوں نے تسلی دی کہ پہلے جگہ مل جانے دو پھر عین وقت پر فرسٹ اور تھرڈ کا قصہ بھی طے ہو جائے گا۔

فرسٹ اور تھرڈ کا قصہ طے کرانے کی ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ۲۲ راپریل کو بمبئی پورٹ حج کمیٹی کا لکھے لیے وظیفہ دار کے دستخط سے خط ملا کہ "گزارش ہے کہ امسال کسی بھی جہاز میں جگہ ملنے کی امید بہت کم ہے لہٰذا آپ کا پوسٹل آرڈر آپ کو واپس کیا جا رہا ہے درخواست رکھ لی ہے اگر کوئی جگہ ہو گی تو فوراً آپ کو مطلع کیا جائے گا"

چلئے قصہ ہی پاک ہو گیا۔ اگرچہ پوسٹل آرڈر ابھی تک واپس کیا جا رہا ہے اور واپس ہو نہیں پایا ہے۔

اس کے بعد ۱۹۶۳ء کے حج کے لئے وقت مقررہ پر ہماری امی کی اور بیوی کی درخواستیں روانہ کر دی گئیں۔ اس زمانے میں جس ترتیب سے درخواستیں مغل لائن کو موصول

ہوتی تھیں اسی ترتیب سے جہازوں پر جگہیں الاٹ ہو جاتی تھیں ہماری بدقسمتی کہ وقت
مقررہ کے اندر مگر جہازوں کی جگہیں پر ہو جانے کے بعد ہماری درخواستیں مغل لائن کو موصول ہوئیں
بدقسمتی یہ نہیں تو اور کیا کہیں کہ اسی لکھنؤ سے دفتر معلومات حج سے ہماری درخواستوں
کی رجسٹری ۲۴ نومبر ۱۹۶۱ء کو گئی اور مغل لائن کو یکم دسمبر کو موصول ہوئی اور اسی دفتر
معلومات حج سے کچھ درخواستوں کی ایک رجسٹری ۲۶ نومبر کو بھیجی گئی وہ ۳۰ نومبر کو
مغل لائن کے رجسٹر میں درج ہو جاتی ہے! یہ ہماری دوسری اور امی اور پھوپھو جان کی
پہلی ناکامی تھی، پھر ۱۹۶۲ء کے حج کے لئے مقررہ وقت پر درخواستیں دی گئیں معلوم ہوا
منتظر امیدواروں کی فہرست تک ہماری قسمت نے رسائی حاصل کر لی ہے گویا ہم اتنا سوچنے
کے جائز حق دار ہو گئے کہ ہم بھی اس سال حج کو جا سکتے ہیں ؎

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں؟

امیدواروں کی فہرست میں اندراج کی خوش بختی پر ہماری مسرت چشم زدن میں ختم
ہو گئی جب معلومات حج کے دفتر نے ہمیں بڑی مسرت کے ساتھ اطلاع دی کہ آپ کی سیٹیں
نشستیں مل گئی ہیں۔ براہ کرم تین دن کے اندر آپ بمبئی پہونچ جائیں۔

یا اللہ! حج کے اتنے لمبے سفر کے لئے کیا تین دن کے اندر نہ صرف یہ کہ تیاریاں کی جا سکتی
ہیں بلکہ بمبئی پہنچ کر اپنے کو حاضر بھی دکھایا جا سکتا ہے! انجکشن ٹیکے۔ ریل کا ریزرویشن
کپڑے لتوں کی درستی وغیرہ یہ سب تین چار دن میں کیسے ممکن ہے۔ مانا کہ انجکشن ٹیکے میں
جھانسا پٹی چلا ہی کرتی ہے۔ یہ بھی سہی کہ ریل میں دے دلا کر ریزرویشن بھی ہو جائے گا
جیسا کہ عام دستور بن چکا ہے۔ کپڑے ... لتے بھی سمیٹ کر بکس میں بھر لئے یہ اعزا و احباب

ہیں ان سے خطا قصور معاف کرانے کے لئے وقت کہاں سے لائیں گے۔ اپنا نانیہال اور خالہ کا گھر کاکوری میں ہے آخر وہاں سے رخصت ہونے اور نانیہالی بزرگوں سے ملنے کی کوئی سبیل بھی تو ہونا چاہئے۔ پھر کچھ محترم خانوادے قرب و جوار میں ہیں جہاں روانگی سے پہلے حاضری دینا خاندان فرنگی محل کا ڈھائی سو سالہ قدیم دستور ہے۔ تین چار دن میں یہ سب ہو بھی گیا۔ تو بمبئی پہنچنے میں بھی تو وقت لگے گا۔ اڑ کے بمبئی پہنچ سکتے تو پہنچ جاتے۔ اور کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، کیا کیفیت اس خط ملنے کے بعد اپنی ہوئی بیان سے باہر ہے۔ سب کچھ ہو گیا اور کچھ نہیں ہو پا رہا ہے۔ اس سفر سے پہلے یہ عالم جب کبھی یاد آ جاتا تھا تو روئے رلائی نہیں آتی تھی۔ بہرحال اپنی بدقسمتی پر صبر کر کے بیٹھ رہے اور طے کر لیا کہ ہم کم بخت لوگ ایسے مبارک سفر کے اہل ہی نہیں ہیں ؎

کر لیا شرمندہ ہو کر بند خود باب قفس!!
سامنے تھا آشیاں، پرواز کی طاقت نہ تھی

ظاہر ہے کہ جب جہازوں کی تعداد متعین اور جہازوں پر جگہیں محدود ہیں۔ تو مقررہ تعداد سے زیادہ درخواستوں کا نامنظور ہونا بھی ناگزیر ہے۔ ناکام عازمین حج کے سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا اس کا مدعا حج کمیٹی یا مغل لائن کے ذمہ داروں کی نیت پر شبہ کرنا نہیں۔

سوال صرف اس طریقہ کار کا ہے جس کے نتیجے میں اس کی کوئی ضمانت نہیں کی جا سکتی کہ ایک عازم حج سو سال لگاتار درخواست دینے کے بعد بھی صحیح قرعہ اندازی کے ذریعہ منتخب ہو جائے گا۔

عرفی! اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

اگرچہ سو سال کی عمر ابھی سائنس دانوں کی کوشش سے انسان کی طبعی عمر قرار نہیں پائی ہے۔ ان لیجئے کہ آئندہ چل کر یہی عمر طبعی ہو جائے تب بھی موجودہ بے روح طریقہ کار کے تحت اس کی ضمانت نہیں کی جا سکتی کہ نام نکل ہی آئے گا۔

اپنی ناکامیوں کے سلسلے میں جو اتنی تفصیل پیش کرتے چلے جا رہے ہیں تو اس کا منشا یہی ہے کہ عازمین حج کی درخواستوں کے ساتھ لاٹری کے کھیل کا سا بے ڈھنگا سلوک تو نہ ہونا چاہیے۔

ہم اپنی تیسری ناکامی کے بعد آئندہ سال کے پروگرام سے آس لگا کر بیٹھ گئے۔ ادھر مغل لائن نے پروگرام شائع کیا ادھر ہم نے درخواستیں روانہ کرنے میں چابکدستی دکھائی۔

اس دفعہ ہماری تین درخواستوں میں ایک درخواست کا اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ ہمارے دوست عشرت علی صدیقی صاحب کی خوش دامن صاحبہ کی درخواست تھی۔ وہ اپنے حسن ظن سے ہمارے ہی ساتھ حج کو جانا پسند کر رہی تھیں۔

ابھی درخواستوں کے بارے میں کوئی جواب نہیں ملا تھا کہ عشرت صاحب کی خوش دامن صاحبہ نے فون پر ہم سے جواب کے لئے تقاضے شروع کر دیئے۔

ہم نے اطمینان دلانے کے لئے کہہ دیا: "اگر اس سال اجازت نہ بھی ملی تو انشاءاللہ آئندہ سال چلیں گے۔ اطمینان رکھیے کہ بغیر آپ کو لیے ہم حج کو نہیں جائیں گے۔"

انھوں نے مایوسی کے ساتھ جواب دیا: "بھیا تمہاری عمر ماشاءاللہ ایسی ہے کہ ابھی

بہت دنوں حج کا انتظار کر سکتے ہو، میں بوڑھی میری زندگی کا کیا اعتبار اگلے سال تک کہاں صبر کر سکتی ہوں"

اور اسی بے صبری میں انھوں نے اپنے دوسرے داماد طاہر علی صاحب کے ساتھ جو ہوائی جہاز سے حج کو جا رہے تھے دوسری درخواست بھیج دی ان کی خوش قسمتی سے ہوائی جہاز میں انھیں جگہ مل گئی اور وہ ہوائی جہاز کے ذریعہ جدے پہنچ گئیں جدے سے مکہ معظمہ گئیں اور عمرے کا طواف پورا کرنے خانۂ کعبہ کے در پر بیٹھ گئیں اور اسی لمحے ان کا انتقال ہو گیا۔ مکہ معظمہ کے متبرک قبرستان جنت المعلیٰ میں مدفین ہوئی ____ کیسی سچی تمنا تھی ان کی اور کس شان سے پروردگار نے اس کو پورا کر دیا ____ گویا وہ دیکھ رہی تھیں کہ اگر اس سال حاضری نصیب نہ ہوئی تو پھر تو نوبت ہی نہ آئے گی تقریباً یہی انھوں نے ہم سے کہا تھا اور اسی کی روشنی میں انھوں نے بحری جہاز کا ارادہ ترک کر کے ہوائی جہاز میں جگہ مانگی تھی، سچ ہے ؎

یارانِ تیز گام نے منـــزل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرسِ کاروان رہے

ہماری درخواستوں کا، جو اس دفعہ قرعہ اندازی کے ذریعہ منظور کی جانے والی تھیں پھر وہی حشر ہوا اور جواب آ گیا کہ جگہیں پر ہو چکی ہیں۔ اس دفعہ منتظر امیدوار میں بھی ہمارا نام نہ آ پایا ؎

وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اللہ بخشے زائر حرم حمید صدیقی کو، وہ خود حج اور زیارت روضۂ انور کے لیے

جس قدر بے چین، رہتے تھے اسی پیمانے سے وہ دوسروں کی بے چینی کو بھی ناپتے تھے بار بار کی ناکامیوں پر ہماری بے چینی دیکھ کر تازہ نعت میں انھوں نے ایک شعر کہہ کر بھیجا

کچھ اس لئے رکھتے ہیں وہ محروم کرم اور
ہو جائے دل اپنا بھی شائستۂ غم اور

کسی حد تک ہماری دل جمعی کا سامان کر دیا۔ یہاں تک ہوا کہ ۱۹۶۵ء کے حج کے لئے مغل لائن کا پروگرام شائع ہو گیا۔ اب کی کچھ اور اضافوں کے ساتھ ہماری رجسٹری بھیجی درخواستیں لے کر گئی اس دفعہ بھی قرعہ اندازی پر فیصلے کا انحصار تھا سو وہی فیصلہ ہوا جس کے ہم عادی ہو چکے تھے۔

سال بہ سال دی جانے والی درخواست بھی نئی درخواست سمجھی جاتی ہے اور اس سے وہی سلوک کیا جاتا ہے جو پہلی بار درخواست دینے والے کی درخواست کے ساتھ کیا جاتا ہے اور کبھی یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ اس سال نہیں تو آئندہ سال یا اس کے بعد ہمیں حج کا موقعہ ضرور مل جائے گا۔

ہمارے دوست ڈاکٹر ایم ایس سدھو جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں اور اس حیثیت سے ہمارے حلف نامے اور امراض سے محفوظ ہونے کے صداقت نامے تصدیق کرتے رہے ہیں، کئی بار ہماری ناکامی کا حال معلوم کر کے کہنے لگے "آخر حج کمیٹی یہ کیوں نہیں کرتی کہ اس سال جن کو جگہ نہیں دے سکی ہے ان کو آئندہ سال جگہیں دینے میں ترجیح دے یعنی پرانی درخواستوں کا فیصلہ الگ کرے اور نئی درخواستوں کا الگ" والے جتنی صاحب اور بوزدوں سے اس میں شبہ نہیں لیکن ہم محرومیوں پہ چھلائے

ہوئے تھے ان کو طعنہ دیا کہ ہم سے کہہ رہے ہو پارلیمنٹ میں یا وزارت خارجہ کے ذمہ داروں کو یہی مشورہ کیوں نہیں دیتے ؟

بلاشبہ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ ناکام عازمین حج کی تشفی اور تسلی ہو سکتی ہے اگر اس جائز اور مناسب طریقے کو دور رکھا گیا تو جس طرح بہت سے لوگ غیر صحیح حلف نامے داخل کرکے استحقاق سے پہلے حج کو جانے کی سبیل پیدا کر لیتے ہیں اسی طرح جگہیں حاصل کر لینے کے بھی ناواجب طریقے لوگ نکال لیں گے اور بلاوجہ ایک مبارک اور مقدس مقصد کے لئے نامناسب اور ناجائز حرکتیں کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

اس میں کیا قباحت ہے کہ اس سال جن کو جگہیں نہیں دی جا سکی ہیں ان کو نامنظوری کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی اطلاع دے دی جائے کہ " اگر ارادہ ہو تو آپ کا روپیہ آئندہ سال کے لئے جمع کر لیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے "

کچھ لوگ ضرور ایسے ہوں گے جو آئندہ سال حج کو جانے کے لئے حالات سازگار دیکھیں گے وہ روپیہ واپس منگا لیں گے جو لوگ لکھیں کہ ہمیں آئندہ سال کے لئے امیدوار رکھا جائے ان کے ساتھ آئندہ سال جگہ دینے میں ترجیحی سلوک کرنا چاہیئے

ابھی یہ سرسری تجویز ہے اگر اس کو شرف قبولیت حاصل ہو جائے تو اس کی تفصیلات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے اور ایسے ضابطے بنائے جا سکتے ہیں کہ حج کمیٹی یا شپنگ لائن پر مزید بار ڈالے بغیر دل شکستہ اور مایوس عازمین حج کی فی الجملہ تسلی کا سامان فراہم ہو جائے

بہرحال ہماری اس دفعہ ناکامی کی عمر دراز ہونے نہیں پائی۔ ہوا یہ کہ مرکزی حج کمیٹی کے صدر مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی نے ان چند نشستوں میں سے جو خاص حالات

میں گھرے ہوئے عازمین حج کو الاٹ کرنے کے لئے انھیں دی گئی تھیں، بھیں تین نشستیں عین وقت پر دے دیں۔

درخواست دینے والے بحیثیت درخواست دہندہ تو مساوی ہوتے ہیں لیکن دوسرے حالات کے تحت ان میں باہم بڑا تفاوت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک درخواست دہندہ ہے جس نے اب تک حج نہیں کیا ہے وہ پہلی دفعہ فریضۂ حج ادا کرنے جا رہا ہے اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس بوڑھے درخواست دینے والے کا معاملہ اس درخواست دہندہ سے مختلف ہے جو مثلاً پانچ سال پہلے فریضۂ حج ادا کر چکا ہے یا مثلاً تیس چالیس سال کا ہے آخر الذکر کے لئے بظاہر حالات متعدد کا موقعہ ہے جب کہ اول الذکر اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اب اگر ایسی کوئی سبیل نہیں نکالی جاتی کہ مخصوص حالات میں کسی کا حق حج ہو سکے تو ناکامی کا صدمہ عظیم صدمہ بن جائے گا۔

مرکزی حج کمیٹی نے اس طرف کچھ دھیان دیا اور کچھ نشستیں بحری جہازوں کی مخصوص حالات میں گھرے ہوئے عازمین حج کے لئے مخصوص کرالیں ان مخصوص نشستوں کا الاٹمنٹ قرعہ اندازی سے نہیں ہوتا بلکہ مرکزی حج کمیٹی کی صوابدید اور اطمینان پر ہوتا ہے مرکزی حج کمیٹی کے صدر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی سے جب اس سلسلے میں رجوع کیا گیا اور ان کو والدہ کی کبر سنی کے علاوہ چار سال کی مسلسل ناکامیوں کا حال بھی بتایا یہ بھی مخصوص حالات کے زمرے میں ہونا چاہیئے تو انھوں نے اپنی پریشانی بڑے سنگین انداز میں ظاہر کی، مولانا! ہم لوگ تو ایک مصیبت عظمیٰ میں مبتلا ہو گئے ہیں اس شہرت پر کہ کچھ نشستیں مرکزی حج کمیٹی کے اختیار میں بھی ہیں سارے ہندستان سے

دھڑا دھڑ درجسٹریاں پہونچ رہی ہیں اور بڑی بڑی سفارشوں کے ساتھ پہونچ رہی ہیں، میں تو عاجز ہو گیا ہوں۔"

ہماری چھ درخواستوں میں سے مفتی صاحب صرف دو کے لئے صاف گنجائش نکال سکے۔ والدہ کے لئے کبرسنی کی بنیاد پر اور ہمارے لئے ان کے ساتھ جانے والے محرم کی بنیاد پر۔ پھوپھو کا معاملہ مشکوک رہا۔ گنجائش ہونے پر جگہ دینے کا وعدہ مفتی صاحب نے کیا اور خدا کا شکر کہ ان کے لئے بھی گنجائش پیدا ہو گئی۔

قرین قیاس ہے کہ اگر نامنظور درخواستوں کو آئندہ سال کے لئے ترجیحی سلوک کا حقدار مان لیا جائے تو درخواستوں کی یہ ریل پیل بھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی یہ ڈھارس بہت بڑی ڈھارس ہو گی کہ اس سال قسمت میں نہیں تھا آئندہ سال اللہ چاہے گا تو ضرور جائیں گے۔ اس طرح ہر درخواست دہندہ کو دوسرے تیسرے سال تک حاضری کی قطعی امید بندھ جائے گی۔ یہ جو اب ہوتا ہے کہ پانچ پانچ چھ چھ سال پہلے محض اس اندیشے سے کہ عین وقت پر ناکامی نہ ہو، قسمت آزمائی شروع ہو جاتی ہے کم از کم اس کا سدباب کسی حد تک ضرور ہو جائے گا۔

ایک حاجی صاحب نے یہ بھی رائے ظاہر کی کہ پانچ سال کی قید لگا دی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو لوگ پانچ سال کے اندر جانے پر تل جاتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال ہی لیتے ہیں خواہ غلط حلف نامے داخل کرنے کا ارتکاب کر کے ہی کیوں نہ ہو۔ کیا یہ جائے کہ پہلی دفعہ جانے والے حاجیوں کی درخواستوں کا حساب الگ رکھا جائے اور دوبارہ سہ بارہ جانے والوں کا حساب الگ، مثلاً سولہ ہزار جگہوں میں سے دس ہزار ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دی جائیں جو پہلی بار جا رہے ہیں اور ان پہلی بار جانے والوں کی تمام درخواستوں کو یکجا کر کے

قرعہ اندازی کی جائے۔ باقی چھ ہزار جگہیں مکرر جانے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ الاٹ کی جائیں۔

یہ تجویز اس پہلو سے ضرور قابل غور ہے کہ اس غلط روی کا اس طرح انسداد ممکن ہے جو میعاد کے اندر جانے پر آمادہ لوگ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیا یہ مستحسن بات نہ ہوگی کہ کسی فعل کو جرم قرار دینے کے بجائے وہ ماحول پیدا کر دیا جائے کہ اس فعل کے صدور کا امکان ہی نہ رہے؟

پانچ سالہ آپ بیتی "سنانے کی معذرت پیش کرتے ہوئے ایک بار پھر ناکام عازمین حج کے تعلق اضطراب کی طرف حج کمیٹی کو متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، نگاہوں کے سامنے سے وہ منظر کسی طرح ہٹنے کا نام نہیں لیتا جو صابو صدیق مسافر خانے میں ناکام عازمین حج کا دیکھا تھا، شوق بے اختیار میں گود کے بچوں تک کو لے کر درخواست دہندگان بمبئی پہنچ گئے تھے حالانکہ حج کمیٹی بالاعلان سخت تاکید کر چکی تھی کہ جب تک جگہ کی منظوری کی اطلاع نہ پہنچ جائے کوئی درخواست دہندہ بمبئی کا رخ نہ کرے۔

ان بیچاروں کا حال ایسا ابتر تھا کہ سننے میں آنے لگا کہ مرکزی حکومت کے ذمہ دار وزیر اعظم، وزیر خارجہ اور مرکزی حج کمیٹی کے چیرمین کو بمبئی کے بعض خدا ترس بندوں نے تاروں کے ذریعہ ان کی کس مپرسی کی طرف توجہ دلائی اور یہ بھی سننے میں آیا کہ حکومت کا کوئی ذمہ دار بہت جلد بمبئی پہنچنے والا۔ ۔ ۔

ہماری راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی، ہم لوگ وقت سے بمبئی پہنچ گئے تھے اور تمام ضروری تقاضوں کی تکمیل کرا چکے تھے۔ ایک دشواری بہرحال

تھی جس سے نپٹنے کی تیاری گھر ہی سے کر کے چلے تھے یعنی ہمارے ساتھی تین میاں کو عین وقت پر جگہ مل تھی اور دوسرے جہاز پر مل تھی۔

ہم تین مسافر اسلامی جہاز سے جانے والے تھے جو ۵ ہر مارچ کو روانہ ہو رہا تھا تینن میاں اور ہماری ایک مانی کو جو اورنگ آباد سے بمبئی آ کر مسافر خانے میں ٹھہری تھیں مظفری جہاز پر جگہ ملی تھی جو ۲۰ ہر مارچ کو جانے والا تھا۔

کچھ نہ بنتی تو تقسیم ہو کر ہمارا قافلہ روانہ ہوتا ہم مجبوراً تیار تھے لیکن کچھ پیری کرنا لازم نظر آیا حسن اتفاق سے مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی (فاضل فرنگی محل) مرکزی حج کمیٹی کے ممبر بمبئی میں مل گئے وہ ہمارے بمبئی پہنچنے سے پہلے بذریعہ ہوائی جہاز حج کو جانے والے تھے۔ ان کا پروگرام ہمیں معلوم تھا بمبئی میں ان کو دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا معلوم ہوا کہ ان کا پروگرام بدل گیا ہے وہ ٹھہرے بھی تھے حج کمیٹی کے چیرمین جناب مصطفےٰ فقیہ کے یہاں اپنی الجھن بے تکلف ان کے سامنے پیش کر دینے میں تامل اس لئے نہیں ہوا کہ تین سو برس سے ہمارے گھرانے کا تعلق نیازمندی ان کے خانوادے سے ہے۔ علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ملا قطب الدین شہید سہالوی سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت قاضی محمد ستی الہ آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے مولانا محمد میاں الہ آبادی اسی سلسلے کے مخدوم زادے ہیں ان روابط میں ان کے جد امجد مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ کے مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلیؒ سے تلمذ اور خود محمد میاں کے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں تعلیم سے مزید استحکام پیدا ہو گیا۔

بہرحال مولانا محمد میاں نے مغل لائن کے ذمہ داروں سے بات چیت کر کے پورے قافلے کے لیے مظفری جہاز میں جگہیں محفوظ کرا دیں۔ بعد کو اندازہ ہوا کہ

اس سفر کے سلسلے میں جو بہت سے کرم بے شان و گمان ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم اسلامی جہاز سے مظفری جہاز میں منتقل کرائے گئے بظاہر دو کے لیے اسلامی میں گنجائش نکالنا تین کے لئے مظفری میں جگہ پیدا کرنے کے مقابلے میں آسان تھا اور ہم زیادہ سے زیادہ اسی کی توقع کر رہے تھے۔

اسلامی جہاز کو بہت خستہ حال جہاز سمجھا جاتا ہے اس کی رفتار بھی سست ہے اور سہولتیں بھی کم ہیں۔ ہوا بھی کچھ ایسا ہی، ۲۵ مارچ کو اسلامی جہاز نے بمبئی کے ساحل سے لنگر اٹھایا اور مظفری جہاز نے ۳۰ مارچ کو لیکن جدہ پہنچنے میں صرف چند گھنٹوں کا فرق دونوں جہازوں میں ہوا۔ اسلامی ۴ اپریل کی شام کو اور مظفری ۵ اپریل کی صبح کو جدہ پہنچا۔

جہاز کی روانگی

پورے ایک ہفتے بمبئی میں قیام کا موقع مل گیا۔ ۲۱ مارچ کی صبح کو پہنچے تھے اور پروگرام کے مطابق ۲۵ مارچ کو ساحل بمبئی سے ہمارے حصے میں پڑنے والا جہاز لنگر اٹھانے والا تھا۔ اسی حساب سے بمبئی میں ان ضروریات کی تکمیل کی جو حج کے سلسلے میں بمبئی ہی میں پوری ہوا کرتی ہیں۔ احرام کی خریداری، ڈونگے بالٹی کی فراہمی چکر متلی کی روک تھام والی دوائیں اور دوران قیام حجاز کے لیے راشن ۔۔ پھر جہاز کی تبدیلی کی وجہ سے ہماری روانگی ۲۸ مارچ تک ملتوی ہوگئی راشن کے علاوہ باقی اور چیزیں گھر سے بھی ساتھ لی جا سکتی تھیں لیکن پہلے پہل جو حج کو جا رہا ہو، اسے بمبئی ہی میں دوسرے حاجیوں کے اہتمامات دیکھ کر اس سفر کی ضروریات کا صحیح اندازہ ہو پاتا ہے مثلاً یہ صلاح ملی کہ ربر کی چپل یا جوتا خرید لیا جائے، جہاز پر چمڑے کا جوتا برباد ہو جاتا ہے۔ احرام کے سلسلے میں واقف کار نے نصیحت کی کہ ایک تہ بند اور ایک بڑا موٹا تولیہ (چادر کی جگہ) لینا چاہیے جہاز میں جو موسم ہوگا اس میں موٹا تولیہ ہر طرح مفید ہوتا ہے۔ دن میں گرمی کے وقت

موٹا تولیہ ریڑھ کی ہڈی کے اس حصے کو جو گردن سے متصل ہے تمازت سے بچاتا ہے۔ اور رات کو اگر ٹھنڈک ہو گئی تو یہی موٹا تولیہ ہلکی رضائی کا بھی کام دیتا ہے۔

حجاز کی تیز دھوپ گردن سے متصل ریڑھ کی ہڈی کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے اگر اس کی حفاظت سے غفلت کی گئی تو بیمار ہوئے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا۔ احرام کی حالت میں مرد سر کو ڈھک نہیں سکتے کہ کوئی موٹا کپڑا سر پر ڈال کر بالائی حصہ جسم کو گرمی سے بچا سکیں۔ سر ڈھکا اور شرعی جرمانہ دینا پڑا۔ چاہے سوتے میں بے اختیاری ہی میں کیوں نہ یہ غلطی ہو جائے۔

موٹا تولیہ اگر احرام میں شامل ہو تو موسم کے اثرات سے اچھی خاصی حفاظت ہو سکتی ہے۔ حاجیوں کی ضرورت پر موٹے تولیے لمبے بڑے، بمبئی میں کئی بازار میں اور صابو صدیق مسافر خانے کی حاجیوں کے لئے مخصوص دوکانوں پر بھی بآسانی مل جاتے ہیں

ایک انتظام اور یہیں کرنا تھا وہ تھا مکۂ معظمہ میں قیام کا معاملہ جو ایک سخت مرحلہ ہے اور آیندہ اور بھی سخت ہو جانے والا ہے۔ اس سلسلے میں بوہرہ فرقے کے پیشوا ہز ہولی نس ڈاکٹر ملا طاہر سیف الدین کے سبھلے صاحبزادے ڈاکٹر برنس یوسف نجم الدین سے جن سے ذاتی مراسم بھی ہیں اور خاندانی بھی، رجوع کیا۔ بوہرہ فرقے کے لئے مکۂ معظمہ مدینۂ منورہ منیٰ اور دوسرے مقدس مقامات میں بڑی آرام دہ عمارتیں موجود ہیں، جن میں خصوصی تعلقات والے غیر بوہرہ بھی متولی کی اجازت سے ٹھہر سکتے ہیں۔ مکۂ معظمہ میں وہیں اپنے ٹھہرنے کے لئے ڈاکٹر یوسف نجم الدین سے اجازت نامہ لینا تھا، پہلے ہی ان کو خبر کر دی تھی۔

بمبئی میں جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ بوہرہ رباط (مکۂ معظمہ) کے لئے محرم کے مہینے سے حج سے تقریباً گیارہ مہینے پہلے ہی سے اجازت نامے جاری ہونا شروع ہو جاتے ہیں عین وقت پر جگہ بمشکل ہی نکل پاتی ہے بہرحال نجم الدین صاحب نے ہمارے قافلے کے لئے بوہرہ رباط میں پورا ایک کمرہ مخصوص کر دینے کی ہدایت منتظمین رباط کو تحریر کرکے ہمارے سپرد کردی یہ تو مکہ معظمہ پہنچ کر اندازہ ہوا کہ یہ کمرہ کیسی نعمت ثابت ہوا اور کیوں یہاں جگہ نہیں مل پاتی ہے۔

سیدنا ملا صاحب سے بھی ملے انھوں نے رخصت کرتے ہوئے ہم لوگوں کو جامۂ احرام دیا یہ چھالٹین تھی اس لئے تہ بند کے استعمال میں آئی۔

تیسرے درجے والوں کے لئے بتایا گیا کہ چٹائیاں بھی ضروری ہیں اور درجۂ اول کے مسافروں کے لئے بھی کسی حد تک، یہ بھی بمبئی میں ملتی ہیں اور اچھی ملتی ہیں۔

ضروریات کی فراہمی کے بعد ہمارے پاس اچھا خاصا وقت گھومنے پھرنے ملنے ملانے کا تھا، سواری کی آسانی بھی میسر تھی۔ قدیم دوست اور ساتھی مجروح سلطان پوری کی گاڑی ہمارے اختیار میں تھی، مگر سفر کی پریشانی پیچھا نہیں چھوڑتی تھی، بحری جہاز کا سفر پھر تیسرے درجے کے ٹکٹ پھر آرام طلبی کی عادت، یہ ایسے تضاد جمع ہو گئے تھے جو پریشان کئے رہتے تھے۔ ذوق و شوق کا یہ سفر اور پریشانی کا یہ عالم!

مولانا شوکت علی مرحوم خادم کعبہ کے بڑے صاحبزادے زاہد شوکت علی صاحب کے پاس "خلافت ہاؤس" میں بیٹھے گھنٹوں پوچھا کرتے تھے کہ فلاں زحمت سے بچنے کی کیا صورت ہوگی فلاں تکلیف سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ وہ دو بار حج کر چکے تھے

اور جب بات کرنے پر آئیں تو ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھنے میں بھی کوئی دشواری نہ بتائیں گے۔ انھوں نے بھی تیسرے درجے میں جہاز کا سفر کیا تھا وہ سب راحتیں جو حاجیوں کے جہازوں میں روا رکھی جاتی ہیں ہمیں بتادیں۔

تدبیریں تو بہتوں نے بتائیں، سہولتیں بھی بیشتر میسر آئیں لیکن جس سفر کے لئے نکلے تھے اس کی ذمہ داریوں سے کسی نے بھی ہوشیار نہ کیا۔ ایک شعر تھا جو کچھ خبردار کر رہا تھا ؎

قائم قدم سنبھال کے رکھ کوئے عشق میں
یہ راہ بے طرح ہے مری جان! دیکھنا

اور ہم نے اپنے حساب سنبھال سنبھال کے قدم اٹھائے اور سوئے ساحل روانہ ہوئے

اعلان ہوا تھا کہ مظفری جہاز ۲۸ مارچ کو ۱۱ بجے دن میں بمبئی ساحل سے روانہ ہوگا اور مسافروں کو ۹ بجے صبح کسٹم ہاؤس میں پہونچ جانا چاہیئے۔ زاہد بھائی نے کہا بھی کہ آپ لوگ دس گیارہ بجے گھر سے جائیے گا۔ جہاز ایک بجے سے پہلے روانہ نہیں ہوگا۔ مگر کسٹم کا ہوا ہمیں ۸ بجے صبح ہی کسٹم ہاؤس لے پہونچا۔

جن لوگوں نے پاکستان کا سفر کیا ہے وہ کسٹم کی مصیبت کا بخوبی احساس رکھتے ہوں گے خصوصاً تیسرے درجے کے مسافر کا کسٹم تو ایک عذاب ہوتا ہے۔ سارا سامان کھلوا کر ایک ایک چیز نکال کر سرحد کے دونوں طرف دیکھی جاتی ہے ہم سامان سے لدے پھندے تھے ہی سوچا کہ سب کا کھولنا دکھانا پھر باندھنا بڑا وقت لگے گا اول وقت ہی پہونچ جاؤ۔

پہنچے، پہلے پاسپورٹ اور صداقت نامۂ صحت کی جانچ ہوئی پھر کسٹم ہاؤس میں

داخل ہوئے" کچھ سناٹا سا نظر آیا۔ قلی نے ایک افسر کے سامنے میز پر ایک ایک کر کے سامان رکھنا شروع کیا کسٹم آفیسر نظر اٹھا کر ایک دفعہ ہماری صورت دیکھتا تھا اور ایک سامان پر اجازت کا نشان لگا دیتا بکس بستر ٹوکریاں، ناشتہ دان سب اسی طرح صورت دیکھ دیکھ کر پاس کر دیئے گئے۔ شاید دس منٹ لگے ہوں گے کہ سارا سامان جہاز کی طرف روانہ ہونے لگا اور ہم اچنبھے کے ساتھ کھڑے دیکھتے رہے نہ کوئی شناسائی نہ کوئی سفارش، یہ کسٹم آفیسر اتنا مہربان کیوں ہو گیا؟ کیا تمام کسٹم افسران مردم شناس ہوتے ہیں کہ بوجھ بوجھ کر تلاشی لیتے ہیں؟ یا حاجیوں کے ساتھ کسٹم میں رعایت ملحوظ ہی رکھی جاتی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے ہم نے بھی جہاز کی طرف قدم بڑھائے۔ پھاٹک سے نکل کر گودی کی طرف جا رہے تھے کہ ایک ایک ڈبہ ہر ایک کو گیٹ پر دیا جا رہا تھا، یہ دوپہر کے کھانے کا (لنچ کا) ڈبہ تھا۔ یعنی جہاز کی روانگی دوپہر کو ہو گی روانگی کے بعد ہی جہاز کا باورچی خانہ کھلے گا۔ بلایا گیا تھا صبح ۸ بجے تو دوپہر کے کھانے کا کیا ہو گا؟ اس کے لئے لنچ کا ڈبہ دیا گیا جس میں دو دو کباب اور پوری نان روٹیاں تھیں۔ پیٹ بھر کھانے کے بقدر۔

یہ مغل کمپنی کی طرف سے انتظام تھا اس کے ساتھ ایک جیبی سائز کی کتاب بھی دی گئی، یہ حج کی دعاؤں کی کتاب تھی جو انجمن خدام النبی کی طرف سے تقسیم کی جا رہی تھی لیجئے جہاز پر سوار ہو گئے تیسرے درجے کے مسافروں کے لئے ایک راستہ اوّل درجے کے مسافروں کے لئے دوسرا راستہ جہاز پر جانے کا تھا۔ حج پولیس اور انجمن خدام النبی کے رضا کار اس سلسلے میں رہبری کر رہے تھے۔

نشستیں ٹکٹوں کے ساتھ متعین ہو چکی تھیں۔ قلی نے ہمارا سامان انہیں

نشستوں پر پہونچا دیا۔ ویسے بھی بہت ہی کم مسافر آئے تھے۔

جہاز کا بالائی حصہ تو کپتان اور جہاز کے دوسرے بڑے افسروں کے کمروں پر مشتمل ہوتا ہے جہاں کوئی مسافر نہیں جاتا۔ دوسری منزل کیبن کلاس کے مسافروں کی تھی۔ دونوں طرف غالباً دو درجن کیبن تھے۔ جن کے سامنے دبیج برآمدے اور ملحق ایک پبلک روم جس میں اعلا درجے کے صوفے اور کرسیاں تھیں اور بڑا سا قالین پورے ہال میں بچھا ہوا تھا۔ ایک بڑا سا پیانو بھی کونے میں رکھا ہوا تھا جو حاجیوں کے احترام میں غلاف کے اندر کر دیا گیا تھا۔

جہاز کی تیسری منزل درجہ اول کے مسافروں کے لئے تھی۔ یہاں بھی دونوں طرف برآمدے تھے اور اسی منزل پر درجہ اول کے کمروں کے ایک طرف چھت تھی اس چھت کے نیچے جہاز کے درجہ دوم کے ملازمین کے کیبن تھے اور تیسرے درجہ کے مسافروں کے لئے غسل خانے پاخانے۔ کینٹین، ڈسپنسری وغیرہ اور اس کے نیچے تیسرے درجے کے مسافروں کے تہ بہ تہ لمبے لمبے ہال تھے۔ جن میں لوہے کی بینچیں جڑ دی گئی تھیں۔ ایک بڑے ہال سے نیچے اتر کر دوسرے اور پھر تیسرے ہال میں جانا ہوتا تھا تیسرے درجے کے وہ مسافر بڑی زحمت میں تھے جنھیں سب سے نچلے ہال میں جگہیں ملی تھیں۔ انھیں رفع ضروریات کے لئے تین درجے اوپر چڑھ کر آنا پڑتا تھا خوش قسمتی سے ہماری نشستیں اوپر والے ہال میں تھیں اور صرف ایک درجہ طے کر کے ہم غسل خانے اور پاخانے تک پہونچ سکتے تھے۔

دیکھا کہ چٹائیاں لئے لوگ اپنی اپنی نشستوں سے کھلی چھت پر جا رہے ہیں ہماری چٹائیاں بھی کھلی چھت پر پہنچ گئیں۔ لیکن دوپہر ہو چلی تھی۔ دھوپ کی تیزی میں کھلی

چھت پر کیسے رہا جا سکے گا۔ پھر ابھی مارچ کا مہینہ ہے۔ رات بھی کھلی چھت پر بسر کرنا ناممکن ہے۔ مگر یہ دستور سا ہے کہ کھلی چھت پر جس کی چٹائی بچھ گئی پھر وہ جگہ اسی کی ہو جاتی ہے کوئی مسافر اس پر قبضہ نہیں کرتا۔ اس خیال سے چٹائیوں کے ذریعے جگہ پر قبضہ کر لیا کہ اگر نشستوں پر تکلیف ہوئی تو چٹائیوں پر آ جائیں گے۔ دیکھتے دیکھتے ساری کھلی چھت اور درجہ اول کے برآمدے چٹائیوں سے گھر گئے۔

جہاز ساحل پر کھڑا تھا اس لئے گرمی بھی ہو رہی تھی بیشتر افراد تہ خانوں کی نشستیں چھوڑ کر کھلی چھت پر ہی گھوم پھر رہے تھے۔

ہم نے اپنے ہال کی نشستوں کا جائزہ لیا جن میں کم و بیش سو مسافر ہوں گے تو صرف ایک شنا سا صورت مولانا عبد الحفیظ بلیاوی (مدرس دار العلوم ندوۃ العلما) کی نظر پڑی نیچے کے تہ خانوں میں واقف کار صورتیں تلاش کرنے کے بجائے جہاز کی بالائی نشستوں کے درمیان اس جستجو کو ہم نے کچھ زیادہ موزوں سمجھا۔

اا بجے جہاز چھوٹنے والا تھا ایک بج گیا ابھی کچھ آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے برعکس کسٹم ہاؤس کے دروازے سے نکل نکل کر جہاز کی طرف مسافروں کی آمد جاری تھی۔

جو سوار ہو چکے تھے ان کو ظاہر ہے کہ جہاز کے چھوٹنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ گرمی الگ ہو رہی تھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ آخر کب چلے گا جہاز؟ یہ دیر کیوں ہو رہی ہے؟ شام کو روانہ ہونا تھا تو صبح سے کیوں بلا کر یہاں باندھ دیا؟

ایک باخبر نے خبر دی کہ کچھ امیدوار عازمین حج ہیں جن کے لئے اس جہاز پر جگہ نکالنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ اس لئے تاخیر ہو رہی ہے۔

پھر نظر آیا کہ کشمیری حاجیوں کی ایک تعداد کسٹم ہاؤس سے چھوٹ کر تیزی

کے ساتھ جہاز کی طرف آرہی تھی سو سوا سو ہوں گے جو مایوس ہو چکے تھے اب جو مایوسی کے بعد کامرانی نصیب ہوئی تو انہیں خود یقین نہیں آرہا تھا ایسے دوڑے چلے آرہے تھے جیسے جہاز ان کے لئے رکا ہی نہیں ہے۔

ہم اپنی نشستوں پر سامان کی ترتیب میں لگے تھے کہ پتہ چلا نائب وزیر خارجہ شری دنیش سنگھ جہاز پر حاجیوں کو رخصت کرنے اور ان کا احوال دیکھنے آئے ہیں نائب وزیر خارجہ سے ہمارے بارے میں ہمارے اڈیٹر حیات اللہ انصاری صاحب خط وکتابت کر چکے تھے جب حج کمیٹی کے ایک ممبر مولانا حامد الانصاری غازی نے ہمارا تعارف ان سے کرایا تو ہم نے یاد دلایا کہ حیات اللہ انصاری صاحب نے ہماری دلچسپی میں ترجیح کے سلسلے میں آپ کو لکھا تھا۔

انھوں نے کہا "میں نے اپنے سفارت خانے کو لکھ دیا ہے آپ وہاں مل لیجئے گا۔"

دفع دخل مقدر کرتے ہوئے ہم نے کہا: "میں اخبار نویس کی حیثیت سے نہیں جا رہا ہوں اپنی والدہ کو لے کر حج کرنے جا رہا ہوں۔"

شری دنیش سنگھ نے برجستہ کہا "بہت اچھا ہے۔ یہی حج تو اصلی ہے۔"

ان کے اس جواب سے جی بہت خوش ہوا۔ اور پھر جب یہ معلوم ہوا کہ دنیش سنگھ صاحب دلی سے محض اس لئے آج یہاں آئے ہیں کہ جو عازمین حج رہ گئے ہیں ان کے لئے کسی طرح گنجائش نکالی جائے تو ان کی قدر اور بڑھ گئی۔

بلاشبہ انھوں نے بڑا کام کیا۔ جتنے نامراد عازمین حج پڑے ہوئے اپنی قسمت کو رو رہے تھے ان سب کے لئے انھوں نے حد سے گزر کر انتظام کیا۔ ہمارے جہاز پر کئی سو حاجیوں کو جگہ دلائی کپتان نے گنجائش سے زیادہ اتنے ہی حاجی لئے جتنی فاضل لائف جیکٹ

(جان بچانے والی پیٹیاں) اس کے پاس نہیں، پھر بھی ایک چینس امید باقی ہے،

ڈمیش سنگھ صاحب نے ان "شوق بے حد کے گنا ہگاروں" کے لئے بھی انتظام کیا وہ اس طرح کہ اگر وہ ہوائی جہاز کا ایک طرف کا کرایہ ادا کرنے پر تیار ہوں تو ایک مخصوص بوئنگ (تیز رفتار ہوائی جہاز) کا انتظام کر دیا جائے ادھر سے بوئنگ سے جائیں واپسی بحری جہازوں سے ہو۔ اور ہوائی جہاز کا کرایہ واپسی پر آ کر ادا کریں۔

تقریباً سب ہی تیار ہو گئے اور بوئنگ کے ذریعہ تین چار گھنٹے کے اندر وہ بمبئی سے جدے پہونچ گئے جب کہ حج ہوائی سروس سے جانے والوں کو اس سال جدے پہونچنے میں ۱۱-۱۱ گھنٹے لگے۔

نائب وزیر خارجہ کے ساتھ مرکزی حج کمیٹی کے سکریٹری اور وزارت خارجہ کے ڈپٹی سکریٹری مسٹر شوکت علی تندوائی بھی دلی سے بمبئی آئے تھے اور جہاز پر بھی انہیں کے ساتھ آئے۔

جن کو نائب وزیر خارجہ کے کہنے سے جہاز پر جگہ ملی تھی اب ان کی آمد شروع ہوئی اس طرح کوئی چار سو گئے۔

معلوم ہوا کہ مولانا سید محمد شاہد فاخری ایم ایل سی (یوپی) ممبر حج کمیٹی ہمارے جہاز کے امیر الحج بنائے گئے ہیں اور اوپر کیبن نمبر ایک ان کو ملا ہے۔ اپنے تہ خانے سے ان کی تلاش میں گئے تو دو کئی واقف کار بھی ملے۔ جن میں شیخ ظہور الحسن (سابق سکریٹری محکمہ مال یوپی) لکھنؤ کے کار پوریٹر حاجی غلام حسنین کے بڑے بھائی حاجی غلام اشرف، پہلے درجے والوں میں عارف خیرآبادی عرف ننا میاں (لکھنؤ) قاری محمد شاہد

(کلکتہ)، محمد اصغر علی انصاری (لکھنؤ)، حاجی اشتیاق حسین (کانپور) وغیرہ
حاجیوں کے جہاز کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر گنجایش سے زیادہ مسافر سوار ہوں تو
ممنوع جگہوں پر بھی انہیں پڑ رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور یوں بھی حاجیوں کے جہاز
پر بے ضابطگی کو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے درجہ اول کے سامنے والے برآمدے تیسرے درجے کے مسافروں
کی چٹائیوں سے بھر گئے۔ والدہ، پھوپھو جان اور مامانی کے لئے زنانے ہسپتال
کے سامنے والے برآمدے میں چٹائیاں بچھا دیں اور ہم نے اپنا بچھونا امیر انچ کے
کیبن کے سامنے والے برآمدے میں جو نسبتاً خالی تھا، بچھا لیا اگر کیبن کلاس کے
مسافر معترض نہ ہوں تو ان کے برآمدے میں جہاں ہوا خوری کے لئے کرسیاں
پڑی ہوتی ہیں دو ایک مسافر بستر اجما سکتے ہیں. شاہد میاں کے معترض ہونے کا
سوال ہی کیا تھا، جس قدر ہم خوش تھے ان کی معیت پر اس سے زیادہ وہ بھی
خوشی ظاہر کر رہے تھے۔ وہ بھی پہلی ہی بار حج کو جا رہے تھے اس پہلو سے ہم دونوں
ایک ہی کشتی کے مسافر تھے، اسی قطار میں حاجی غلام اشرف کے دو کیبن تھے اور
ایک کیبن میں مسٹر مناظر الحسن ڈویژنل مجسٹریٹ دپٹنہ) اپنی والدہ کے ہمراہ تھے
ان سے بھی تعارف میں دیر نہیں لگی، اس طرح اس قطار کا پورا برآمدہ جاننے والوں
ہی کا تھا ہمارے بستر لگانے پر کسی کو شکایت نہیں ہوئی، پورا سفر وہیں دو کرتے
کیا سب سے بڑی سہولت باتھ روم کی ہاتھ آگئی، ہر کیبن سے ایک باتھ روم بھی
وابستہ ہوتا ہے کیبن والا اپنا ہو تو پھر کیا زحمت ہو سکتی ہے۔

۵ بجے سہ پہر کو جہاز نے لنگر اٹھایا، دیکھتے دیکھتے بمبئی ہم سے دور ہو گیا اور ہم

مغرب کے وقت بیچ سمندر میں تھے جہاں سے بمبئی کی صرف روشنیاں نظر پڑتی تھیں
تھوڑی دیر بعد وہ بھی اوجھل ہو گئیں۔

اب صحیح معنی میں وطن سے دور ہو چکے تھے۔ اور وادیٔ غربت میں چل رہے تھے
کسی شاعر نے کہا تھا ؎

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی سمجھانے بجھانے والا دور نزدیک کہیں نظر نہیں
آیا۔ شاید وادیٔ غربت میں یادِ وطن سمجھانے آتی ہو سمندر میں اس کی ضرورت نہ سمجھتی ہو

اصل یہ ہے کہ خالق اوطان اور مالک بحر و بر کے گھر کی طرف جانے والے اگر
اپنے اپنے گھروندوں کی یاد سے چمٹے رہے تو پھر اس کا حق کیا ادا کیا انھوں نے؟

جہاز کو چلے بمشکل آدھ گھنٹہ ہوا ہو گا کہ مسافروں کو دوران سر محسوس ہونے
لگا۔ تجربہ کاروں کی ہدایت کے مطابق بیشتر مسافر اپنے اپنے بچھونوں پر دراز ہو گئے
کچھ تو لیٹتے ہی سو گئے اور کچھ دوران سر کے آگے والی منزل متلی کا انتظار کرتے رہے۔
"اگر یہ کیجئے تو متلی نہیں ہو گی" "وہ کھا لیجئے تو قے نہیں ہو گی" ہر ایک اپنا تجربہ
بلا معاوضہ پیش کر رہا تھا۔ مگر تجربے سے ہر تجربہ محدود نظر آیا۔ ایک کے لئے جو کامیاب
تجربہ تھا دوسرے کے لئے وہ بالکل ناقص ثابت ہوا۔ سچ یہ ہے کہ کوئی عالمگیر تجربہ
اس سلسلے میں اب تک سامنے نہیں آیا۔

۵۰ فی صدی حاجی دوران سر میں مبتلا نظر آئے ان میں ہمارے امیر الحج بھی
تھے اور ۲۰، ۲۵ فی صدی متلی بھی کر رہے تھے۔ چاروں طرف یہ عالم دیکھ کر محسوس ہونے

لگا کہ ہمارا سر بھی چکرا رہا ہے لیکن یہ صرف واہمہ تھا ان پانچ فیصدی مسافروں میں ایک ہم بھی تھے کہ سوائے وہم کے ہمارے اوپر سمندری بیماری کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ متین میاں، امی، پھوپھوجان سب اس بیماری سے پریشان ساتھ کی دوائیں اور پھر ڈاکٹر کی دی ہوئی دوائیں استعمال کر رہی تھیں۔ اچنبھوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ بیماروں کی تیمارداری کریں لیکن متلی نے ہم سے دیکھی نہیں جاتی اس لئے بیماروں کی مدد سے ہم بھی قاصر تھے۔ اس طرح ہم بھی باوجود اچھے خاصے ہونے کے بستر پر دراز پڑے رہے۔ پہلی رات گذار کر صبح آئی تو اکثروں کی طبیعتیں بحال تھیں۔ یعنی دوران سر ختم ہو چکا تھا۔ لیکن جن کو متلی شروع ہو چکی تھی وہ دو ایک دن اس میں مبتلا رہے۔

متین میاں سے جب صبح جائے کے لئے پوچھا تو انھوں نے اطلاع دی کہ وہ روزہ سے ہیں۔ "یہ کیا کیا جناب! دوران سر اور متلی کا علاج ایک ہی بتایا جاتا ہے کہ معدہ خالی نہ ہو۔ آپ نے روزہ رکھ کر بیماری کو خود دعوت دی ہے۔" خدا جانے نذر کا روزہ تھا یا نفل کا بہرحال انھوں نے توڑا نہیں اور شوق عبادت میں بد احتیاطی کا نتیجہ دن بھر انھوں نے بھگتا، روزہ کھول کر جب پیٹ میں کچھ پہونچا تب ان کی طبیعت بحال ہوئی۔

جہاز کا نظم کار

ظاہر ہے کہ حج کا معاملہ مسلمانوں کا خالص مذہبی اور عقیدی معاملہ ہے جس سے دوسرے مذہب والوں کو کوئی دل چسپی نہ ہونا چاہیئے ؛ بہت دل چسپی ہوئی بھی تو بے تعلقی کی دل چسپی کی حد سے آگے اس کے جانے کا بظاہر کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے ؛ لیکن سفرِ حج کے تجربے نے باور کرایا کہ اندازہ کرنے میں ہم غلطی کر رہے ہیں۔ دنیش سنگھ صاحب نائب وزیرِ خارجہ نے جو "اصلی حج" کی بابت وضاحت کی اسے محض بے تعلقی کی دل چسپی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا یا انھوں نے ناکام عازمین حج کے لئے سفرِ حج کے انتظام میں جو سرگرمی دکھائی اسے صرف دکھاوا کہہ کر نظر انداز کر دینا آسان نہ ہوگا۔

محسوس کرنا پڑتا ہے کہ مذہبی دل چسپی رکھنے والے خواہ کسی مذہب کے بھی ماننے والے ہوں ان کے دلوں کے اندر مذہبی مراسم کا احترام بہرحال ہوتا ہے یہ دوسری بات ہو کہ بہت سے دوسرے اسباب اس احترام کے اظہار کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جائیں اور جہاں یہ اسباب سدِراہ نہیں بنتے وہاں بے اختیارانہ ایسے امور سرزد ہو جاتے ہیں جو دوسرے مذاہب کے احترام

کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ہم لوگ لکھنؤ میں جب چیچک اور ہیضے کے سارٹی فکٹ لینے کارپوریشن کے محکمۂ حفظانِ صحت میں حاضر ہوئے تو سرکاری دفتروں کے متعلق تجربوں کے برعکس چند منٹ میں تمام مراحل انجام پا گئے۔ یہی نہیں ہوا بلکہ عملے کے جس جس آدمی کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ حج کو جا رہے ہیں اس نے نہ صرف یہ کہ ایک طرح کی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی دکھائی جو دفتری کرسیوں پر بیٹھے ہوئے انسانوں کی عادت کے سراسر خلاف تھی بلکہ دو ہندو کلرکوں نے ہم سے التجا بھی کی کہ "وہاں دعاؤں میں ہمیں نہ بھول جائیے گا"۔ یہ دونوں نوجوان ہمارے کبھی کے شناسا نہ تھے۔ ہیلتھ افسر سے سارٹی فکٹ پر دستخط کرانے گئے تو بغیر سابقہ تعارف کے انھوں نے محض عازمین حج کے لحاظ سے باوجود جگہ کی تنگی کے کرسیاں منگا کر ہمارے بٹھانے کی فکر کی۔

ہمارے بہت سے غیر مسلم احباب ہیں ان کے لئے اپنے ایک دوست کو جو لمبے سفر پر جا رہا ہے الوداع کہنا اور نیک تمنائیں پیش کرنا رسماً اور اخلاقاً ضروری تھا اور اس فرض کو انھوں نے انجام بھی دیا لیکن ایک ساتھی مسٹر مہندرا کنی پرشاد سکسینہ (چیف رپورٹر "نوجیون") نے رخصت کرتے ہوئے ایک فرمائش بھی کی۔

"دیکھئے اگر کعبہ کا پانی اور مدینہ کی مٹی نہ لائے تو اچھا نہ ہوگا۔"

بے تکلفی سے پوچھا "مہندر! ان کی غرض کیا ہے، تمھیں ان چیزوں کی کیا حاجت پیش آگئی؟"

مہندر نے جواب دیا "جناب! اس سے آپ کو کیا بحث، میں کچھ کروں گا۔"

بمبئی جانے کے لئے ریل پر سوار ہوئے تیسرا درجہ "ٹوٹا ٹوٹا" ہمارے حصے میں

آیا تھا جس میں پچاس ساٹھ سے زیادہ نشستیں تھیں ان پر بہت سے غیر مسلم مسافر تھے
چادر باغ اسٹیشن پر رخصت کرنے والوں سے انھیں ہمارے سفر کی نوعیت کا اندازہ ہوا
پھر ہم نے دیکھا کہ سفر کی ساری خود غرضیاں ہمارے سلسلے میں ان سے رخصت ہو چکی
تھیں راستے بھر اس طرح وہ پیش آتے رہے جیسے ہم ان کے مہمان بن کر جا رہے ہیں،
"ٹوائلٹ والے" دوسرے کمپارٹمنٹ میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی جیسے اٹارسی
میں ریل سے جدا کر دیا گیا۔ اس کمپارٹمنٹ کے مسافر تقسیم ہو کر ہمارے درجے میں بھی
آئے جگہ کی تنگی ہوئی لیکن یہ تنگی ہمارے لئے نہیں تھی۔ جس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ
حج کو جا رہے ہیں وہ ہمیں زحمت دینے سے احتیاط کرتا۔

ریلوے کا ایک نوجوان غیر مسلم ملازم بھی جو دورے پر جا رہا تھا خراب
کمپارٹمنٹ سے ہمارے درجے میں آیا، اور کسی طرح ہماری سیٹ پر بیٹھنے پر تیار نہ ہوا
کہ آپ لوگوں کو زحمت ہوگی کافی اصرار کے بعد بیٹھا تو اس نے بتایا کہ وہ فوج
میں تھا اس نے سمندری سفر بہت کیا اور سمندری بیماری (سی سکنس) سے کیا کیا
تکلیف ہوتی ہے؟ اس نے مشورہ دیا کہ سمندری نمک اور املی کی گولیاں اگر کھائی
جائیں تو سمندری بیماری سے بالکل نجات رہتی ہے۔

اس نے مشورہ بھی دیا اور بتایا بھی کہ بمبئی میں ساحل کے آس پاس پان
سگریٹ کی فلاں فلاں دوکانوں پر املی اور سمندری نمک کی بنی ہوئی گولیاں مل
جاتی ہیں۔

بمبئی میں بعض خریداریوں کے موقعہ پر اندازہ ہوا کہ غیر مسلم دوکانداروں کا بھی
وہ رویہ جو عام خریداروں کے ساتھ رہتا ہے حاجیوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔

بمبئی میں کسٹم آفیسر کا جو رویہ حاجیوں کے ساتھ رہا، وہ ذکر ہو چکا ہے۔ یہ تمام رویے اس عام رویے سے بالکل مختلف تھے جو عام طور پر ہمارے تجربے میں آتے رہتے ہیں۔

ذرا ریل کے کسی تیسرے درجے میں گھس کر دیکھئے کیا سلوک بیٹھے ہوئے مسافر خود اردو مسافر کے ساتھ کرتے ہیں؟ یہ سب صرف حج کے احترام کے پیش نظر اگر نہیں ہوا تو پھر کس وجہ سے ہوا؟

جس قدر خوشی حاجیوں کے ساتھ اس عام اخلاق و احترام کو دیکھ کر ہوئی اسی قدر رنج یہ سوچ کر ہونے لگا کہ آخر عام زندگی میں ہمارا عام رویہ یہ کیوں نہیں ہو سکتا اور ایک ہی آدمی میں عام زندگی میں یہ بے مروتی اور خاص موقع پر یہ مروت کہاں سے آجاتی ہے سے

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں؟
کبھی الطاف جرأت آزما کیا؟

بات یہی ہے کہ حصول اقتدار کی سیاست اور حکمت عملی کی گرم بازاری نے انسانیت کے تمام جوہروں پر ایسا دبیز پردہ ڈال رکھا ہے کہ آدمی کی اصلی شکل پہچاننا مشکل ہو گیا ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ مذاہب جو خیر خواہی غم گساری ہمدردی اور روا داری کے پیغامبر بن کر دنیا میں آئے تھے۔ اب بدخواہی بے مروتی اور تنگدلی کے نقیب بن کر ابھر رہے ہیں۔ یہ سب ہوس اقتدار کی کرشمہ سازی ہے۔ جہاں اس سے ہٹ کر کوئی معاملہ ہو وہاں دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان اپنی ان ہی خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے جو اس کی خلقت میں ازل سے ودیعت کر دی گئی ہیں۔ اور ان

تمام نظریوں کا ماننے والا ہے جو معاشرے کی راحت اور آسائش کے سلسلے میں تجربے نے ضروری سمجھی ہیں وہ غیر سیاسی زندگی میں اس مشہور نظریے پر پوری طرح عامل رہتا ہے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف ست
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

یہ انکشاف اس حج کے سفر میں پوری قوت کے ساتھ ہوا اور اگر برا نہ مانیے تو یہ کہنے کی جرأت کی جائے کہ ان لوگوں سے جو حج کے معاملے میں ہم عقیدہ ہیں اور جن سے عازمین حج کو زیادہ سے زیادہ توقعات بجا طور پر ہو سکتی تھیں ہمیں اکثر خلاف توقع باتیں دیکھنے میں آئیں اور جو ہم عقیدہ نہیں تھے انھوں نے قدم قدم پر خوش عقیدگی کا ثبوت پیش کیا۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

خیر بات یہاں تک پہونچی تھی کہ ہم لوگوں کو مظفری جہاز پر دوسرا دن ہوا طبیعتیں جو سمندری سفر کے آغاز میں بے چین ہو گئی تھیں۔ رات کے آرام کے بعد مائل بہ سکون تھیں۔

اب آٹھ دن جہاز پر گزرنا ہیں۔ نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا اور تقریباً دو ہزار کی آبادی کی چہل پہل کے درمیان بسر کرنا ہے یہاں کوئی گوشہ تنہائی نہیں جہاں الگ تھلگ بیٹھ رہنا ممکن ہو اور نہ اس اہم اجتماعی فریضہ دینی کو خلوت نشینی کے بے موقع استعمال سے بے سود بنانا ہی مناسب ہے۔

خلوت نشینی فرد کی اصلاح کے لئے کتنی ہی مفید اور کتنی ضروری کیوں نہ ہو لیکن معاشرے کا تقاضا قدم قدم پر مل بیٹھنے کی دعوت دیتا ہے معاشرے ہی کا نہیں مذہب کا بھی تقاضا یہی ہے۔

ہم نے پڑھا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ نماز اصلاح نفس کا ایک اہم ذریعہ ہے (ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر، نماز بے ہودگیوں اور غلط باتوں کا سدباب کرتی ہے)

اور یہ بھی تجربہ بتاتا ہے کہ جتنی صحیح نماز تنہائی میں ادا ہو سکتی ہے مجمع میں نہیں ہوتی لیکن یہ کیا بات ہے کہ جماعت اور مجمع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم اس قدر اصرار کے ساتھ دیا جا رہا ہے؟ اس لئے کہ صحیح نماز میں جو فائدہ ہو وہ صرف ایک کو پہونچتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پورے معاشرے کے لئے فائدے مضمر ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی دینی پستی کی وجہ سے ان اجتماعی فائدوں کو حاصل کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

حج باجماعت نماز سے کہیں بڑا اجتماعی فریضہ ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے والا ہی اگر اجتماع سے گریزاں ہونے لگے تو پھر تو اللہ ہی مالک ہے:

خلوت نشینی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن حج کے عازم کے لئے خلق سے گریزاں رہنے کی فضیلت تسلیم کرنے سے ہمیں انکار ہے ؎

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو، کیا خوب!
ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں!

جہاز پر دو ہی ہزار انسانوں سے سابقہ ہے آگے عین حج کے دنوں میں

تو لاکھوں کی ریل پیل ہو گی دھکم پیل ہو گی، ارکان حج کی ادائیگی میں مسابقت ہو گی، تھوڑی سی خود غرضی بھی کارفرما نظر آئے گی، چھوٹا بڑے کو، غریب امیر کو، شاگرد استاد کو پیچھے کر دینے کے جذبے میں مست و سرشار ملے گا۔ اے عافیت کوش بندۂ خدا! کیا شاہوں کی طرح یا چوروں کی طرح چھپ کر بیٹھے رہنے سے تیرا حج ادا ہو جائے گا؟ عجب ہی دنیا بھر سے آئے ہوؤں کے درمیان رہنے ان کو دیکھ کر اپنے کو سنوارنے، انھیں سمجھ کر اپنے کو سبق دینے کے لئے نہ کہ چوروں کی طرح چھپے چھپے پھرنے کے لئے ؎

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر!
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

جہاز پر امیر الحج، حاجیوں اور جہاز کے کپتان کے درمیان ایک وسیلہ اور رشتے کا کام دیتا ہے حاجیوں کی زحمتیں شکایتیں اور ضرورتیں امیر الحج تک آتی ہیں وہ انھیں جہاز کے کپتان تک پہونچاتا ہے۔ کپتان کو اگر حاجیوں کی بے ضابطگیوں سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ جہاز کا مطلق العنان حکراں ہوتا ہے امیر الحج کو توجہ دلاتا ہے۔

ایک امیر الحج تقریباً دو ہزار حاجیوں کے سارے معاملوں سے آگاہ کیسے ہو اس کے لئے ایک باقاعدہ نظام بنا دیا گیا ہے۔ امیر اپنے نائب مقرر کرتا ہے تعداد کا فیصلہ امیر پر رہے۔ عموماً جہاز کے ہر درجے کے ہر حصے سے ایک آدمی نائب کی حیثیت سے چن لیا جاتا ہے کم و بیش ۱۴۔۱۵ نائب ہو جاتے ہیں جو اپنے اپنے "علاقوں" کی ضرورتوں سے آگاہ رہتے ہیں اور روزانہ ۱۱ بجے دن

سے ایک بجے دن تک جب امیر الحج اپنے آفس میں بیٹھتا ہے تو ان کے سامنے معاملات پیش کر دیتے ہیں۔

ہمارے امیر الحج مولانا سید شاہد فاخری (ایم ایل سی) ممبر حج کمیٹی ہو تو گئے تھے امیر لیکن اس پورے سفر میں ان پر بجائے لیڈری کے "قلندری" ہی سوار رہی۔ جنھوں نے ان کو لیڈری کرتے اور آستینیں اور مونچھیں چڑھائے دھواں دھار تقریریں کرتے دیکھا ہے وہ ان کو جہاز پر دیکھ کر صورت سے پہچان لیں تو پہچان لیں ان شاہد فاخری کو پہچان نہیں سکتے جن سے ملنے کے وہ عادی رہے ہیں۔

انھوں نے کئی عدد اپنے نائب مقرر کر لئے بلکہ ایک نوجوان نائب یعنی مسٹر عبدالستار زردی والا (ممبر حج کمیٹی) کو اپنے سارے اختیارات بھی سونپ دیئے کپتان کے ساتھ روزانہ پورے جہاز کا دورہ کرنے اور کپتان اور ڈاکٹر کے ساتھ روزانہ کھانا چکھنے کی ذمہ داریاں بھی مسٹر زردی والا نیابت میں انجام دیتے تھے پانچوں وقت باجماعت نماز کا انتظام بھی جہاز کی کسی کھلی جگہ پر کیا جاتا ہے اگر نہ کیا گیا تو امیر الحج کپتان سے تقاضا کر کے یہ بندوبست کراتا ہے۔ جماعت کے لئے امام اور اذان کے لئے مؤذن کا بندوبست بھی امیر الحج کرتا ہے زردی والا اگر حج سے پہلے بھی داڑھی رکھے ہوتے تو شاید مولانا شاہد فاخری انھی کو امامت بھی تفویض کر دیتے مگر لاچار تھے خود ہی یہ منصب سنبھالنا پڑا پھر بھی کبھی کبھی دوسروں کو نماز پڑھانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ مؤذن بھی ایک خوش الحان نوجوان مل گیا لکھنؤ میں مولوی گنج کے رہنے والے حاجی عبدالحلیم جو شاید کلکتے میں تجارت کرتے ہیں۔

ویسی کوئی جگہ جہاز میں نہیں تھی جہاں تمام حاجی ایک ساتھ نماز پڑھ سکیں۔
لامحالہ دو جماعتیں باضابطہ ہوتی تھیں ہو سکتا ہے کہ اور بھی جماعتیں ہوتی ہوں
ایک کی امامت اکثر و بیشتر امیر الحج مولانا فاخری کرتے تھے یہ جماعت کیبن کلاسوں
کے برآمدے میں ہوتی تھی۔ دوسری جماعت درجہ اول کے کامن روم میں ہوتی تھی
جس کی امامت قاری محمد تابش (مدرس مدرسہ فرقانیہ) کرتے تھے۔ تیسری جماعت کیبن
کلاسوں کے پبلک روم میں بوہرہ فرقے کی ہوتی تھی۔ بوہرہ فرقے کے بیشتر حاجی
کیبن کلاس یا درجہ اول میں تھے۔ کچھ تیسرے درجہ میں ہوں گے۔ ان میں نوجوان
کافی تھے اور عورتیں بھی سب جماعت سے نمازیں پڑھتے تھے۔

ہماری دو جماعتوں سے یہ ہوا کہ اگر کسی کو نماز ایک جماعت میں نہ ملی تو دوسری
جماعت میں شرکت کا اسے موقع مل جاتا تھا۔ جاتے وقت یہ اندازہ ہوا کہ سب
ہی ایک خیال میں مستغرق ہیں اور دینی امور میں غیر معمولی انہماک ہے۔ بڑی
بڑی جماعتیں ہوتی تھیں، واپسی میں اس خوشگوار منظر کے دیکھنے کے لئے
آنکھیں ترسا کرتی تھیں۔

تقریروں کا بھی انتظام تھا عموماً عصر مغرب کے درمیان کوئی نہ کوئی تقریر کرتا
تھا، زیادہ تر مسائل حج کا بیان ہوتا۔ ان لوگوں کے لئے جو پہلی دفعہ حج کو
جارہے تھے آسان نہ تھا کہ وہ پورے عبور کے ساتھ مسائل حج بیان کر سکیں۔
اس سلسلے میں ہمیں اپنے مربی اور استاد الحاج مفتی محمد عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ
ذرنگی محلی خاص طور پر یاد آئے۔ جب اُن سے شرح وقایہ کی کتاب الحج پڑھتے
تھے تو کئی بار انھوں نے فرمایا تھا کہ مسائل حج کا پوری طرح سمجھنا اور ان میں

یاد رکھنا مشکل ہے ایک بار حج کر لینے کے بعد ہی کتاب اچھی طرح سمجھ میں آ پائے گی۔

ہمارا واسطہ کچھ دنوں سے مسئلے مسائل سے ہے ان میں حج کے مسائل کے بارے میں بھی استفسارات آتے ہیں مگر وہ عموماً حج بدل یا عورتوں کے شرائط حج سے متعلق ہوتے ہیں۔ ارکان کے حج کے بارے میں یہاں کسی کو پوچھنے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے اس لئے ان مسائل پر بار بار نظر پڑنے کا موقع بہت کم ملتا ہے یہی تجربہ شاید دوسرے فتوی دینے والے اداروں کا بھی ہوگا۔

حج کا فلسفہ سفر کے آداب، اور خشوع وخضوع کی اہمیت پر آپ جتنی لمبی تقریر کرنا چاہیں کر سکتے ہیں مگر مسائل حج پر کچھ کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کم از کم اپنے بس سے تو باہر تھا اسی لئے جہاز پر تقریر کا شوق کبھی نہیں چرایا ہمیں کیا کسی کو نہیں چرایا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ حج سے متعلق کوئی کتاب کوئی صاحب سنا دیا کریں۔

ماہنامہ البلاغ" کے ایڈیٹر مولوی محی الدین منیری (بمبئی) بھی اس جہاز پر تھے جن سے بالکل اچانک جہاز پر تعارف ہوا۔ ایک تعارفی خط جو ہمارے دوست حکیم عبدالقوی دریابادی نے ان کے نام بمبئی میں کام آنے کے لئے دیا تھا وہ تعارف کے بعد ان کو جہاز پر حوالے کیا۔ منیری صاحب ہی ایک ایک کو تقریر کے لئے اکسایا کرتے تھے جب ان کو یہ نسخہ بتادیا کہ کسی کتاب سے مسائل حج سنا دیا جایا کریں تو وہ ہی بچارے یہ خدمت روزانہ انجام دیتے رہے۔

ہمارے ساتھی متین میاں نائب امیر الحج تھے ان کا خاص کام جہاز کے

مریضوں کو ڈاکٹر کے پاس پہونچانا یا اسپتال میں داخل کرانا تھا۔ آخر وہ دواخانے
میں (ڈاکٹر زیدی کے دواخانے میں) ہی میں تو کام کرتے ہیں سینکڑوں دوائیں
خود ان کو معلوم تھیں ابتدائی طبی امداد وہ خود ہی پہونچا دیتے تھے۔ لیکن جب وہ
کسی مریض کے داخلے کی ضرورت محسوس کرتے تو وہ واقعی داخلہ کے لائق ہی قرار
پاتا تھا۔

اسی جہاز پر ہمارے ننہیال اور متین میاں کی سسرال کاکوری کے ایک
سن رسیدہ بزرگ حکیم شکور بیگ صاحب بھی اپنی اہلیہ اور بھائی کے ساتھ تھے
غالباً وہ بیمار ہی سوار ہوئے تھے متین میاں نے ان کو دیکھ کر ان کی مرضی کے
خلاف اسپتال میں داخل کرایا۔ ڈاکٹر دعا کرتا تھا کہ خیریت سے جدے میں اتر جائیں
اور وہ جدے میں خیریت سے اترے اور وہیں اسپتال میں دوسرے دن انتقال
کر گئے۔

ہمارے جہاز کے وہ تمام مسافر جو پہلی دفعہ حج و زیارت کو جا رہے ہیں ——
اور انھیں کی تعداد غالب ہے —— صحیح معنوں میں بیم و رجا کے درمیان
ڈولتے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک انجانی منزل کی طرف قدم بڑھتے جا رہے تھے
لیکن پہونچنے کا انجام دھندلکے میں لپٹا محسوس ہو رہا تھا۔
یہ نہیں کہ منزل مقصود پر کیسے پہنچیں گے بلکہ یہ کہ منزل پر پہنچ کر کیا بیتے
گی؟ عدالت کے کمرے میں مدعی یا مدعا علیہ کے داخلے کا تصور کیجئے کہ دونوں
ثبوت و صفائی کے تمام امکانات حاکم عدالت کے سامنے پیش کر چکنے کے بعد
بھی دھڑکتے دل کے ساتھ ہی وہاں حاضر ہوتے ہیں خدا جانے فیصلہ کیا ہونے والا ہے؟

ایسی عدالت میں حاضری کا تصور کیا کچھ ہو گا جہاں سوگند اور گواہ کی بھی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔

شاید ہی کوئی ایک متنفس جہاز پر ایسا ہو جسے اپنی پاک دامنی اور معصومیت کا یقین تو رہا ایک طرف گمان غالب ہی ہو! ایسے اللہ کے بندے ضرور ہوں گے جن کی لغزشیں اور غلطیاں گناہوں میں پنہاں ذائقہ کے شوق کا نتیجہ ہوں گی، وہ پھر سستے چھوٹیں گے لیکن وہ جن کی معصیتیں سرکشی اور استکبار کی مرہون منت رہ چکی ہیں وہ ہرے مجرم ہوئے نا؟

مشہور عابد وزاہد حضرت سفیان بن عیینہ نے جو تبع تابعین میں درجہ اول کے صوفی مزاج عالم تھے (متوفی ۱۹۸ھ) فرمایا تھا۔

من کان معصیته فی الشهوة فارج له التوبة فاذا کانت معصیته فی کبر فاخش علی صاحبه اللعنة

(جو گناہ گار خواہش نفس کے تحت مبتلائے معصیت ہوا اس کی مغفرت کی امید رکھنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی نے سرکشی کے جذبے سے گناہ کیا ہے تو اس کے حق میں تو ملعونیت ہی کا اندیشہ رکھنا ہوگا)

حاجیوں کے جہاز پر اگر کوئی ایسا مسافر بھی ہے جس نے صرف اور ذائقے کے شوق بے اختیار سے نہیں بلکہ انکار اور استکبار کے جذبے سے اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں اس کی دھڑکن کا کوئی دوسرا کیسے اندازہ کرسکتا ہے؟

اور اب اگر وہ انکسار اور طاعت کا اظہار اپنے عمل سے کر رہا ہے تو اس کی ضمانت کیا کہ یہ واقعی ندامت اور انفعال ہے یا ناطاقتی اور بے چارگی کا مظاہرہ؟

عام دیکھنے والے چاہے اس ضمانت کی ضرورت محسوس نہ کریں مگر خود وہ جس کا معاملہ ہے اپنے نفس کی باریک ترین بیماریوں سے بھی ناواقف نہیں ہوتا چاہے ان کی صحیح تشخیص نہ کر سکے، یہ تو حاذق اور ماہر معالج ہی بتا سکے گا کہ یہ بیماریاں لاعلاج ہیں یا قابل مداوا۔

یاد آیا کہ ایک بغدادی درویش نے ایک ہندی حاجی سے آج سے پونے دو سو برس پہلے بڑی تسلی بخش بات کہی تھی۔

مولانا حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادی سنہ ١٢٠١ھ میں حج کو گئے تھے انھوں نے ایک سفرنامہ بھی فارسی میں لکھا تھا جسے ہندستان کا سب سے پہلا سفرنامۂ حجاز کہا جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے:

"مطاف میں (خانہ کعبہ کے سامنے) ایک درویش علی نام جو بغداد کے رہنے والے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مرد صالح اور عالم ہیں۔ بعد مکالمہ و حصول تعارف میں نے ان سے کہا کہ تم مرد صالح ہو میرے لئے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میری مغفرت کرے اور میرا یہ سفر قبول فرمائے۔ انھوں نے کہا: کیا تم اس شخص کو جس سے راضی نہیں ہو اپنے گھر آنے دیتے ہو؟

میں نے کہا "نہیں"۔ انھوں نے کہا "بس اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو اپنے گھر بلاتا ہے جن سے راضی ہوتا ہے اور بیگانوں کو اپنے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتا۔ انھوں نے مزید کہا "حق تعالیٰ اپنے علم قدیم کی رو سے ہمارے ایک ایک عیب کو جانتا ہے اور تم جانتے ہو کہ جب کوئی شخص کسی غلام کو اس کے کسی عیب پر مطلع ہو کر خریدتا ہے تو پھر اس عیب کی وجہ سے اس غلام پر عتاب نہیں کرتا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے امیدوار ہیں کہ ہمارے ان عیبوں کو جن سے وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے سے
واقف ہے پوشیدہ رکھے گا اور ان کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ کرے گا۔"

یہ توضیح اس دل جمعی کے بعد پورا اطمینان ہو گیا ہو کھٹک رہ رہ کر ہونے لگتی تھی پھر بھی جہاز کا پورا وقت سکون اور اطمینان ہی میں گزرا دو ایک دن جہاز پر گزار لینے کے بعد سبھی طبیعتیں معتدل ہو چکی تھیں اور باہم مل بیٹھنے کے مواقع ہاتھ آنے لگے تھے

اتفاق سے کان پور کے بھی کئی حضرات آس ہی پاس مل گئے مثلاً اشتیاق حسین صاحب، محمد شریف صاحب قدیر الدین صاحب رشید احمد صاحب وغیرہ۔ یہ سب حضرات تقریباً یکجا تھے اور اشتیاق صاحب پنجابی چائے خوب بناتے تھے۔ انھیں کے درجہ اول میں چائے نوشوں کی اکثر بیٹھک رہتی تھی۔ اور باتیں یہی ہوا کرتی تھیں بار بار مولانا رئیس الدین مراد آبادی سے بغدادی درویش کی کہی ہوئی بات یاد آتی اور اپنی طرح کے ساتھیوں کو یاد دلانا پڑتی تھی۔

اس دفعہ پہلی بار حاجیوں کو ایک نئی صورت حال سے محض نا واقفیت کی بنا پر دوچار ہونا پڑا۔ ہوتا یہ تھا کہ عازمین حج کو روانگی سے قبل جن ایک ہزار روپے لے جانے کی اجازت تھی ان کے حج نوٹ دیئے جاتے تھے یہ حج نوٹ جہاز پر بھی کام آتے تھے اور حجاز میں بھی، اس سال یہ صورت بدل گئی۔ اب ایک ہزار کے حج نوٹ دینے کے بجائے حجازی سکہ ریال کا ایک ڈرافٹ دیا گیا بیشتر حاجیوں نے پورے ایک ایک ہزار کی رقم کا ڈرافٹ بنوا لیا۔ وہ جہاز پر سوار ہوئے تو خالی ہاتھ تھے۔ اس لئے کہ بعد رقم لے جانے کی اجازت نہیں، اس نئی صورت حال کا علم ہمیں بمبئی ہی میں ہو گیا پہلے ہی سے ہم ارادہ رکھتے تھے کہ اگر جہاز پر تیسرے درجے

کا کھانا پسند نہ ہوا تو درجہ اول کا کھانا مزید دام دے کر منگائیں گے۔ مگر جب جیب میں دام ہی نہ ہوں گے تو کیا کریں گے۔ اس سلسلے میں تھوڑی بہت جانچ پڑتال کے بعد پتہ چل گیا کہ اگر کوئی چاہے تو چالیس روپے حج نوٹ کی شکل میں جہاز کے خرچے کے لئے انھیں ایک ہزار روپے میں سے الگ کرالے اور باقی کا ڈرافٹ بنوائے ہم نے ایسا ہی کیا۔ فی کس دس دس روپے کے چار حج نوٹ لے لیے باقی نوسو ساٹھ روپے فی کس کے آٹھ سو نوے ریال کا ڈرافٹ بنوالیا۔

ہمارے بہت سے ہم سفروں سے اس سلسلے میں چوک ہوگئی وہ اس مغالطے میں رہے کہ ایک ہزار روپیہ پورا ڈرافٹ بنوانے کے لئے دے کر وہ مزید چالیس روپے جہاز کے خرچ کے لیے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور انھوں نے ہندوستان کے نوٹ اس حساب سے رکھ بھی لئے کسٹم میں حاجیوں سے زیادہ پوچھ گچھ جو نہیں ہوئی تو کسی کو اپنی غلطی کا احساس بھی نہیں ہوا۔

جہاز پر سگریٹ، چائے، پان اور کولڈ ڈرنک وغیرہ کے لئے جب ان میں سے بعض نے ہندستانی روپیہ پیش کیا تو وہ غیر رائج سکہ قرار پایا۔ بہتوں کو جو چکر اور متلی میں مبتلا ہو کر لیمنڈ وغیرہ خریدنا چاہتے تھے۔ چکر پر چکر آنے لگے۔

آٹھ دن کا جہاز کا سفر مفلسی میں کیسے بسر ہوگا۔ خیر یہاں کھانے پینے میں اگر کوئی ضبط وصبر سے کام لے تو جیب سے کچھ دینے کا سوال نہیں پیدا ہوگا لیکن جدے میں اتریں گے کسٹم میں رکیں گے۔ نہ معلوم کتنا وقت لگے گا۔ وہاں کہاں سے خرید کر کھائیں گے۔ ڈرافٹ تو حجاج منزل میں پہنچ کر تبدیل ہو سکے گا۔

اگرچہ جدے میں قلی کو سامان کا کچھ نہیں دینا پڑے گا لیکن جو لوگ اپنے

سامان کو اپنی نگرانی میں اپنے الگ قلی سے اتروانا چاہیں گے ان کو تو بہرحال مزدوری دینا ہوگی۔ یہ تو بڑی مصیبت آگئی — جہاز پر سرکاری طور پر تو نہیں غیر سرکاری طور پر ہمارا ہندوستانی روپیہ آٹھ آنے میں چل سکتا تھا لیکن جدے میں تو کوئی بھی شاید ہی اسے قبول کرے۔

سگریٹ پینے والوں کو یہ بھی پریشانی کہ جہاز پر اعلیٰ درجے کی سگریٹ مثلاً پانچسو پچپن یا گولڈ فلیک ۵ روپے سے آٹھ آنے میں دس مل رہی ہیں۔ حج نوٹ پاس نہیں یہ حوصلہ کیسے نکلے؟

دیکھتے دیکھتے ہندوستانی روپیہ ہی آدھی قیمت پر بے تکلف چل پڑا لیکن یہ غیر قانونی بات تھی — مگر اضطرار کی حالت ہو تو ناجائز بھی جائز ہو جاتا ہے۔

طبیعتیں سنبھلی ہوئی تھیں لیکن عام شہرت یہ تھی کہ ابھی سقوطرہ (ایک جزیرہ) آنے والا ہے وہاں کے ہچکولوں میں کوئی بھی سنبھلا نہیں رہے گا وہ بھی جو آغاز سفر میں ادنیٰ سمندری بیماری (سی سکنس) میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

اب سب کو سقوطرہ کا تصور ستانے لگا۔ ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ یہ سخت مقام کب آنے والا ہے۔ جہاز والوں سے بھی پوچھتے تھے وہ مذاق لوگ جواب دینا خوب جانتے تھے یعنی کسی نے حتیٰ کہ کپتان صاحب نے بھی ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا کہ سقوطرہ کب آئے گا۔ غالباً اسی وجہ سے کہ پہلے سے بتا دیں گے تو بہت سے وہمی قبل از مرگ واویلا مچانے لگیں گے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں دو ایک کی طبیعت بگڑی اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ شاید سقوطرہ آگیا۔ اور بدنام سقوطرہ ایسے وقت آیا اور چلا گیا جب تمام مسافر نماز

پسارے سو رہے تھے۔

بمبئی سے جدے تک ساڑھے تیئس سو میل کی مسافت ہے۔ ہمارے جہاز کی رفتار اوسطاً ۱۴ میل فی گھنٹہ تھی۔ روزانہ بارہ بجے دن کو امیر الحج کے دفتر کے بورڈ پر یہ اعلان لکھ دیا جاتا تھا کہ اب تک جہاز کتنی مسافت طے کر چکا ہے کتنی باقی ہے اور کیا رفتار ہے۔

چھٹے دن عدن کی بندرگاہ کے قریب ہمارا جہاز ٹھہرا تقریباً آٹھ گھنٹے ۴ بجے سہ پہر سے ۱۲ بجے رات تک سمندر میں یہ پہلی بستی تھی جو ہمیں نظر آئی۔ یعنی جس کی روشنیاں نظر آئیں اور کچھ کشتیاں نظر آئیں جو سامان بیچنے جہاز تک آئی تھیں اس وقت عدن میں متحدہ فیڈریشن والوں اور آزادی پسندوں کے درمیان سخت جھڑپیں ہو رہی تھیں اور وہاں مارشل لا نافذ تھا۔ اس لئے ہمارا جہاز بندرگاہ سے بہت دور ٹھہرایا گیا۔ دیکھا کہ ساحل کے آس پاس بڑے بڑے جنگی جہاز کھڑے ہیں اور رات کے وقت سرچ لائٹ والی کشتیاں ان جنگی جہازوں کے گرد پہرے دے رہی ہیں۔

بعض مسافروں نے عدن کے ساحل پر اترنے کی خواہش ظاہر کی لیکن کپتان نے اسے خلاف مصلحت قرار دیا۔ اگرچہ اترنے کے خواہش مندوں نے قول و قرار کیا کہ وہ بس ایک چکر لگا کر چلے آئیں گے لیکن ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا کہ اگر کوئی مسافر مثلاً راستہ ہی بھول گیا یا کسی شرارت پسند کی ٹیکسی پر گھومنے گیا اور اس نے اس کو لوٹ لیا تو جہاز کے ذمہ دار کیا جواب دیں گے یا کب تک جہاز ان گمشدگان کے انتظار میں رکا رہے گا۔

کئی مسافر کشتیاں ہمارے جہاز کے قریب آئیں جو پانچ پانچ روپے فی کس کے حساب سے ساحل عدن تک لے جانے اور واپس لانے پر آمادہ تھیں مگر شاید دو تین حاجی نظر بچا کر اتر پائے اور گھوم پھر کر واپس اسی طرح آ گئے عام طور پر کسی کو جانے نہیں دیا گیا۔

عدن بھی ایسا ہی ساحل ہے جہاں تجارتی سامان پر کوئی ڈیوٹی نہیں لی جاتی اس لئے بڑا سستا سامان وہاں سے خریدا جا سکتا ہے ولایتی قیمتی سامان جو یہاں پانچ پانچ سو روپے میں ملے وہ وہاں سو سوا سو روپے میں بک رہا تھا، وہ بھی ہندستانی سکے میں کچھ ایسے ضرور تھے جنھوں نے ہندستانی سکے ساتھ رکھ لئے تھے اور خوب دل کھول کر انھوں نے خریداری کی۔ یہ خریداری ایسے انہماک کے ساتھ ہو رہی تھی کہ بہت سی سنجیدہ طبیعتیں ناپسندیدگی ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

عدن سے جب جہاز روانہ ہوا تو رات گئے کا وقت تھا سب ہی سوسلا چکے تھے اب ۳۶ ۔۔ ۴۰ گھنٹے رہ گئے تھے جب ہمارا جہاز جدہ پہنچ جانے والا تھا۔ اب میقات (جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے) بہت قریب تھی۔ ہندستان سے آنے والے حاجیوں کی میقات یلملم ہے۔ یہ راستے میں پڑتا ہے مگر حاجیوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ کپتان اپنے نقشے سے اور اگر ضرورت پڑی تو دوربین سے اسے دیکھ لیتا ہے اور جب یلملم قریب آنے لگتا ہے تو جہاز ایک سیٹی دیتا ہے۔ یعنی احرام باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لوگ صبح ہی سے تیاری کر رہے تھے، حجامت بنوانا غسل کرنا ناخن ترشوانا اور سلے ہوئے کپڑوں کو بند کر کے ایک چادر اور ایک تہمد کو تیار رکھنا وغیرہ وغیرہ

جہاز پر باربر سیلون تھا لیکن تقریباً دو ہزار حاجیوں کی ضرورت کو پورا کرنا ایک حجام کے بس کی بات نہ تھی حاجیوں میں بھی بعض حجام تھے انھوں نے اپنا استرہ قینچی نکال کر کام شروع کر دیا۔ فی کس ایک ریال یا دو ہندستانی روپے کا ریٹ ہو گیا۔ سب نے تو نہیں آدھے سے زیادہ حاجیوں نے حجامت بنوانا بھی زوالفض احرام میں شمار کیا اس طرح بیٹھے بیٹھے نائیوں کو کئی کئی سو ریال اجرت میں ہاتھ لگے۔

حاجیوں کی مزاجی کیفیت یلملم کے تصور کے ساتھ یکسر بدل چکی تھی اب نہ چائے نوشی کے دور چل رہے تھے نہ مل بیٹھ کر تبادلۂ خیال کا دور دورہ تھا سب قرب منزل اور مقصد سفر کے تصور میں کھوئے کھوئے سے معلوم ہو رہے تھے ؎

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہونچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

ذاتی طور پر ہم ایک زحمت میں (جو اس وقت زحمت ہی معلوم ہوتی تھی) پڑ گئے اس میں امیر الحج مولانا شاہد فاخری صاحب کی بڑی ذمہ داری تھی، یہ جاننے والے چند ہی تھے کہ پیار اسرد کار کچھ فتوے نویسی سے بھی ہے باقی جہاز کے "مولانا" تو ہمارے امیر الحج ہی تھے لوگ احرام سے متعلق مسائل پوچھنے آتے تھے وہ سیدھے ہمارا پتہ بتا دیتے تھے۔ لیجئے ہم دار الافتا کھولے وہاں بھی نظر آنے لگے، خیریت گزری اپنی ضرورت کے لئے بعض کتابیں ساتھ تھیں ایسے ایسے پیچیدہ معاملے سامنے آرہے تھے کہ کتابیں ساتھ نہ ہوتیں تو کیا کچھ زحمت ہوتی۔

سب سے زیادہ استفسارات حج بدل کرنے والوں کے احرام کے سلسلہ میں

ہوتے تھے۔ وہ افراد کا احرام باندھیں یا قران کا یا تمتع کا ـــــ اردو میں مسائل
حج کی بہت سی کتابیں حاجیوں کے ساتھ تھیں اور ان ہی سے پڑھ پڑھا کر کہیں کہیں
باہم اختلاف پاکر انہیں فیصلہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔

یہ حج بدل کا معاملہ جس قدر زور و شور سے چل رہا ہے اتنی ہی ناواقفیت یا اتنا
ہی زیادہ تساہل اس سلسلے میں کارفرما نظر آتا ہے۔ مستطیع حضرات حج بدل کے لئے
کسی دوسرے کو منتخب تو کر لیتے ہیں مگر جن الفاظ میں حج بدل کرنے کا حکم دینا چاہیئے
ان سے سراسر بے توجہی برتتے ہیں۔ آمر کی بے توجہی کا خمیازہ مامور کو بھگتنا پڑتا ہے
اگر اپنی طرف سے حج کرانے والا جس کو بھیج رہا ہے اس کو اجازت دیدے کہ تم حسب مرضی
حج کرنا تو مامور پر اقسام حج کے انتخاب میں کوئی پابندی نہ رہے لیکن ویسا نہیں ہوتا
اور اچھی خاصی الجھن کا سامنا حاجیوں کو کرنا پڑ جاتا ہے۔

جدہ میں

صرف ایک تہبند اور ایک چادر میں ملبوس اور برہنہ سر ہونے کا وقت آگیا شیروانیاں، سوٹ اور کوٹ زرین کی بش شرٹیں اور پتلون یا پاجامے غرض تمام لباس فاخرہ چشم زدن میں غائب ہوگئے۔ ہر جوان و پیر غلاموں کی وردی پہن کر مالک کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے مستعد ہونے لگا۔

اب تک لباسوں کے ذریعے کشمیری، مدراسی، لکھنوی، دہلوی، بنگالی افغانی اور دوسرے مختلف باشندوں کو بآسانی پہچانا جاسکتا تھا، اچانک یہ تمام امتیازات اور اعتبارات مفقود ہوگئے امیر غریب چھوٹے بڑے، مالک اور خادم سب ایک رنگ میں اور ایک حال میں نظر آنے لگے ؎

سب ایک رنگ میں ہیں میکدے کے خورد و کلاں
یہاں تفاوت پیر و جواں نہیں ہوتا

جہاز نے تین بجے دن کے قریب سیٹی دی کہ احرام پوش ہونے کی جگہ آگئی۔ یعنی ہمارا جہاز ہندستانیوں کی میقات۔ یلملم ــــ کے محاذات سے گزرنے جا رہا ہے

اور تقریباً ایک گھنٹے تک یہ محاذات رہے گی۔ بس اس اثنا میں اپنے تمام مصنوعی امتیازات کو خیرباد کہہ اپنے تمام خیالات و رجحانات سے دامن جھاڑ کر صرف ایک تصور میں محو ہونے کی کوشش کرو اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنے کے بعد آئے ہو تو جس مقصد کے لئے یہ مشقت سفر برداشت کی ہے اس کا حق ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہر ایک بس یہی آس لگائے رہے کہ جس دربار میں جا رہے ہیں وہاں بار نصیب ہو جائے کسی کو یہ سوچنے سمجھنے کا حق نہیں کہ وہ اس دربار میں دوسرے سے زیادہ مقبول اور معزز ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ نظر عنایت کس پر زیادہ ہے کس پر کم۔ یہاں بظاہر سب برابر ہیں کسی ظاہری اعتبار سے کسی کو کسی پر فوقیت نصیب نہیں

یہ مے خانہ ہے بزم جم نہیں ہے
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

کم از کم اپنے بارے میں تو شاید ہی یہ سوچنے کا کسی نے وہم کیا ہو کہ ہم کو فلاں وجہ سے فلانے فلانے پر فضیلت حاصل ہے۔

مردوں نے جن میں بوڑھے جوان اور نوعمر ہوش سنبھالے سب ہی شامل تھے احرام پہن لیا۔ عورتوں نے بھی احرام باندھا لیکن ان کا احرام لباس کی تبدیلی سے نہیں بلکہ اس حسن ظن سے پایۂ تکمیل کو پہنچا کہ اس راہ کے جتنے مسافر ہیں ان میں سے کسی کو اس کا وقت اور موقع نہیں کہ دوسروں خاص کر نامحرموں کی طرف دیکھنے میں اپنے قیمتی لمحات گنوائیں تو اب چہرہ کس سے چھپایا جائے اور کیوں نہ عجز و انکسار کے نمایاں اثرات سے متاثر چہروں کے ساتھ کھلے بندوں مالک دو جہاں کے سامنے حاضر ہو جایا جائے؟ جن سے پردہ تھا وہ تو خود اپنے احساسات کے دبیز پردوں میں چھپ

ے گئے ہوں گے، اور جو چہرے کھلے ہیں وہ وہ چہرے کہاں ہیں جن کو دیکھنے کی ہوس نفس کو ہوتی ہے یہ چہرے جو اس وقت بے نقاب ہیں جذبہ تقدیس و تعظیم کی نورانی کیفیت میں محو ہیں سہ

دکھانے پر بھی بے پردہ نہ اے پردہ نشیں! ہوتی
کلائی کی تجلی پھیل کر خود آستیں ہوتی!

وردی یا درباری لباس پہن سب نے لیا، اپنے عمل سے ظہار سب نے کر دیا کہ اب وہ محض ایک ادنیٰ خادم اور چاکر ہے۔ لیکن کیا اس ظاہر سے باطن بھی اسی طرح مطابق ہو گیا ہے اس کا جواب بے شک بہتوں کا باطن اس ظاہر سے کہیں بہت بہتر ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعضوں کا ظاہر اور باطن بالکل مساوی ہو لیکن وہ جن کا باطن اس درجے سے کم تر ہے جو درجہ اس نے اپنے ظاہر سے ظاہر کیا ہے اس کی اس ظاہرداری کو بھی کہیں پناہ مل پائے گی؟

مشہور تابعی سفیان بن عیینہ کا ایک قول علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے۔

اذا وافقت السریرۃ العلانیۃ فذلك العدل واذا کانت السریرۃ افضل من العلانیۃ فذلك الفضل واذا کانت العلانیۃ افضل من السریرۃ فذلك الجور۔

ظاہر باطن ایک ہو تو یہ انصاف کی بات ہو گی ظاہر سے باطن بہتر ہو تو یہ فضیلت اور بزرگی ہے لیکن اگر ظاہر تو اچھا ہو اور باطن اتنا اچھا نہ ہو تو یہ ظلم بے انصافی اور زیادتی ہے)

تو کسی ظلم کرنے والے بے انصافی اور زیادتی کے ایک مرتکب کے لئے کہاں

ٹھکانا ہے؟ کہیں نہیں! ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی؟
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں؟

اسی بندہ نوازی کی مضبوط رسی کو تھامے، جہاز کے بہت سے مسافر ہر لمحہ قریب ہونے والی منزل سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ پھر بھی قدم قدم پر ڈگمگا جاتے تھے مضبوط رسی سے وابستگی کے باوجود احساس قرب منزل کے رعب میں ؎

گرا پڑتا ہوں کیوں ہر ہر قدم پر
الٰہی! آ گئی کیا پاس منزل!!

لیجئے ۵ر اپریل کی صبح ہو گئی اور سواد منزل نظر آنے لگا ـــــ جدے کا ساحل اب ہماری نظروں سے بھی قریب ہونے لگا جو ابھی تک تصورات ہی سے قریب تھا قریب ساحل کی ابتدائی علامت بحری جہازوں کی خاصی تعداد میں آمد و رفت تھی۔ جدے کا ساحل بڑا نہیں ہے۔ ایک وقت میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو جہاز وہاں لنگر انداز ہو سکتے ہیں اور ہمارا جہاز جس وقت وہاں پہنچ رہا تھا اس وقت صرف پانچ روز حج میں باقی تھے اس لئے ہر چہار طرف سے جہازوں کی آمد جاری تھی۔ اور ہر جہاز کو ایک مقررہ میعاد کے اندر ـــــ تین یا چار گھنٹے کے اندر ـــــ اپنے مسافر ساحل پہ اتار کر ساحل سے دور بیچ سمندر میں جا کر لنگر انداز ہونا تھا، ہمارا جہاز ایس ایس مظفری ہندستانی حاجیوں کا آخری بحری جہاز تھا جو جدہ پہنچ رہا تھا ہم سے چار روز قبل بمبئی سے روانہ ہونے والا "ایس ایس اسلامی" چھ سات گھنٹے قبل جدے پہنچا تھا اور

اپنے مسافروں کو اتار کر بیچ سمندر میں لنگر انداز تھا، انڈونیشیا، پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں کے جہاز بھی بیچ سمندر میں قیام پذیر تھے۔

ابھی ساحل ہم سے دور تھا مگر آثار ساحل نظر آنے لگے تھے کہ ہمارے جہاز کی رفتار سست ہونے لگی اور ایک لمحے کے لئے تو قریب قریب رک گئی، دیکھا کہ دور سے ایک دخانی کشتی تیزی سے جہاز کی طرف آرہی ہے جس پر سعودی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ کشتی قریب آئی اور جہاز سے لٹکی ہوئی ایک رسی کی سیڑھی کی مدد سے ایک عرب تیزی اور بے باکی سے ہمارے جہاز پر چڑھ آیا عربی لباس میں جس کی پیشوائی حاجیوں نے السلام علیکم سے کی۔

یہ عرب "رہنمائے بحر" (پائلٹ) تھا۔ جہاز رانی کا یہ مقررہ دستور ہے کہ جب کسی ساحل کے قریب کوئی جہاز آتا ہے تو کپتان جہاز رانی کے فرائض سے سبکدوش ہو کر اس پائلٹ کو جہاز کی باگ ڈور سپرد کر دیتا ہے۔ جو ساحل کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وجہ یہ ہو کہ ساحلوں کے قریب سمندر کی تہ یکساں نہیں ہوتی۔ کہیں بہت اتھلی ہوتی ہے کہیں سمندر کے اندر خشکی کے تودے ہوتے ہیں کہیں کوئی اور وجہ احتیاط ہوتی ہے۔ کپتان سمندر کا ان مقامی کیفیتوں سے آشنا باخبر نہیں ہوتا جتنا وہیں کا رہنے والا پائلٹ اس لئے پائلٹ زیادہ بہتر طریقے سے جہاز کو ساحل کے قریب لا سکتا ہے۔

یہی معاملہ بمبئی سے جہاز کی روانگی کے وقت پیش آیا تھا کہ ہمارے جہاز کو وہاں ہی ایک پائلٹ نے ساحل سے سمندر تک پہونچایا تھا اور بیچ سمندر میں پہونچا کر وہ جہاز سے اتر کر اپنی کشتی پر سوار ہو کر واپس چلا گیا تھا۔

صبح ۸ اور ۹ بجے کے درمیان جہاز جدے کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ اب اترنے کی

تیاریاں ہونے لگیں اور بلا مبالغہ نفسی نفسی کا عالم ان مسافروں میں نظر آنے لگا جن سے توقع ہونا چاہیئے تھی کہ وہ اشارے کام لیں گے۔ دو مختصر سے راستے جہاز سے ساحل پر اترنے کے تھے اور دو ہزار مسافروں میں سے ہر ایک سب سے پہلے اترنے میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا اگرچہ سب بخوبی جانتے تھے کہ جب تک ایک ایک مسافر جہاز سے اتر نہ لے گا جہاز ساحل سے کھسکنے والا نہیں اور نہ یہ ممکن تھا کہ کوئی پہلے اتر جانے میں کامیاب ہو کر آگے کے مراحل میں بھی اول رہے، سب کو ایک ساتھ حجاج منزل میں جمع ہونا ہے۔ وہاں پاسپورٹ وغیرہ کے اندراجات کرانا ہیں ڈرافٹ بھنوانا ہیں معلم کی فیس جدے سے مکہ معظمہ تک جانے کے لئے بس کا کرایہ اور دوسرے ٹیکس ادا کرنا ہیں۔ یہ سب مرحلے کافی وقت لیں گے پھر دھکم پیل کر کے جلدی اترنے سے حاصل؟ شاید جلدی کی وجہ یہ ہو کہ آٹھ، دس دن تک جہاز پر رہ کر زمین پر قدم رکھنے کے لئے ترس گئے تھے سب۔

بہر حال ایک ہی گھنٹے کے اندر اندر تمام مسافر جہاز سے اتر کر ساحل پر آ چکے تھے جہاں سرکاری بسیں منتظر کھڑی تھیں اور حاجیوں کو کسٹم ہاؤس پہونچا رہی تھیں، کسٹم ہاؤس بس کے ذریعہ سات آٹھ منٹ کی مسافت پر واقع تھا، کوئی مسافر اپنے طور پر ساحل سے روانہ ہو کر کہیں جا نہیں سکتا تھا۔

یہاں سامان کا معاملہ عجیب رہتا ہے۔ ہر مسافر سامان جہاز پر چھوڑ کر پاسپورٹ ڈرافٹ وغیرہ اور صرف اتنا سامان جو وہ ہاتھ میں لے سکے لے کر اتر آتا ہے ساحل کے قلی بعد میں جہاز سے سامان اتارتے ہیں خود نہیں، سامان کے بڑے بڑے بنڈل جہاز کے اندر رسیاں باندھ کر تیار کرتے ہیں اور آلہ، جرثقیل (کرین)

کہ خود جہاز سے اٹھا کر ساحل پر پھنکوا دیتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں سامان کی اٹھا پٹخ ہوتی ہے، وہ بڑا خوش قسمت ہوتا ہے جس کا سامان اس اٹھا پٹخ میں محفوظ رہ جائے۔

ساحل پر ڈال دیئے جانے کے بعد سارا سامان ٹرکوں میں بھر کر کسٹم ہاؤس لایا جاتا ہے اور چشم زدن میں وہاں سامان کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے اب ہمت ہو تو اپنے مدد اس انبار میں ڈھونڈھ نکالیے!

سامان کا یہ حشر جدے میں ہوگا۔ اس کی سن گن ہمیں پہلے ہی مل گئی تھی، ہمارے ایک رفیق عارف صاحب خیرآبادی عرف طامیاں جو دوسری بار ۲۰ سال بعد حج کو جا رہے تھے۔ نئے مسافروں کو اپنے سابقہ تجربے بتانے میں بڑی فیاضی سے کام لے رہے تھے۔ انھوں نے ایک طرح سے آگاہی دے دی تھی اور بتایا تھا کہ اگر اپنا قلی الگ کر لیا جائے تو وہ بحفاظت سامان پہنچانے کا ذمہ دار ہو جاتا ہے اس کو اجرت الگ دینا ہوتی ہے، الگ قلی نہ کریں تو خود سعودی حکومت اپنے انتظام میں سارا سامان اتروا کر ٹرکوں میں بھروا کر کسٹم ہاؤس پہنچوا دے گی۔ یہ گارنٹی کی جاسکتی ہے کہ حاجیوں کا سامان جہاز سے اترونے میں کھونے کا نہیں، لیکن یہ گارنٹی کوئی نہیں کر سکتا کہ ٹوٹنے پھوٹنے کا بھی نہیں ہمارے ساتھی متین میاں نے جہاز سے اترنے سے قبل ہی ایک قلی کو آمادہ کر لیا کہ وہ ہمارے قافلے کا سارا سامان حفاظت سے اتار کر کسٹم ہاؤس میں بحفاظت ہمارے پاس پہونچا دے گا۔ قلی نے حامی بھری اور خاطر خواہ اجرت مانگی یعنی ۵ ریال (یا تیس ہندستانی روپے) سامان کی تعداد چھوٹا بڑا ملا کر تقریباً ۱۱-۱۲ تھی یعنی، بستر اور ناشتے کے جھابے — پھر متین میاں کے اس انتظام کا پتہ اس وقت چلا جب کسٹم ہاؤس میں اس جگہ جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے۔ ہمارا سارا سامان آ گیا۔

چند سال پہلے، ساحل جدہ تک پہونچنا، ایک بڑا مرحلہ ہوا کرتا تھا، ساحل سے دور جہاز لنگر انداز ہوتا، کشتیاں اور موٹر کشتیاں ساحل سے جہاز تک آتی تھیں اور مسافروں کو سوار کر کے خشکی تک پہونچاتی تھیں۔ اس مرحلے میں گرنے پڑنے کے بڑے لطیفے ہوا کرتے تھے اور سامان بھی غرقاب ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت تک جدے کا ساحل اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا۔ اب جہاز بالکل خشکی سے مل کر کھڑے ہوتے ہیں اور مسافر کے قدم جہاز سے اٹھ کر زمین ہی پر پڑتے ہیں سامان بھی سیدھا جہاز سے خشکی پر لا ڈالا جاتا ہے، ڈوبتا تو نہیں ٹوٹتا پھوٹتا ہے تو اس کو کون کیا کہے۔

سامان جہاز پر چھوڑ ہم اترے۔ آرام دہ بسوں پر بیٹھے اور کسٹم ہاؤس تک چند منٹ میں پہونچا دیئے گئے۔

پچیس پچیس تیس تیس کی کھیپ پہونچ کر کسٹم ہاؤس میں فوراً قطار بنا لیتی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دم سب کسٹم افسر کے سر پر پہنچ جائیں۔ قطار بنانا تو اب معاشرت حاضرہ کا ایک معمول بن چکا ہے۔ اور "کا اول فالاول" (پہلے آنے والے کا کام پہلے) کا فرسودہ نظریہ نئی زندگی کا جزو لاینفک ہو گیا ہے جس کو توڑنے کی کوشش کرنے والا خود ہی اپنا نقصان کرتا ہے۔

ہم جب کسٹم ہاؤس میں بس سے اترے اور قطار میں لگے تو کم و بیش چھ سو آدمی عورتیں مرد، بچے، جوان، بوڑھے، ہمارے آگے قطار میں کھڑے تھے۔

آپ کہیں گے کہ اتنی لمبی قطار کے لئے کتنی بڑی جگہ درکار ہوگی۔ اور کسٹم ہاؤس کتنا وسیع ہوگا؟ وہ وسیع تو کافی ہے مگر قطاریں ایک خط مستقیم میں نہیں تھیں ایک محدود رقبے کے اندر حدوں میں پیچ کھا کر مڑ جانے والی قطاریں تھیں۔ ایسا ہوتا تھا کہ

ایک آدمی سے قطار میں جب تک وہ سیدھی ہے ہمارا فاصلہ مثلاً پچاس قدم کا تھا۔ جب قطار مڑی اور اس نے خط مستقیم کے بجائے مربع کے دو ضلعوں کی شکل اختیار کی تو جس سے پچاس قدم کا فاصلہ تھا اس سے دیکھنے میں صرف بیس قدم رہ گیا۔ مگر یہ بیس قدم طے کرکے کوئی منزل مقصود پر نہیں پہونچ سکتا۔ اس کی اجازت محافظین قطار نہیں دیتے۔ اسے پچاس قدم طے کرکے ہی اس جگہ آنا ہے جہاں پچاس قدم طے کرکے پہونچنے والا پہنچا ہے۔

ٹین کے سائبان کے نیچے ہم چیونٹیوں کی چال سے رینگ رہے تھے اپریل کے مہینے کی پانچ تاریخ ہمارے یہاں ایسی نہیں ہوتی کہ سائبان کے نیچے گرمی لگے۔ لیکن ریگستان کا موسم اور ہی کچھ ہوتا ہے۔ سائبان میں چھت کے پنکھے بڑی تعداد میں ہوا پھینک رہے تھے مگر تپش بہت سخت محسوس ہو رہی تھی اور رینگنا بہت کھل رہا تھا خدا خدا کرکے ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں تین چار تنگ راستے اس بڑے احاطے میں داخل ہونے کے بنے ہوئے تھے جہاں ہمارا سامان پہونچنے والا تھا۔ اور اس کی جانچ ہونے والی تھی۔

تنگ راستوں پر پولیس اور پاسپورٹ کا عملہ اپنی مہریں لئے کھڑا تھا۔ پہونچتے ہی پاسپورٹ دیجئے! ایک نظر میں دیکھیں گے۔ مہریں لگائیں گے اور معلم کا نام پوچھیں گے یہ سب ایک منٹ میں ہو جائے گا۔ ہم سے معلم کا نام پوچھا گیا ابھی "مولانا عبدالہادی کنڈی" کے الفاظ ہمارے منہ سے نکلے ہی تھے کہ راستے کے اختتام پر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے بڑھ کر ہمارے پاسپورٹ گویا چھین لئے۔

دیکھا تو وہ شخص تعلق ہمارے معلم عبدالہادی سکندر دتھار سامان سے اٹھا تھا

ہی چکے تھے لیجیے پاسپورٹ سے بھی ہاتھ دھولئے! تھرماس اور سادے پانی کی بوتل شانے سے لٹک رہی تھی اسی کو بغل میں دبا کر تنگ راستہ پار کر کے کسٹم ہاؤس کے بڑے احاطے میں داخل ہوئے۔ یہاں میدان بڑا وسیع تھا، اوپر بڑا سائبان نیچے پختہ زمین، اور دو ایک بڑے بڑے چبوترے بھی، ہم سے پہلے پہونچ جانے والے اس وسیع اور پختہ زمین پر چاروں طرف بڑی بے تکلفی سے بیٹھے ملے۔

ہم نے بھی بیٹھنے کی جگہ، اپنے خیال میں ایک کونے میں ڈھونڈھ نکالی مگر چشم زدن میں وہ جگہ منجدھار میں نظر آنے لگی،

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی، کھانے پینے کی فکر بھی تھی، سامان کی بھی، اور یہ بھی فکر کہ دیکھیں یہاں کسٹم کیسے ہوگا۔

جدے کا ساحل بھی تقریباً آزاد ساحل ہے یہاں کسی قسم کے سامان لانے کی ممانعت نہیں ہے صرف نشہ آور اشیا کوئی نہیں لاسکتا۔ ملکی غیر ملکی جو سامان لائے لاسکتا ہے کوئی ڈیوٹی نہیں لی جاتی!

ابھی تو صرف حاجی آئے تھے جو گھوم پھر رہے تھے سامان آیا کہاں تھا کہ اسکی جانچ پڑتال ہوتی۔

ہماری ریاست اتر پردیش کے حج ویلفیر آفیسر شیخ محمود الحسن (ریٹائرڈ ڈپٹی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ)، جو ایک مہینے قبل یہاں پہونچ چکے تھے اپنے حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے کسٹم ہاؤس میں آئے۔ یوں کسٹم ہاؤس کے اندر باہر کا کوئی آدمی نہیں آسکتا۔ شیخ صاحب کے سینے پر ایک بیج لگا ہوا تھا جو داخلے کا اجازت نامہ تھا، ان کے بڑے بھائی شیخ ظہور الحسن ہمارے ہی ساتھ جہاز سے اترے تھے۔ دونوں بھائیوں میں ملاقات ہوئی

وہیں محمود صاحب نے یہ افسوسناک خبر سنائی کہ جماعت تبلیغ کے سربراہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا لاہور میں اچانک انتقال ہوگیا۔ مولانا یوسف صاحب مرحوم کی دینی خدمات اور اس سلسلے میں ان کی ان تھک کوششوں سے وہ لوگ بھی متاثر رہے ہیں جو ان کی جماعت سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتے ہم سب کو اس سانحے کی اطلاع سے ایک دھچکا لگا۔ اس کے بعد محمود صاحب نے حرم میں غیر معمولی اژدھام کی خبر سنائی کہ طواف کرنا آسان نہیں رہا ہے اور دوسری تکلیف دہ اطلاع یہ دی کہ حرم میں دوران طواف میں حاجیوں کی جیبیں کٹ رہی ہیں۔

اور کوئی یہ اطلاع دیتا تو ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی یقین نہ آتا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں یقین کیا، ایک طرح سے تصدیق ہمیں کرنا پڑی۔

اس اثنا میں حاجیوں کا سامان آنا شروع ہوگیا اور ایک جگہ لگے ہوئے ڈھیر سے حاجی اپنا اپنا سامان نکال کر کسٹم کے لئے باقاعدگی سے رکھ رہے تھے۔

میتن میاں نے جو الگ انتظام کر لیا تھا اس کا بڑا فائدہ اب سامنے آیا جب ہمارا سارا سامان انہیں قلیوں نے ٹھیک اسی جگہ لاکر رکھ دیا جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے نہ ڈھونڈھنے کی زحمت ہوئی اور نہ ڈھونڈھ نکال کر ڈھونے کی۔

ایک نوجوان ہمارے ساتھ جہاز پر تھا، تعلیم یافتہ اور انگریزی لباس پہننے والا، جو اکثر کوئی کتاب پڑھتا جہاز پر نظر آتا تھا خیال ہوا کہ جہاز کا کوئی ملازم ہوگا فرصت کے وقت کیبن کلاسوں کے برآمدے میں بیٹھ کر کتاب دیکھتا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حج کرنے جارہا ہے اور ہماری ہی ریاست کا رہنے والا ہے بہت اپٹوڈیٹ نظر آتا تھا اس کے سفر حج سے ایک گونہ خوشی بھی ہوئی مطالعے

میں انہماک بھی پسندیدہ فعل تھا ۔ سامان اس کے پاس ہوائی جہاز کے مسافروں سے بھی کم صرف ایک سوٹ کیس لیکن خدا جانے کیا تھا کہ کسٹم آفیسر نے اس کا پورا سوٹ کیس زمین میں پلٹوا کر اس کی ایک ایک چیز خوب غور و خوض سے دیکھی دواؤں کی شیشیاں خاص طور پر جانچیں ہمیں ذرا برا بھی لگا کہ جس نوجوان کی اس مبارک سفر پر حوصلہ افزائی کرنا چاہیے تھی اس کی اس طرح بے عزتی ہو رہی ہے بعد میں یعنی واپسی پر جہاز کے عملے سے معلوم ہوا کہ (اسی جہاز سے وہ ہم لوگوں کے ساتھ گیا تھا) کہ وہ نشے کا عادی تھا اور ہر وقت گھٹیا ناولیں پڑھا کرتا تھا ۔ حتیٰ کہ احرام پوش ہونے کے بعد بھی ناول بینی سے باز نہیں رہا ۔

اگرچہ حاجیوں کے جہاز پر شراب کا دور دور تذکرہ نہیں ہوتا لیکن جہاز کے نچلے عملے کے غیر مسلم ملازمین خلاصی وغیرہ کے ذریعہ ایسی ضرورت پوری کرلی جاتی ہے اس نوجوان نے یہی راہ پائی تھی ۔ اندازہ ہوا کہ کسٹم افسر نے اس کی دواؤں کی جانچ غیر معمولی طور پر کیوں کی تھی کیسے سمجھدار اور تاڑ لینے والے ہوتے ہیں یہ کسٹم آفیسر اسی کو دھر لاما اس کی جی بھر کے تلاشی لی ۔

ہم اپنے سامان کے پاس کسٹم آفیسر کے انتظار میں کھڑے تھے کہ نظر پڑی ہمارے سفیر مقیم جدہ مسٹر رحمت کامل قدوائی (جنھیں ہم مدبھائی کہتے ہیں) ہندستان کے قومی لباس شیروانی چوڑی دار پائجامہ اور ٹوپی پہنے حاجیوں کے درمیان سے ٹہلتے ہوئے ہماری طرف آرہے ہیں ۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

انھوں نے خیر سلا پوچھنے کے بعد کہا کہ میں ابھی جا کر موٹر واپس بھیجتا ہوں تم لوگ کسٹم ہو جانے کے بعد ہمارے یہاں چلے آنا۔

اتنے میں کسٹم آفیسر بھی جا بہنے عقال باندھے سگریٹ پیتا ہمارے سامان کی طرف آ گیا۔ کیا دیکھا کیا نہیں دیکھا اور کیا دیکھنا چاہتا تھا یہ سب اسی کو معلوم ہو گا شاید دس بارہ منٹ لگے ہوں گے کہ ہماری گلو خلاصی ہو گئی اور ہم لوگ سامان وہیں چھوڑ کر باہر آ گئے سامان ہمارے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔ سب حاجیوں کا سامان پھر اسی طرح ٹرکوں میں لاد کر حجاج منزل رحاجیوں کی قیام گاہ) کے سامنے سڑک پر ڈلوا دیا جائے گا جہاں سے آپ خود اپنا سامان نکالیے گا۔

ہم لوگ مدد بھائی کے گھر پہونچے منہ ہاتھ دھویا۔ کھانا کھایا۔ یہاں ہمارے ایک محترم میاں سید محمد یوسف مہاراج اجمیری ملے ان کے ساتھ فوراً ہی سامان تلاش کرنے حجاج منزل آئے۔

اب ان صاحب کی بھی تلاش ہوئی جنھوں نے کسٹم ہاؤس میں ہم لوگوں کے پاسپورٹ لے لئے تھے۔ وہ معلم تو نہ تھے معلم کے وکیل تھے۔ مولانا عبدالہادی سکندر یا کسی دوسرے معلم کے جتنے حاجی آئے ان کے وکیلوں نے ان کے پاسپورٹ لے لئے تھے حجاج منزل میں سودی حکومت کا دفتر ہے جہاں پاسپورٹ کے اندراجات ہوتے ہیں وکیلوں نے اندراجات کرائے ہم نے اپنے ڈرافٹ وہیں کھنوائے سامان اکٹھا کیا یعنی سڑک کے کنارے یکجا کر دیا۔

یہاں جدے میں ہمارے بعض اعزا رہتے ہیں۔ حکیم داج الحق صاحب مرحوم

فرنگی محل کے نواسے مصطفےٰ علی قدوائی مظفر علی قدوائی مجتبیٰ علی قدوائی اور ناظر علی قدوائی ان کا گھر حجاج منزل سے بہت قریب تھا ٹہلتے ہوئے وہاں بھی گئے۔

ایک رات قبل آنے والے اسلامی جہاز کے حاجیوں کے پاسپورٹوں کا اندراج ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ ہماری باری اور بعد میں آنے والی تھی لیکن ہمارے معلم کے ایک صاحبزادے عبد الودود کی کوشش اور ہمارے سفارت خانے کے ایک سکریٹری مسٹر سراج الحق کی توجہ سے ۸ بجے رات تک ہمارے پاسپورٹ اندراجات کے بعد ہمیں واپس مل گئے اور معلم کی فیس اور جدہ سے مکہ معظمہ تک سرکاری بس پر جانے کا کرایہ داخل کر کے ہم نے "تنازل" لے لیا۔

تنازل کا مطلب یہ کہ ہم سرکاری مطالبات ادا کرنے کے بعد بھی سرکاری گاڑی سے جانا نہیں چاہتے۔ اجازت دیجئے کہ ہم اپنی گاڑی الگ کر کے چلے جائیں۔ یہ اجازت نامہ بھی مل گیا۔ دس پانچ آدمیوں کی ایک ٹیکسی چالیس ریال میں مکہ معظمہ کے لئے کی سب سامان اس میں سما گیا اور آرام سے بیٹھ کر ہم لوگ مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ہمارے پاسپورٹ اور اجازت نامے ہمارے ڈرائیور کے پاس رہے وہ ہر ہر چوکی پر اتر کر ان پر مہریں لگواتا رہا۔

اپنی گھڑی کے حساب سے ہم لوگ رات کے ۱۱ بجے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے سامان پوہرہ رباط میں رکھوا کر عمرہ کرنے اپنے معلم کے ایک مددگار کے ساتھ حرم محترم کی طرف چل دیئے ابھی تک ایسا کوئی قوی احساس ہم میں سے کسی کو نہیں ہو پایا کہ ہم اپنی خوش قسمتی سے کہاں سے کہاں آ گئے ؎

میں اور حظِ وصل بخدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

حرم کعبہ میں

سرزمین حجاز میں پہلی منزل جدہ تھی اور دوسری منزل مکہ معظمہ جدے کے بارے میں ہم جانتے تھے کہ اسلام اور آغاز اسلام کی تاریخ سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں رہا ہے یہ بھی ثابت نہیں کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک قدموں سے جدے کی زمین کبھی مشرف ہوئی ہے۔ اس لئے جدے پہونچ کر بھی کسی خاص قسم کا جذباتی اثر طبیعت نے محسوس نہیں کیا۔ اس کے برعکس یہاں کی عالی شان اور سربفلک عمارتوں کو دیکھ کر یہ امتیاز کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ وہی سرزمین حجاز ہے جو تصورات کی دنیا میں بسی تھی یا مغرب کے متمدن ترین ملکوں کا کوئی خطہ۔

اگلی منزل کے لئے جب جدے سے روانہ ہوئے تو تصورات اور خیالات کا ایک ہجوم ساتھ ساتھ تھا ــــ کہ معظمہ، پیغمبر اسلامؐ کا مولد ومنشا پیغام خداوندی کا مہبط اولین تبلیغ اسلام کا نقطۂ آغاز اور جاہلیت کی تاریکی میں منارۂ حق وعرفان! اسلام کے ماننے والے کی حیثیت سے شدید قسم کا جذباتی اتار چڑھاؤ اور تاریخ اسلام کے طالب علم کی حیثیت سے ان مقامات کو جاننے اور دیکھنے کا شوق بے پایاں جن کا ذکر تاریخ اسلام میں بار بار پڑھا ہو

حاوی سا ہو گیا تھا۔

اپنی گھڑی کے حساب سے ۵ اپریل کی رات کو ۸ بجے ہماری ٹیکسی جدّے سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ ہم تہبند اور تولئے میں ملبوس فریادی یا قصوروار کی طرح "مالک! تیرے دربار میں غلام حاضر ہے" (لبیک اللھم لبیک) کہتے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور جدّے سے مکّے تک تقریباً ۵۴ میل لمبی سڑک کی دور دیہ بجلی کی روشنی نے ایسا چوندھیا رکھا تھا کہ سوائے اس سڑک کے، اور ایسی سڑکیں ہزاروں بار دیکھی ہیں ـــ اور کوئی چیز بھی دائیں بائیں نظر نہیں آ رہی تھیں، وہ اہم تاریخی مقام جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے دس سال کے لئے نا جنگ معاہدہ کیا تھا اور یہ معاہدہ اسلام کی تاریخ ترقی کا ایک اہم باب ہے جدے اور مکے کی راہ میں مکے کے قریب پڑتا تھا ہماری خیرہ نگاہی اس پر بھی نگاہ ڈالنے سے بھی قاصر رہی۔ اب تو اس تاریخی مقام "حدیبیہ" کا نام تک بدل چکا ہے!

راستے کے گہرے سناٹے کے سکوت کو صرف موٹروں کی صدائیں توڑتی نظر آ رہی تھیں یا کبھی کبھی خود اپنی یہ صدا "مالک! تیرے دربار میں غلام حاضر ہے" ؎

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

ہمت اگر ساتھ دیتی تو اس دشت جنوں پرور کے ذروں کو سرمۂ چشم بنانے کے لئے موٹر چھوڑ کر پا پیادہ چلتے ہیں لیکن ؎

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی

ریگستانی سرزمین کہتے ہیں سرزمین حجاز کو، جہاں سب سے مناسب اور بہتر سواری اونٹ کی ہوتی ہے لیکن ہم جس راہ سے گزر رہے تھے وہ ایسی صاف شفاف تھی کہ ریت کا ایک ذرہ بھی وہاں ڈھونڈے نہ ملتا تھا تو پھر اونٹ کہاں سے نظر آتا ۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس پورے سفر میں اونٹ کو چلتا پھرتا کہیں نہیں دیکھا البتہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں کہیں کہیں اونٹ کے ڈھانچے پڑے ملے ۔

وہ مقام جہاں سے حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں اس طرح گزرا کہ اگر ڈرائیور نہ بتا دیتا تو اس سے بھی ناواقف نکل جاتے ۔

۷۵ میل کی مسافت موٹر کے لئے وہ بھی عرب موٹر ڈرائیور کے لئے ایسے زمانے میں جبکہ ان کو منہ مانگے دام مل رہے ہوں اور وہ ایک کو اتار دوسرے کو چڑھا کی بھاگ دوڑ میں حج کے یہ دو تین مہینے گزارتے ہوں کیا مسافت ہو سکتی تھی گھنٹہ بھر میں پہونچا سکتا تھا ہمارا ڈرائیور جس رفتار سے وہ لے جا رہا تھا ـــــ وہ تو بیچ بیچ چوکیوں پر پاسپورٹ ویزا اور منازل وغیرہ کی جانچ کرانے کے لئے ٹھہرنا پڑتا تھا اور یہ جانچ کرانا ڈرائیور کے فرائض میں تھا مسافروں کی ذمہ داری نہیں تھی ۔ وہ بار بار موٹر روکتا اور دوڑتا ہوا افسر کے پاس جاتا اندراجات کراتا، پھر بھاگتا ہوا آتا اور موٹر اسٹارٹ کر کے فراٹے بھرنے لگتا ۔

مکہ معظمہ ـــــ شہر امن و امان ـــــ البلد الامین ـــ کی روشنیاں بھی نظر آنے لگیں، خدا کا گھر بہت قریب آ گیا اور خدا کے بندے جو اسی گھر کے گرد دیوانہ وار گھومنے کے لئے آئے ہیں کیا اس گھر سے یا اس سے جس سے یہ گھر منسوب ہے کچھ قریب ہوئے ؟ بظاہر ضرور! اس لئے کہ ہماری لباس تو زیب تن کئے ہوئے ہیں یہ لباس بظاہر دلیل ہے کہ

حاضری دربار کے آداب بھی پوری طرح پیش نگاہ ہوں گے۔ اپنے حال پر نظر کی تو اطمینان ہوا کہ ہم تو ابھی اپنے گھر اور اہل و عیال ہی سے قریب ہیں جدے پہونچ کر جب ہمیں اہل سے کوئی خط نہیں ملا اور مینی میں بھی نہیں ملا تو طبیعت خاصی فکر مند ہو گئی۔ یہ فکر جدے سے مکہ معظمہ تک ہم سے چمٹی رہی۔ پھر یہ فکر کہ کے پہونچ کر رات کے کھانے کا کیا ہوگا رہ رہ کر جاگ اٹھتی تھی۔

شہر میں داخل ہوئے تو رات کے ۱۱ بجے ہوں گے۔ ہر طرف سوتا پڑا تھا اور شہر۔ وہی مانوس سڑکیں وہی جانی پہچانی عمارتیں وہی سڑکوں کے دونوں طرف بجلی کے کھمبے اور ان میں رنگیں روشنیاں!

موٹر پوہرہ رباط کے پھاٹک پر رکی ہمارے معلم مولانا عبدالہادی سکندر پہونچنے کی اطلاع پاکر فوراً ہی آئے پاس ہی ان کا گھر تھا ان کے ساتھ ان کا ایک نوجوان رشتہ دار بھی تھا اس نوجوان کے ساتھ ہم لوگ سامان رکھا کر حرم محترم کی طرف روانہ ہو گئے کہ پہلے "عمرہ (جسے عام زبان میں "چھوٹا حج" کہتے ہیں) اور کے احرام سے باہر ہو لیں تب قیام و طعام کی طرف اطمینان سے توجہ کریں گے

وضو کر کے حرم محترم میں اس دروازے سے داخل ہوئے جدھر سے عمرہ کرنے والے داخل ہوتے ہیں۔

پہلے شاید دور ہی سے خانہ کعبہ کا جلوہ نظر آجاتا تھا اب حرم کی نئی عمارت جو مرحوم شاہ سعود کی توجہ سے بنی ہے اتنی اونچی ہے کہ اندر داخل ہونے سے پہلے جمال کعبہ نظر نہیں آپاتا اندر پہونچے اور خانہ کعبہ کا دیدار ہوا بس ایسا محسوس ہوا کہ اپنے آپ میں نہیں رہے بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ کوئی پوچھ بیٹھتا کہ کیوں؟ تو ہمارے پاس کوئی جواب

نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ کسی بھی استفسار کا جواب ہمیں یاد نہیں پڑ رہا تھا۔ نوجوان ہمیں طواف کی دعائیں پڑھا رہا تھا۔ وہ بلند آواز سے ایک جملہ کہتا ہم اسی کو بلند آواز سے دہرا دیتے یہ احساس بھی نہ تھا کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ بے خودی اور بے خبری کا ایسا سخت تجربہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا عربی زبان میں دعائیں تھیں۔ جدید عربی ہم سمجھ نہ پائیں مگر ان دعاؤں کی قدیم عربی تو ہماری سمجھ سے باہر نہ تھی مگر سمجھ اس وقت ہمارا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ جہاز پر حج اور عمرے کے مسائل پوچھنے والوں کو بتانے والا اس وقت اپنے کو بالکل کورا پا رہا تھا اور ایک طفل مکتب کی طرح نوجوان معلم کے دئے ہوئے سبق کو بس دہرا تا جاتا تھا۔

جوں ہی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

خانہ کعبہ کی پہلی زیارت تھی، جو از خود رفتگی کے عالم میں ہو رہی تھی، اس گھر کے گرد سات بار گھومے، نوجوان معلم کی ہدایت پر طواف کر کے صفا اور مروہ کی سعی کے لئے چلے یہاں بھی نوجوان سبق کی طرح دعائیں پڑھا رہا تھا اور ہم دہرا رہے تھے سات بار سعی بھی کر لی، ہاں زمزم کے کنوئیں کی تلاش میں گئے تو وہاں "ٹوب ویل" نظر آیا جس سے فوارے چھوٹ رہے تھے اور کئی عدد بیسن لگے ہوئے تھے جن کی ٹونٹیاں کھولئے اور آب زمزم پینے کی سنت ادا کر لیجئے۔

بہر حال طواف و سعی کے بعد قصر (بالوں کو چھوٹا) کرا لیا۔ لیجئے احرام سے باہر ہو گئے۔ اب اپنے وہ کپڑے پہن سکتے ہیں جن کے آپ عادی ہیں۔ صفا مروہ کے باہر ہی کئی آدمی بڑی بڑی قینچیاں لئے کھڑے تھے ایک ریال لے کر انھوں نے قصر کے مرحلے سے بھی پار لگا دیا۔

قیام گاہ پر واپس آئے تو اپنی گھڑی سے رات کا ایک بج چکا تھا۔ اب کھانے پینے کا کیا سوال اور کپڑے بدلنے کا کیا موقعہ۔ رات ریگستان کی رات تھی جتنا اس کا دن گرم ہوتا ہے اتنی ہی اس کی رات ٹھنڈی ہوتی ہے کمرے کے اندر دروازہ بند کرکے اپریل کی پانچ تاریخ ہم لیٹے تو اوڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی وہی تولیہ اوڑھ لیا جو احرام کا تھا اور وہی تہبند باندھے سو گئے۔

دوسرے دن منگل ۶ر اپریل کو ہمارے حساب سے ذی الحجہ کی دوسری یا تیسری تاریخ تھی لیکن مکہ معظمہ میں ۴ر ذی الحجہ تھی۔

معلوم ہوا کہ سعودی حکومت کے منظور کردہ کلنڈر ہی سے یہاں کاروبار چلتا ہے چاہے رویت کچھ بھی ہو۔ اس دفعہ چاند کی تاریخ نے وہاں اچھا خاصا ادھم مچا رکھا تھا۔ سعودی عرب میں ذی قعدہ کی ۲۹ر کو چاند ہوتا یا ۳۰ر کو ہوتا ۶ر اپریل کو ۴ر ذی الحجہ نہ ہوتی وہاں اس دفعہ ذی قعدہ کو ۲۸ دن کا بنا لیا گیا اور اعلان ہوا کہ اتوار ۱۱ر اپریل کو یوم حج (عرفے کا دن یعنی ۹ر ذی الحجہ) ہے۔

عربی مہینہ ۲۸ دن کا کر دیے جانے سے لوگوں میں بڑا ہیجان تھا۔ ایک دن حرم شریف میں مغرب کی نماز کے پہلے ایک صاحب عربی میں بڑا غصہ گرمی کر رہے تھے کہ یہ ناجائز ہے حج یا جمعہ کو ہونا چاہیے یا سنیچر کو۔ حکومت نے بالکل غلط اعلان کیا کہ اتوار کو حج ہے اس کی مخالفت کرنا چاہیے۔ وہ غالباً ہندستانی تھے عرب لباس میں۔

کسی نے ان کی بات نہ مانی اور سب نے اتوار کو حج کیا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ جو دن امیر الحج یا حاکم وقت حج کے لئے مقرر کر دے وہی اصل دن ہے چاہے رویت اس کے خلاف ہو

لطف یہ کہ اتوار (۱۱ اپریل) کو ۹ ذی الحجہ مان کر پورا مہینہ گزار تو لیا لیکن جب محرم کا مہینہ شروع ہوا تو عربی اور انگریزی مہینوں کی تاریخوں میں دو دن کا فرق تھا وہ زن سے غائب ہوگیا۔ یعنی جمعہ ۳۰ اپریل کو ۲۰ ذی الحجہ تھی اور سنیچر کو پہلی مئی اور ۲۹ ذی الحجہ مگر معلوم ہوا (اس تاریخ کو ہم مدینہ شریف میں تھے) کہ پہلی مئی مطابق ہے پہلی محرم کے ۲۹ ذی الحجہ بیچ سے تداراد ہوگیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ چاند دیکھنے کا رواج یہاں سے اٹھ ہی گیا ہے بس کلنڈر کے مطابق کام ہوتا ہے۔ یہ حیرت انگیز اور بڑی حد تک تکلیف دہ انکشاف کہاں ہوا؟ مکہ معظمہ میں اب دنیا کے مرکز؟ نہیں دین کے مرکز میں! انگریزی حکومت میں؟ نہیں خالص عربی اسلامی حکومت میں! یہاں بھی شرع سے زیادہ دنیادی دستور اگر رائج ہے تو شاعر کا یہ اندیشہ کیا غلط کہلائے گا۔

خدا کے واسطے پردہ، نہ کعبہ سے اٹھا ظالم
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

یہاں بہت سے حضرات و احباب مل گئے جو ہوائی جہاز سے آگئے تھے۔ شیخ ظہیر حسین (رکاب گنج) سید اکرام احمد (لاٹوش روڈ) سعید المظفر، چودھری عظیم الدین اشرف (یارہ بنکی) مولانا مفتی محمد عتیق فرنگی محلی۔ مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور بہت سے حضرات ہمیں مولانا [illegible] کے پاس فوراً جانا تھا کہ ان سے شیخ التبلیغ مولانا محمد یوسف مرحوم کی تعزیت کریں۔ معلوم ہوا وہ بہت ہی قریب فندق عرفات میں مقیم ہیں یہ ہمارے [illegible] دوست، مولانا عبداللہ العباس ندوی کی قیام گاہ تھی، نہیں سکے

مہمان علی میاں اور منظور صاحب تھے، یہ دس منزلہ عمارت تھی پانچویں منزل میں ایک فلیٹ عباس صاحب کے پاس تھا وہ بہار، رابطہ عالم اسلامی میں ملازم ہیں اور مع اہل وعیال مقیم ہیں

علی میاں سے ملاقات کے بعد ہمیں اپنی قیام گاہ کی اہمیت کا اندازہ ہوا علی میاں کی قیام گاہ والی عمارت دس منزلہ تھی جس میں چار لفٹ آنے جانے کے لئے لگے ہوئے تھے، دس منزلوں میں ملاکر کئی سو حاجی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں لکھنؤ کے حاجی فقیر محمد صاحب بھی تھے سعید الظفر اور ان کے چھوٹے بھائی رشید الظفر بھی۔

ان سب کی مصیبت یہ تھی کہ نماز کے اوقات میں جب سب حاجی حرم جانے کے لیے نکلتے تھے تو لفٹ پر ایک لمبی قطار بن جاتی تھی۔ کم وبیش آدھ گھنٹہ ہر ایک کو نیچے اترنے میں لگتا تھا اس کا مطلب یہ کہ نماز کے لئے ان کی تیاریاں کم از کم ایک گھنٹہ پہلے شروع ہوجاتی تھیں، پھر بھی اندیشہ رہتا تھا کہ اگر قطار میں ایسی جگہ ملی کہ سب سے آخر میں اترے اور حرم شریف تک جاتے جاتے نماز ہوگئی تو؟

پھر یہاں کے فلیٹ ایک ایک ہزار ریال اور بارہ بارہ سو ریال پر ایک مہینہ کے لئے حاجی صاحب اور سعید الظفر وغیرہ نے لیے تھے۔ اتنا گراں کرایہ پھر جماعت رہ جانے کا اندیشہ مزید۔

ہماری قیام گاہ بومرہ رباط۔ بہتر ثابت ہوئی دو منزلہ ہوٹل نما عمارت اذان کی آواز سنی، وضو کیا، جا نماز گردن سے بیٹی یا کندھے پر ڈالی اور تین منٹ میں حرم شریف کے اندر پہونچ گئے۔

اور احباب کرائے کے قدیم مکانات میں تھے حرم شریف سے قریب مکانوں

کا کرایہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے پھر بھی قدیم مکانوں کا کرایہ تین چار سو ریال سے
زیادہ شاید کسی نے نہیں دیا مگر بارہ بارہ سو ریال کے فلیٹ سے زیادہ آسانی
حرم میں پہونچنے کی انھیں حاصل رہی۔

مولانا محمد منظور نعمانی جن کا شاید یہ تیسرا چوتھا حج تھا کہنے لگے جس تیزی
سے پرانے مکانات کھدر ہے ہیں اور ان کی جگہ نئی کئی کئی منزلہ عمارتیں بن رہی
ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ چند برسوں میں غریب حاجیوں کے
لئے قیام کی کتنی مشکل ہو جائے گی۔

ظاہر ہے جب نئی اور جدید ضروریات پوری کرنے والی عمارتیں ہوں گی تو
ان کے کرائے بھی لمبے ہوں گے، عام حاجی کی حیثیت سے باہر۔

مرزا غالب نے نہ معلوم کس کیفیت اور کس نفسیاتی کش مکش سے مجبور ہو کر کہا تھا ؎

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

حدود حرم میں پہنچ کر اور مغربی ملکوں کے تمام کلیسائی انداز کو اپنے چاروں
طرف دیکھ کر یہ شعر ایک طرح سے واقعاتی کش مکش کا آئینہ دار بن گیا۔

ایک رات قبل مکہ معظمہ پہنچ کر فوراً ہی عمرے کے لئے جب خانہ کعبہ کی زیارت
کی تھی تو اس زیارت کی حیثیت بلا شبہ صرف رونمائی کی تھی اس حالت میں کہ دیدار
کا حق آنکھوں سے ادا نہ ہو پایا ؎

اللہ اللہ ترے آتے ہی اشکوں کا ہجوم
حسرت دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے

رونمائی کعبہ کے بعد واپس ہوئے تو آٹھ دس دن کے بعد پہلی رات آرام سے سونے کو ملی تھی تھکے تھکائے تھے ہی، رات گئے جو سوئے تو دن چڑھے اٹھنا نصیب ہوا صاف لفظوں میں یہ کہ پانچوں وقت جو یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھا کرے کہ "منہ میرا طرف کعبہ شریف کے" وہ آج مجسم ہو کر کعبہ شریف کا سامنا کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہے مگر پہلی ہی نماز فجر نہ صرف یہ کہ حضوری کعبہ میں جماعت سے ادا نہ ہو پائی بلکہ سرے سے قضا ہی ہو گئی۔

دیر ہی سے اٹھے تھے مگر کھانے پینے کے انتظامات کی طرف توجہ کرنا تو بہرحال لازمی تھا۔ بوہرہ رباط میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے دونوں وقت ضیافت بھی رباط کے منتظمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم نے اور ہماری طرح کے دوسرے غیر بوہرہ "مقیمان رباط" نے اس حد تک اپنا بار ڈالنا گوارا نہ کیا اور ہمارے ایسوں نے بلطائف الحیل منتظمین کی اس پیش کش کو کہ دونوں وقت کتنے آدمیوں کا کھانا بھیجا جائے قبول کرنے سے معذرت چاہ لی۔ اتفاق سے معذرت کی مجال کافی وسیع تھی۔ بوہرہ فرقے کے جو ایک ہزار سے زیادہ حاجی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے وہ سب گجرات کے تھے انکا ذوق ہمارے مذاق سے یکسر مختلف بھاران کے یہاں دو وقت کھانا دن کے ۱۲ بجے صبح اور رات ۹ بجے شام کو (ہماری گھڑی کے اعتبار سے) ہوتا تھا جو ہمارے معمول اور عادت کے بالکل برعکس تھا!

راشن ہم اپنے ملک سے لائے تھے، دالیں۔ گیہوں۔ چاول اور شکر تو کس معتدبہ مقدار میں، اندازہ ہوا کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے یہ بے جا زحمت ہم نے برداشت کی! گیہوں کو آٹا کرانا یہاں جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، پھر یہ چپاتیاں کھانے کے لئے

بورا باورچی خانہ کون چالو کر سکتا تھا۔

پہلا مرحلہ صبح کی چائے ناشتے کا تھا، ہم تو پانچ بازار میں ٹھہرے ہوئے تھے بیتین میاں لپک کر بازار گئے۔ چائے کا بنڈل منجمد دودھ کے ڈبے انڈے نان یا ڈبل قسم کی روٹی وغیرہ خرید لائے اسٹوو اور مٹی کے تیل کا چولھا بھی خریدا جا چکا تھا اپنی قیام گاہ کے کمرے میں جو دو حصوں اور غسل خانے پر مشتمل تھا ناشتہ ہماری ممانی نے ان برتنوں میں تیار کر لیا جنھیں وہ اپنے ساتھ بڑے اہتمام سے لائی تھیں۔ طے پایا کہ اسی وقت دوپہر کے کھانے کا انتظام بھی ہو جائے۔ کچھ ترکاری (ہر قسم کی ترکاری وہاں بآسانی مل رہی تھی) چاول اور دال پکیں چائے روٹیاں بازار سے آ جایا کریں گی، پھر یہی معمول مکۂ معظمہ کے قیام کے دوران رہا بابا ـــــــ کوئی چاہے تو پکا پکایا ہندستانی کھانا بھی دو ریال فی کس دیگر ہندستانی پاکستانی ہوٹلوں سے منگا سکتا ہے روٹی (چپاتی)، دال سالن چاول وغیرہ لیکن ہمیں خاص کر مجھ کو عربی گوشت سے کچھ احتیاط مدنظر تھی، پرانی پیچش کے مریض کے لئے یہ پرہیز ناگزیر ہے۔ اونٹ کا گوشت شاید پیچش زدہ آنتیں گراں سمجھیں گی اور بکری وغیرہ کا گوشت یہاں عام طور پر مسہل سمجھا جاتا ہے یعنی پتلی اجابتیں ہونے لگتی ہیں وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دست آور دوا سنا کی پتیاں یہاں کی بکریاں کھاتی رہتی ہیں ہمارے یہاں شدید قبض میں برگ سناء دی جاتی ہے اگر ایسے گوشت کو ہم استعمال کرتے تو اندیشہ تھا کہ اسہال میں مبتلا نہ ہو جائیں کھانے کے انتظامات سے یکسو ہو کر اب زیارت خانۂ کعبہ کے لئے جانا تھا، احرام میں نہیں اپنے عام لباس میں تیار ہو کر اس طرف چلے جس طرف پانچ وقت منہ کرنے کا حکم ہے۔ ہماری گھڑی سے نو بجے دن کا وقت ہوگا۔ یہ کسی نماز کا وقت نہ تھا، اس لئے حرم میں کوئی خاص ہجوم بھی نہ تھا، دھوپ تیز ہو چکی تھی۔ پھر بھی طواف کعبہ کا سلسلہ

اسی دھوپ میں جاری تھا۔

یہ عجیب بات سننے میں آئی کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹے میں ایک منٹ بھی ایسا نہیں گزرتا جب خانۂ کعبہ طواف کرنے والوں سے خالی ہو۔ اور پورے سال بھر کے لئے یہ دعویٰ ہے۔ ہمیں سال بھر رہنے کی توفیق کہاں نصیب کہ اس دعویٰ کو مشاہدے سے ہم آہنگ بنا لیتے جتنے دن جوار کعبہ میں رہے ایک وقت بھی (اور ہر وقت جا کر دیکھ لیا) طواف کرنے والوں سے کعبہ کو خالی نہ پایا۔ بہتوں کو تو لگاتار طواف کرتے دیکھا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر بس دیوانہ وار گھوم رہے ہیں ؎

احترام حرم آں نہ بشدند
جز در دکشان لا ابالی

یہ لا ابالی پن طواف کرنے میں ایسا طاری ہوتا ہے کہ اپنی رو میں پھر شاذ ہی کسی کو نہیں سمجھتے خاص کر وہ معذور اور ضعیف طواف کرنے والے جو اپنے پیروں سے نہیں بلکہ کھٹولے پر بیٹھ کر کرایہ کے مزدوروں کے ذریعہ طواف کرتے ہیں طواف کرانے والے بدو "شی شی" کہتے (یعنی ہٹو بچو) کھٹولہ سر پر لئے اس زور سے گزرتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط مجمع کی دیوار کائی کی طرح پھٹ جاتی ہے۔

بڑی مشکل اس وقت ہوتی ہے جب ایک مطوف کے ساتھ پورا ایک گروہ فریضۂ طواف ادا کرنے کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ مطوف زور زور سے دعا پڑھتا ہے اور اس کو پورا گروہ دہراتا ہے۔ اب اگر کھٹولے بازوں کی دخل اندازی سے گروہ تتر بتر ہو گیا تو پھر اس کا یکجا ہونا کارے دارد۔

ہم پانچ نفر، امی پھوپھو جان ممانی متین میاں اور میں ہر بار یہ تہیہ کر کے طواف

شروع کرتے تھے کہ ہم دو مرد تینوں خواتین کو الگ نہ ہونے دیں گے گر قسم لے لیجئے جو ایک بار بھی تہیہ پورا کر پائے ہوں اتنا ضرور ہوا کہ امی کا ہاتھ ہم نے اور پھوپھو جان کا برقعہ انھوں نے اکثر و بیشتر نہیں چھوڑا پھر بھی "اکثر و بیشتر" تک ہم کامیاب ہو پائے۔

نو بجے دن کو تیز دھوپ میں بھی طواف ہو رہا تھا۔ ہم نے بھی ایک آدھ دفعہ [illegible] تمازت جھیل لی پھر طواف کا وقت سہ پہر کے بعد سے رات گئے تک مقرر کر لیا باقی وقت حاضری حرم میں قرآن شریف پڑھنا جو ہزاروں کی تعداد میں وہاں موجود رہتے ہیں۔ سب سے سہل عبادت ہے یا پھر سائے میں بیٹھ کر ٹکٹکی لگائے جمال کعبہ کو دیکھنا اس لئے کہ یہ بھی منجملہ عبادات ہے۔

لیکن یہ باقی وقت کی خوب رہی نماز پنجگانہ کے اوقات ہی میں پابندی کے ساتھ حرم میں حاضری نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے!! ورنہ کشش اور دل آویزی ساری کی ساری تو مکہ کے ولائتی مال سے بھرے ہوئے بازاروں میں دھری تھی، دن کو بازار میں گھومنے کے لئے ایک چھتری ہاتھ میں اور حسب حیثیت ریال جیب میں ہونا کافی ہے پھر دھوپ بھی نہیں ستائے گی، کیا آپ خریدنا چاہتے ہیں جو آپ کو یہاں نہیں مل سکتا؟

اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے سستی سے سستی اور قیمتی سے قیمتی گھڑیاں ہر قسم کے ٹرانسسٹر کیمرے ریڈی میڈ کپڑے۔ ٹائیاں الیکٹرک شیور ست، ٹرالین کی قمیص اور بش شرٹ عمدہ عمدہ کمانیاں عینک کی، سگریٹ کیس، لائٹر، ڈنسا بندوق۔ ناؤن ٹن پن، کیبل جدھر رخ کیجئے بس یہی محسوس ہوتا تھا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

وہی چار اللہ کے بندے ایسے نکلیں تو نکلیں جو دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہوں کہ

بغل میں لے کے یوسف کو اکیلے وال سے گزرا ہیں
قدم رکھتے ہوئے جس راستہ میں کارواں گھٹکا

جیبوں پر وہ لوٹ پڑتی دکھائی دیتی تھی کہ اللہ کی پناہ!

ہماری حکومت نے حاجیوں کو ایک وہ رعایت دی ہے جو کسی بھی غیر ملک کے ہندوستانی مسافر کو نہیں حاصل ہے، یعنی غیر ملکوں کی سیاحت سے واپس آنے والا ہندوستانی کوئی بدیشی مال اپنے ساتھ نہیں لا سکتا جب تک کہ اس غیر ملک میں کافی عرصہ قیام پذیر نہ رہ چکا ہو اور اس کا ثبوت نہ پیش کرے کہ یہ چیزیں اس نے اپنے استعمال کے لئے وہاں دوران قیام میں خریدی ہیں۔ لیکن حاجیوں کے ساتھ رعایت ہے کہ وہ مجموعی طور پر پانچ سو روپیہ کی سوغات اپنے ساتھ حجاز سے لا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی ایک سوغات پچھتر روپے سے زیادہ کی نہ ہو۔ زیادہ کی ہوئی تو کسٹم ڈیوٹی ادا کرنا پڑے گی۔ وہاں کی خریدی ہوئی چیزیں کسٹم ڈیوٹی ادا کرنے کے بعد بھی یہاں سستی پڑتی ہیں۔

ان حالات میں بڑا مشکل ہے اپنے کو قابو میں رکھنا ؎

گر ہے یہی بہار کی شورش تو ناصحا!
مجھ سے نہ ہو سکے گی گریباں کی احتیاط!!

واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے شاید ہی کوئی ایک اپنے گریباں کی احتیاط کی کوشش میں پورا پورا کامیاب ہوا ہو۔

پھر محتاط طبیعتوں کو لیشھدوا منافع لھم ؓ کی آیت میں "منافع" حاصل کرنے کا جواز بھی تو مل جاتا ہے۔

کیا کچھ بہت زیادہ عجیب ہے یہ استدلال کہ دینی فائدوں کو جو حج کا اصل مدعا ہیں ضرر پہنچائے بغیر اگر دنیاوی فائدوں سے بھی جائز طور پر "منافع" حاصل کر لیا جائے، لیکن یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں جو اپنے دل پر پورا پورا قابو رکھتے ہیں ؎

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا!

عام آدمیوں کے لئے ایک ساتھ دو طرح کا منافع حاصل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب دو طرح کے دل بھی ان کے ساتھ ہوں اور ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ (خدا نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے)

دنیا بھر پر جو یہ "ذوق آرائش سرودستار" کا بھوت سوار ہے یہ کمبخت حدود حرم میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔

خیر اپنی رسوائیوں کی تشہیر کہاں تک کی جائے۔ مختصر یہ کہ ہمیں مکہ معظمہ میں حج کے انتظار میں ابھی چار دن منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ (۴، ۵، ۶، ۷؍ ذی الحجہ مطابق ۶، ۷، ۸، ۹؍ اپریل) ٹھہرنا تھا اور اپنے معلم صاحب کے ذریعہ منیٰ اور عرفات میں قیام کا بندوبست کرنا تھا

یہ چار یا پانچ دن مکہ معظمہ میں ہجوم اور اژدحام کے عروج کے ہوتے ہیں دنیا بھر سے آئے ہوئے حاجی جو ابھی تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بٹے ہوئے تھے ان سب چند دنوں میں مکہ معظمہ میں یکجا ہو گئے ہیں۔ وہ چہل پہل اللہ کے گھر میں نظر آتی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ معلوم کہاں کہاں کے لوگ اور ان ہی کے درمیان اپنے بہت سے ملاقاتی بھی نظر آ جاتے ہیں۔

دنیا بھر کے علاوہ اندرون مملکت حجاز سے بھی جوق در جوق لوگ ان دنوں

حج کے لئے مکے میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ حکومت حجاز حج کے لئے عام تعطیل کر دیتی ہے جس سے سرکاری ملازمین کو بھی آسانی ہو جاتی ہے۔

پھر آس پاس کی دیہی آبادی بھی حج کے لئے امنڈ پڑتی ہے۔ اس دفعہ جو سرکاری اعداد و شمار حکومت حجاز کی طرف سے شائع ہوئے ان کے مطابق تقریباً ۱۴ لاکھ افراد نے اس حج میں شرکت کی یہ تمام سابقہ ریکارڈ سے زیادہ ہے اس میں ۱۸ ہزار سے بھی زیادہ ہمارے ہندستانی حجاج تھے ہندستان کی تقریباً چھ کروڑ کی مسلم آبادی میں سے ۱۸ ہزار چھ سو چھیاسٹھ مسلمان اس سال حج کرنے گئے تھے۔ پاکستان کی تقریباً دس کروڑ کی مسلم آبادی میں سے ۱۶ ہزار ۳۰۵ حاجی آئے تھے۔

سب سے زیادہ حاجی ترکی سے آئے تھے جن کی تعداد ۲۱ ہزار چھ سو تین تھی دوسرے نمبر پر شام کے حاجی تھے جن کی تعداد بیس ہزار ۹سو ۱۸ تھی اس کے بعد ایران کے حاجیوں کی تعداد ۱۹ ہزار ۳۰۷ تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ "باہر" سے آنے والے حاجیوں میں سب سے زیادہ تعداد ہندستانی حاجیوں کی تھی تو بیجا نہ ہوگا۔ شام تو عرب ملک ہی ہے اور ترکی اور ایران بھی بالکل پڑوسی ملک ہیں۔ ان تینوں ملکوں کے حجاج براہ خشکی اپنی آرام دہ بسوں کے ذریعہ آئے تھے: "باہر" سے یعنی سمندر پار کرکے آنے والے حجاج میں سب سے بڑی تعداد ہندستانی حاجیوں کی تھی۔

سوویت روس کے بھی ۹۰ حاجی تھے۔ جنوبی ویٹ نام کے ۱۱ جاپان کا ایک اٹلی کا ایک، قوم پرور چین کے ۲۰، کمیونسٹ چین سے جہاں کہا جاتا ہے کہ سات کروڑ کے

قریب مسلمان آباد ہیں، ایک مسلمان کو بھی اس سال توفیق حج نصیب نہیں ہوئی گزشتہ سال ۸ چینی تھے انگلستان سے ۳۵۴، اسپین سے ایک امریکا سے ۱۱۲ آئرلینڈ سے ۹۷ پرتگال سے ۱۹

پاسپورٹ کے ذریعہ حج کے لئے سعودی مملکت میں داخل ہونے والوں کی مجموعی تعداد اس سال دو لاکھ ۸۳ ہزار ۳ سو ۱۹ تھی اور تقریباً گیارہ لاکھ حاجی سعودی عرب کے اور ان ملکوں کے تھے جن کے اور سعودی عرب کے درمیان پاسپورٹ کا رواج نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

ظاہری الفاظ سے ہم میں سے بہتوں نے اگر دھوکا کھا کر یہ سمجھ لیا کہ شاعر کا مقصد ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان خانہ کعبہ کی نگہبانی کرنے کے لئے پہونچ جائیں تو انھوں نے نہ شاعر کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور نہ اپنی سمجھ کے ساتھ عملاً ایسا ممکن کہاں کہ تمام دنیا کے مسلمان ہر وقت یا وقت ضرورت کسی ایک مقام پہ بے روک ٹوک جمع ہو جائیں۔

اس صاحب فکر شاعر کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ حرم (خانہ کعبہ) سے تعلق کا دعوا رکھنے والوں کو اس تعلق کے مقصد کے ساتھ پورا پورا وفادار رہنا لازم ہے اور سخت ترین نگہبانی کرنا چاہیئے کہ اس مقصد میں ذرا بھی خلل نہ آنے پائے چاہے مقصد رکھنے والا کاشغر میں رہتا ہو یا نیل کے آخری ساحل پر قطب شمالی کا باشندہ ہو یا قطب جنوبی

کہ اگر اسلام کو اپنا اخروی مقصد قرار دیا ہے۔ اور خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ مانا ہے تو یہ کیسے ہوگا کہ خطۂ اقامت کے اختلاف سے مقصد میں بھی اختلاف کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یا رنگ و نسل کے فرق سے نیت میں فرق کی گنجائش پیدا ہو جائے دیکھئے تو کہاں کہاں سے اللہ کے ماننے والے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ اندازہ ہوا کہ کرۂ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں کی نمائندگی یہاں نہ ہوئی ہو۔ اگر کوئی شخص حکم قرآنی لیشھدوا منافع لھم (تاکہ وہ حج کے موقع پر اپنے فائدے اور منافع کی باتیں دیکھیں) سے مستفید ہونا چاہے تو کیسی آسانی سے مستفید ہو سکتا ہے۔

لیکن برا ہو سیاست کی حکمرانی اور عالمگیری کا، نوع انسان کی فلاح و بہبود کے پہلو سے اس موقع سے فائدہ اٹھانے ہی نہیں دیا جاتا — صرف سیاسی پہلو سے ساری دنیا سے آئے ہوئے نمائندے اپنے آپ کو پاسبان حرم ثابت کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

حج کا خالص مذہبی اور دینی موقع سیاسی بازی گری اور شعبدہ بازی ہی کی نذر ہو جاتا ہے مثلاً یہ دکھانے کی کوشش ضرورت سے زیادہ کی جاتی ہے کہ فلاں ملک کے سفارت خانے نے حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے بہترین شفاخانے اور امدادی دستے بھیجے ہیں۔ ہر ملک کا نمائندہ خصوصاً "اسلامی" ملکوں کے نمائندے اس اظہار پر بڑے حریص نظر آئے کہ ہمارے یہاں اسلام کا سب سے زیادہ بول بالا ہے خود مملکت سعودیہ عرب تک کسی موقع پر نہیں چوکتی یہ ظاہر کرنے میں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی سب سے زیادہ ہمدرد حکومت وہی ہو۔ لیکن صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنا دل سے ہو اور

کتنا ادبی دل ہے!

پروپیگنڈا اس زمانے کا سب سے کارگر حربہ ہے اور اس سے خوب خوب کام لیا جاتا ہے لیکن کتنی سچائی ہوتی ہے اس پروپیگنڈے کے پیچھے یہ اندازہ کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔

عربی زبان کو مسلمانوں کی زبان بے شک نہیں کہہ سکتے لیکن دین اسلام کی زبان تو کہا ہی جا سکتا ہے۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے دینی فریضے کی ادائیگی کے موقعہ پر دینی منافع حاصل کرنے یا بانی حرم کے مقصد متحدہ سے باز رکھنے والی سب سے بڑی چیز یہی زبان کی اجنبیت ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو آپ اس ایک موقع پر جمع دیکھ سکتے ہیں لیکن دنیا بھر کے مسلمانوں سے آپ بات چیت کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ تو مل بیٹھنے کا فائدہ کیا ہوا خالی خولی صورتیں دیکھنے سے تو کچھ حاصل ہونے کا نہیں!

اگر دینی زبان سمجھ کر عربی سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرنا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے لازم ہوتا تو پھر منافع حج کیا کچھ حاصل کئے جا سکتے تھے اس کی تفصیل بتانے کی حاجت نہیں اور بانی حرم کا مقصد کس خوبی سے حاصل ہو سکتا اس کی توضیح چنداں ضروری نہیں۔

ترک حاجی بھی تھے۔ جاپانی حاجی بھی، انگلستانی بھی، روسی بھی، فرانسیسی بھی انڈونیشی بھی، کہاں کے حاجی نہیں تھے اس دفعہ؟ مگر ہوا کیا جو عربی جانتا تھا وہ عرب ملکوں کے حاجیوں کو، جو انگریزی جانتا تھا وہ انگریزی داں حاجیوں کو اور جو فرانسیسی سے واقف تھا وہ یورپ کے بعض ملکوں کے حاجیوں کو اپنا منشا

سمجھا لیتا ہوگا کوئی ایسی زبان نہ تھی جو سب کو افہام و تفہیم کی ایک لڑی میں پرو سکتی. حکومت سعودیہ کی سرکاری اور قومی زبان عربی ہے اس کا سارا کاروبار اسی زبان میں ہوتا ہے البتہ مکہ معظمہ میں جہاں دنیا جہان کی زبانیں جاننے والے پہونچ جاتے ہیں پبلک کی ضرورت کے لئے سڑکوں اور شاہراہوں کی علامتیں عربی کے علاوہ انگریزی اور اردو میں بھی لکھی نظر آتی ہیں لیکن تسلیم شدہ زبانیں وہاں تین ہی سمجھی گئی ہیں. عربی (سرکاری زبان) انگریزی اور فرانسیسی رابطہ عالم اسلامی کی دوسری موتمر میں بھی یہی تین زبانیں معتبر مانی گئی ہیں ان میں کارروائی سنی جاسکتی تھی ہیڈ فون لگا کر.

ہمارے ملک کے حاجیوں کی تو غالب اکثریت ان پڑھ اور نچلے طبقے کے دیہی افراد پر مشتمل ہوتی ہے. شوق حج و زیارت انہیں کشاں کشاں پہونچا دیتا ہے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ! جو برکتیں ان مقدس مقامات کی حاضری سے حاصل ہونا چاہئیں وہ حاصل بھی ضرور ہوجاتی ہیں ان سب حاضری دینے والوں کو خواہ وہ ان پڑھ ہوں یا گنوار، عالم ہوں یا جاہل گر نیتھد وا منافع لھم میں جو حقیقت پوشیدہ ہے وہ منکشف ہوجانے سے بلاشبہ رہ جاتی ہے۔

جو خالص اسلامی ملک ہیں ان کے عوام نہیں خواص بلکہ حکومتوں کے اسلامی سربراہ تک مناسک حج ادا کرنے کے بعد کا سارا وقت (یعنی چار یا پانچ روز کے علاوہ جو ایام حج کہلاتے ہیں باقی سارا وقت) پورے انہماک سے ملکی برتری اور سیاسی تفوق ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں۔

اس دفعہ سعودی حکومت نے اسلامی ملکوں سے اسکاؤٹ دستے بھیجنے کی

خواہش کی تھی۔ اس پر اسلامی ملکوں کے دستے آنے لگے اور سعودی حکومت کے ذمہ داروں
نے ان کے فرائض (ڈیوٹیاں) بنانے کا پروگرام بھی بنا لیا۔ ہندستان کو اسکاؤٹ
بھیجنے کی زحمت کیسے دی جاتی! ہمارے سفیر مقیم جدہ مسٹر مدحت کامل قدوائی
نے اپنا فرض سمجھا کہ سعودی حکومت کو یاد دلا دیں ۔ حکومت ناواقف نہ تھی جو
اس کو خبر دی جاتی ۔۔۔ کہ ہندستان میں چھ کروڑ مسلمان رہتے ہیں اور اتنی
بڑی مسلم آبادی بہت سے اسلامی ملکوں کی آبادی سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ایسی
حالت میں مسلمانوں کی خدمت کی سعادت سے ہندستانی مسلمانوں کو محروم کرنا انصاف
نہ ہوگا ۔۔۔ حکومت نے ہندستانی سفیر کی بات کا وزن محسوس کیا اور ہمارے ملک
سے بھی نوجوانوں کے کچھ دستے (علیگڑھ، مدراس، کیرالا وغیرہ سے) اپنے قائدین کی
قیادت میں وہاں بھیجے اور خوشی کی بات بلکہ فخر کی بات یہ ہے کہ ہندستانی نوجوانوں
نے بلا امتیاز ہر ضرورت مند کی مدد کی۔ مددیں کہ بڑھا حاجی راستہ بھول گیا۔ اور ایسا
بھولا کہ منزل کا نام بھی نہیں یاد رہے، اب وہ پاکستانی ہو یا ہندستانی، ایرانی ہو
یا ترکستانی اس کو اس منزل تک پہونچانا، بیمار ہو تو اپنے شفاخانے میں لانا، پتہ نہ
چل پا رہا ہو تو رئیس المطوفین کے عملے کے سپرد کرنا، کوئی ہنگامی بات ہو تو اس
کے دفعیہ کے لئے مستعد ہو جانا ۔

نہ معلوم کتنے غیر ہندستانی حاجیوں کو ہم نے منیٰ میں ہندستانی سفارت خانے
کے ہسپتال میں دیکھا۔ ایک واقعہ تو بھولتا ہی نہیں، ایک بہت بوڑھی بنگالی عورت
جو سڑک پر پڑی سسک رہی تھی اٹھا کر ہمارے ہسپتال لائی گئی۔ بیچاری کنکریاں
مارنے والوں کے ہجوم میں کچل گئی تھی۔ جب ہوش و حواس اس کے بجا ہوئے

تو اب وہ کچھ بتا ہی نہیں پا رہی تھی۔ بنگلہ میں کچھ کہتی تھی کوئی کیا سمجھے بالکل اتفاق کہ اس وقت بنگالی حاجیوں کی ویلفیئر آفیسر ایک بنگالی خاتون مسز شکیلہ ایم ایل اے بھی سفارت خانے میں موجود تھیں۔ وہ آئیں۔ بچاری اور بوڑھی عورت سے بنگلہ میں بات چیت بھی کی لیکن کچھ حقیقت نہ کھل پائی۔ مسز شکیلہ نے بتایا کہ یہ مشرقی پاکستان کی مجھے معلوم ہوتی ہے اس کی بنگلہ زبان ہماری زبان سے مختلف ہے۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ بنگلہ زبان بھی ہندستان پاکستان میں بٹ گئی ہے خوب!

شکایت کی نہیں افسوس کی بات ہے کہ پاکستانی سفارت خانے اور اس کے اسکاوٹ دستوں کا رویہ ہندستانی حاجیوں کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔

اس سے زیادہ یہ کہ پاکستان کے بے پناہ پروپیگنڈے نے شاید بے خبر اسلامی ملکوں کے باشندوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ ہندستان میں نہ کوئی ممتاز علمی شخصیت ہے نہ کوئی مسلم مذہبی ادارہ اور نہ کوئی خاص مسلم آبادی۔ بس یہی کچھ معمولی درجے کے مسلمان رہ گئے ہیں۔

اس کا تجربہ تو خود ہمیں ہی ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہمارے خاندان کے ایک مہاجر بزرگ مولانا عبدالباقی فرنگی محلی ؒ شاگرد مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا محمد ابراہیم الختنی مہاجر مدنی نے اس تعلق سے جو ان کو علمائے فرنگی محل خاص کر اپنے استاد اور استاذ الاستاذ سے تھا۔ ہماری دعوت کی اور اس وقت عرب ملکوں سے آئے ہوئے جو مشاہیر علما مدینہ شریف میں تھے ان کو بھی اس دعوت میں بلایا۔ مولانا ابراہیم الختنی ایک باوقار علمی شخصیت ہیں مدینہ منورہ کی

اور دنیائے اسلام کے ممتاز علما کو ان سے شرف نیاز حاصل ہے۔ بغیر ہمارا تعارف
ہوا کہ یہ علمائے فرنگی محل کے خاندان سے ہیں۔ عرب علما بہت خوش ہوئے لیکن
ایک کے بھی ذہن میں نہ آیا کہ فرنگی محل ہندستان میں ہے۔ سب ہمیں پاکستانی سمجھے
بیٹھے تھے۔ جب ان کو بتایا کہ ہندستان میں ہے فرنگی محل تو جیسے ان کو اچنبھا ہوا۔
یہ تو علمائے کرام کی بات تھی ان کے لئے غلط فہمی کی گنجائش تھی لیکن یہ اخبار نویس
یہ تو ہر بڑی شخصیت کو گویا حقہ جاننے کے مدعی ہوتے ہیں! سعودی اخبار نویسوں کا
حال بھی سن لیجئے۔

ہمارے شہر اور صوبے کی علمی شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی کو آج دنیائے عرب
میں جس قدر جانا پہچانا جاتا ہے۔ ہندستان پاکستان کی کوئی دوسری علمی شخصیت
اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ رابطہ عالم اسلامی کے بانی ممبروں میں اور نائب صدر ہیں
تمام اسلامی ملکوں کا اس طرح دورہ کر چکے ہیں کہ بار بار منظر عام پر آ کر لیجئے اپنی
بات وہاں کتنا ہوئی ہے تو ایسے مشہور و معروف مولانا علی میاں کو شرف باریابی بخشا
جلالۃ الملک الفیصل نے جو اپنے بڑے بھائی شاہ سعود کو معزول کر کے تخت نشین
ہوئے ہیں اور ان کی تخت نشینی کے بعد یہ پہلا حج ہونے جا رہا تھا۔ دنیا کی بادشاہوں
کی طرح اس شاہی ملاقات کا بھی سرکاری فوٹوگرافروں نے فوٹو اتار لیا علی میاں
لاکھ رومال سر سے اوڑھے کیمرے کی زد سے نیچے ہوں گے (جیسا کہ تصویر سے ظاہر
ہے) مگر ان کا بھی فوٹو اتر ہی آیا۔ اور دوسرے دن عربی اخباروں میں وہ شائع
بھی ہوا۔ نیچے لکھا تھا: "جلالۃ الملک فیصل سید ابوالحسن علی ندوی سے جو دارالعلوم ندوۃ
واقع پاکستان کے جنرل سکریٹری ہیں گفتگو کر رہے ہیں۔" یہ اس عربی عبارت کا

ترجمہ ہے۔ جو نوٹ کے نیچے لکھی تھی)

سعودی اخبار نویسوں تک کو "دارالعلوم ندوۃ العلما" جو ساٹھ ستر سال سے لکھنؤ (ہندستان) میں قائم ہے اور جس کے طلبا کو مدینہ یونی ورسٹی میں خاص امتیاز حاصل رہتا ہے۔ پاکستان ہی کی جھولی میں پڑا نظر آیا۔

یہ سب کرشمہ سازی ہے پروپیگنڈے کی۔ پروپیگنڈے کی خوبی یہی ہے کہ کسی بات کو صاف صاف نہ کہا جائے بلکہ باتیں اس طرح کہی جائیں کہ جو بات ذہن نشین کرانا ہے وہ غیر شعوری طور پر ذہن میں پیوست ہو جائے۔ پروپیگنڈے نے یہ ذہن بنانا چاہا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے آثار نشانات اور سرگرمیوں اور کارناموں کے تابندہ نقوش سے ذہن خالی ہو جائے سو وہ ہو گیا۔ اب ہندستان کے مسلمانوں کا کوئی بھی دینی یا علمی کارنامہ ہو، جب تک بتا نہ دیا جائے کہ یہ ہندستانی مسلمان کا ہے اس وقت تک پاکستان ہی کے حساب کتاب میں درج رہتا ہے۔

ہم لوگ دوشنبہ ۴ر ذی الحجہ (۵ر اپریل) کو رات گئے مکہ معظمہ پہنچے تھے اور مناسک حج کا آغاز ۸ر ذی الحجہ (۹ر اپریل) سے ہونے والا تھا۔ اس طرح ہمارے پاس چار دن فرصت کے تھے کہ حج کے سلسلے میں ان چار دنوں میں ہمیں کچھ نہیں کرنا تھا۔ یلملم سے عمرے کا احرام باندھ کر حدود حرم میں داخل ہوئے تھے۔ رات ہی عمرہ کر لیا اور احرام اتار دیا۔ اب ۸ر ذی الحجہ کو جب مناسک حج شروع ہوں گے تو پھر احرام حج کا باندھیں گے۔ ہمارے بعض ہم سفر بہت دل والے تھے انھوں نے یلملم ہی سے حج اور عمرے دونوں کی نیت سے احرام باندھا تھا وہ عمرہ ادا کر کے بھی احرام سے باہر نہیں ہوئے اور حالت احرام ہی میں یہ چار دن انھوں نے مکہ معظمہ میں گزارے۔ احرام کے تقاضوں

کو اتنے دنوں تک پورا کرنا حوصلے کی بات ہے۔ بہرحال دیکھنا، سننا، ملنا جلنا چار دنوں میں ہم نے کیا، ملنا جلنا بھی کم، کیونکہ مکہ معظمہ میں ہماری کوئی بھی رشتہ داری اور برادری تھی وہی چار پرانے جاننے والے وہ ہندستانی احباب تھے جو کہ مکہ معظمہ میں مقیم ہیں۔

عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اصلی عرب آبادی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس وقت جتنے باشندے مکی یا مدنی ہیں وہ کوئی مکی یا مدنی اصلاً نہیں ہیں۔ ترکی سے شام سے عراق سے ہندستان سے پاکستان سے اور دوسرے مسلم ملکوں سے آکر یہاں بس گئے ہیں اور ان کے عربی لباس اور عربی زبان سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ عرب ہیں۔ اصلی عرب تو مضافات میں کہیں آباد ہیں اور عربی مزاج و خصائل کے حامل بھی وہی ہیں۔

حد یہ ہے کہ مطلین کا گروہ بھی کہ معظمہ میں اور مزورین کا گروہ بھی مدینہ منورہ میں غیر عرب نسل کے افراد کی غالب اکثریت پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ مقامی عربی بھی خوب بولتے ہیں اس لئے کہ نسلیں ان کی یہاں گزر چکی ہیں اور ہندستان و پاکستان سے آئے ہوئے حاجیوں سے گوارا تو ہماری اردو بھی خوب بولتے ہیں۔ ٹھیٹھ اردو احتیاطاً نہیں بولتے ہوں گے کہ کوئی ان کے حجازی ہونے پر شبہہ نہ کر بیٹھے!

ہندستانی جو سعودی عرب میں مقیم ہیں ان کی اکثریت تو جدے میں رہتی ہے جو تجارت کا مرکز ہے زیادہ تر ہندستانی تجارت ہی کے لئے تو وہاں گئے ہیں یا پھر پڑھے لکھے ہندستانی ہیں جن کو سعودی حکومت نے ملازمت دے کر ایک معاہدے کے تحت وہاں بلایا ہے۔ یہ سرکاری فرائض کے سلسلے میں حدود مملکت سعودیہ میں کہیں بھی رکھے جا سکتے ہیں مگر زیادہ تر ریاض دسعودی حکومت کی شاہی راج دھانی)

اور جدے میں (جیسا سی رائج دعائی ہے سعودی حکومت کی) رہتے ہیں۔ دنیا کمانے کے لئے جانے والے ہندستانیوں میں کم ہی ہیں جن کو کہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں قیام کی سعادت یا تھ آئی ہو۔

پھر بھی خاصی تعداد ان ہندستانیوں کی کہ معظمہ میں بھی ہے جو دستکاری کے ذریعہ روزی کمانے کے لئے وہاں گئے ہیں دست کاری کا جوہر کہ معظمہ ہی میں یا پھر مدینہ منورہ میں کھل سکتا ہے ــــ جدے میں تو ساری ضرورتیں تیار مال ریڈی میڈ سے جو ولایتوں سے آتا ہے پوری کرلی جاتی ہیں۔

جدے کے دفیرہ میں مشینی سامان بہت ارزاں ہے لیکن جیسی سامان کی تیاری میں آدمی کا ہاتھ لگ گیا بس اس کے دام نہ پوچھئے آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان (لکھنؤ) جیسے درویش صفت آدمی ہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پڑھنے کے وقت عینک لگاتے ہیں عینک بھی ان کی بس معمولی سی ہے یہی دو تین روپے کی کمانی اور ایک آدھ روپے کے شیشے کہنے لگے کہ ایک آدھ دفعہ کمانی کچھ ٹوٹی پھوٹی لکھنؤ میں بازار بھیج کر تین آنے یا چار آنے میں اسے ٹھیک کرالیا وقت کا کرنا کہ ان کی کمانی اس دفعہ کہ معظمہ میں ٹوٹ گئی آدمی بازار بھیجا سوچا کہ تین چار آنے زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے میں درست کرالائے گا۔ مگر یہ لکھنؤ نہ باشد، تین روپے کی کمانی کی مرمت میں دو ریال لگیں گے ــ آدمی کا ہاتھ جو لگ جائے گا۔ اس میں ــ نئی خریدیے تو اسی قسم کی کمانی تین ریال میں مزے سے مل جائے گی۔

لب سڑک آپ اترے صرف کوٹھے پر سامان پہنچانا ہے یا گھر کے اندر بہت

سامان ہوا، روپے ڈیڑھ روپے میں مزدور نے پہونچا دیا یہاں اس نے لئے دس ریال
(ایک ریال برابر ہندستانی روپے کے) تو یہاں مزدوروں دستکاروں کی چاندی
ہی چاندی ہے۔

جو کوئی ہنر نہیں جانتا وہ نوکری کرے خاطر خواہ تنخواہ نوکر کو بھی ملتی ہے
آپ کے یہاں کی جیسی بڑی تشریح تنخواہ جو خدمت گار کی ہے اس سے تگنی چوگنی
وہاں ہے، کپڑے لانڈری میں دھلیں گے ایک ہفتے کے بعد ملیں گے استری دستری
کا بھی جھگڑا نہ ہوگا ایک ریال میں دو کپڑے کے حساب سے۔

ہمیں مکہ معظمہ میں دو ہی چار ہندستانیوں سے ملاقات کا موقع ملا ان میں
سے ایک تو ہمارے لکھنؤ کے سید نیاز علی سادہ کار تھے۔ جو یہاں معلوم ہوا کہ ہمارے
شاگرد ہیں جب ہم مدرسہ نظامیہ (فرنگی محل) میں معلمی کرتے تھے تو وہ ابتدائی
مدرسہ میں وہاں پڑھتے تھے اور ہم سے بھی پڑھا تھا بلکہ ان ہی کے بیان کے
مطابق ہمارے ہاتھ سے مار بھی کھائی تھی۔ انھوں نے خوب یاد رکھا، اور یہیں اس
وقت یہ بات انھوں نے یاد دلائی جب ہم ایک پرتکلف دعوت ان کے یہاں سے
کھا کر رخصت ہو رہے تھے

مرزا غالب کے ایک شاگرد تھے سید صاحب انھوں نے حق شاگردی ادا کرنے
کے لئے استاد کے پاؤں دبانے کا ارادہ کیا۔ مرزا نے پاؤں سمیٹ لئے کہ تو سید ہو کیوں
گنہگار کرتا ہے۔ شاگرد نے کہا "میں پاؤں دباتا ہوں آپ اس کی مزدوری دیدیجئے
گا حساب بیباق ہو جائے گا" استاد راضی ہو گئے پاؤں دبا چکنے کے بعد شاگرد نے
کہا "لائیے استاد دام" استاد غالب نے جو حیوان ظریف تھے کہا "تو نے میرے

پاؤں دبانے میں لگے تیرے دام دابے: حساب بے باق! تو شاگرد نیاز علی نے ہماری دعوت کھائی ہم نے ان کی دعوت کھائی چلئے حساب بے باق ہوگیا۔

ہمارے خالو مولوی محمد سمیع اللہ صاحب انصاری فرنگی محلی (ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس) نے کچھ روپے اور کچھ نئے کپڑے دیے تھے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں وہاں کے اصلی باشندوں کو جو ضرورت مند ہوں نذر کر دینا۔ بھیک مانگنے والے حرم کعبہ کے چاروں طرف بہت ملے۔ یہ شرط کہ نسلاً مکی ہوں کیسے پوری ہو۔ ہمارے دوست مولانا عبداللہ العباس ندوی مکہ معظمہ میں مقیم اور رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹریٹ میں ملازم ہیں۔ ان سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔

کہنے لگے "یہاں کے جو اصلی باشندے ہیں۔ ان سے ہم کہیں تو وہ خود حاجتمندوں کو دو چار سو ریال دے دیں گے۔ آپ کے دس بیس روپے سے خدمت کے وہ محتاج نہیں ہیں۔"

خالو جان نے خانہ کعبہ کے کبوتروں اور مسجد نبوی کے کبوتروں کو دانہ دینے کے لئے بھی روپے دیئے تھے۔ خانہ کعبہ میں دیکھا تو کبوتروں کی ضیافت کے سبب اتنا گیہوں پڑا ٹھوکریں کھایا کرتا تھا کہ مزید گیہوں لوگوں کے روندنے کے لئے ڈالنا صرف بے جا نظر آیا۔

یہ تو اچھے پھنسے! خیرات لینے والا ملتا نہیں اناج رائیگاں کرنے اچھا لگتا نہیں۔ یہ بار امانت لئے کہاں کہاں پھریں؟ یہ ذمہ داری باعث پریشانی بن گئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ یاد آگیا جو اس سرزمین مکہ معظمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ امانت اور دیانت، ریاضت اور کسب حلال کے ملے جلے جذبات کا حامل

بڑا پراثر واقعہ ہے!

مستند مورخ و محدث علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے لکھا ہے:۔

ابن الروزبہار بیان کرتے ہیں کہ میں ایک صاحب ابوالحسن کی کے پڑوس میں بصرے میں رہتا تھا۔ حج کو جانے لگا تو پڑوسی سے رخصت ہونے گیا۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی ایک بیٹی مکہ معظمہ میں رہتی ہے جس کے لئے تیس درہم وہ ہر سال کسی حاجی کے ہاتھ بھیجتے ہیں۔ میں نے ابوالحسن سے یہ خدمت انجام دینے کا وعدہ کیا اور خواہش کی کہ میرے لئے دعا فرمایئے۔ انھوں نے تیس درہم اور ایک خط بیٹی کے نام دیا اور کہا کہ مکہ میں فلاں جگہ فلاں نام کی خاتون کو تلاش کر کے دے دینا۔ میں کہ پہونچا اور پوچھا معلوم ہوا کہ وہ یہاں عبادت و ریاضت میں اس قدر مشہور ہیں کہ بیٹھ در یافت کرنے کی حاجت ہی نہیں اب میرا جی چاہا کہ ایسی عابدہ زاہدہ بی بی کے لئے کچھ رقم میری طرف سے بھی نذر کی پیش ہو۔ سیدھے سیدھے پیش کر دوں گا۔ تو وہ قبول نہ کریں گی۔ میں نے ان کے والد کا بھیجا ہوا خط کھولا اور اس میں جہاں تیس درہم بھیجنے کی بات لکھی تھی وہاں میں نے "بچاس درہم" بنا دیا اور پھر اسی طرح لفافے کو بند کر دیا اور بند لفافہ ان کی عابدہ زاہدہ بیٹی کو دیدیا اور بچاس درہم بھی۔ انھوں نے اپنے والد کی خیریت پوچھی میں نے کہا ٹھیک ہیں کہنے لگیں: کیا انھوں نے یاد خدا میں کچھ کمی کر دی ہے اور دنیا کی طرف زیادہ لگ گئے ہیں؟

میں نے کہا "نہیں تو"

بولیں: اچھا تمھیں خدا کی اور اس کی جس کا حج کرنے آئے ہو قسم دیتی ہوں

کہ جو کچھ میں پوچھوں تم سچ سچ بتانا۔

انھوں نے پوچھا "ان درہموں میں تم نے اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا ہے؟"

"ہاں صاحب! ملایا ہے مگر آپ کو کیسے اندازہ ہوا" میں نے پوچھا۔

کہنے لگیں "میرے والد تیس درہم سے زیادہ مجھے بھیجنے کی حیثیت ہی نہیں رکھتے ہیں زیادہ اس وقت بھیج سکتے ہیں جب وہ عبادت ترک کرکے کمائی میں لگ جائیں۔ اگر تم کہو کہ عبادت میں انھوں نے کمی کردی ہے تو میں ان درہم میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی۔"

اس کے بعد ہی وہ بی بی بولیں: "یہ سب درہم (پچاس کے پچاس) واپس لیجاؤ"

میں نے کہا "یہ کیوں!"

کہنے لگیں: "میں صرف اپنی کمائی اور اپنے باپ کی کمائی سے کھاتی ہوں۔ اس مال سے میں نہیں کھا سکتی جس کے بارے میں یہ نہ جانتی ہوں کہ کس طرح وہ کمایا گیا ہے۔"

میں نے کہا "تو وہ تیس درہم تو لے لیں جو آپ کے والد نے آپ کو بھیجے ہیں"

انھوں نے کہا "اگر بعینہ وہ تیس درہم جو میرے باپ نے بھیجے ہیں۔ ان پچاس دراہم میں سے نکال کر دے سکتے ہو تو لے لوں گی۔ تم نے تو اس میں دراہم بھی ملا دیئے ہیں جن کی حیثیت میں نہیں جانتی اور ان ملے ہوئے دراہم سے میرے باپ کے بھیجے ہوئے دراہم کی شناخت ممکن نہیں اب آئندہ سال موسم حج تک میں ادھر ادھر گری پڑی چیزوں سے اپنا پیٹ پالوں گی کیوں کہ سال بھر کی میری روٹی دال کے لیے جو رقم آئی تھی وہ تم نے اپنے درہم ملا کر میرے لئے حرام کردی

اور مجھے زحمت میں مبتلا کر دیا۔ اگر تمھاری اس حرکت میں نیک نیتی نہ ہوتی تو میں تمھارے حق میں بد دعا کرتی۔"

مجھے واقعی بہت رنج اور صدمہ ہوا اور وہ درہم لے کر حج و زیارت کے بعد واپس بصرہ لوٹا اور ابوالحسن کی کے پاس آکر سارا قصہ سنایا اور ان سے بڑی معذرت بھی کی کہ میری اس حرکت سے آپ کی بیٹی سال بھر تک زحمت میں رہی گی۔ میں نے ان کے درہم انھیں واپس کئے۔ انھوں نے لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم نے میرے مال میں دوسرا مال ملا دیا۔ اب میں اس میں سے اپنا مال چھانٹ کہاں سکتا ہوں، تم نے مجھے بھی محروم کر دیا اور میری بیٹی کو بھی محروم کر دیا۔

میں نے پریشان اور عاجز ہو کر کہا "تو اب آپ ہی بتلیئے میں ان دراہم کا کروں کیا؟"

انھوں نے کہا "میں کیا جانوں۔"

میں بار بار ان کے پاس جاتا اپنی حرکت پر معافی مانگتا اور اور پوچھتا آخر کیا کروں میں آپ کے ان میں درہموں کا۔ ایک لمبے عرصے کے بعد انھوں نے کہا "خیرات کر دو" اور میں انھیں خیرات کر کے اس جنجال سے نکل پایا۔"

خیر ایسی مصیبت تو ہم نے ہرگز محسوس نہیں کی جیسی تمار صاحب کو آج سے پہلے کے اور بصرے میں پیش آئی تھی۔ گو عام حالات میں ہم کچھ بھی محسوس نہ کرتے مگر مقدس مقامات میں پہونچ کر جی یہی چاہتا ہے کہ اپنے عمل کی نوک پلک درست رہے ــــ اسی وجہ سے کبوتروں کا دانہ کی اور مدنی باشندوں کا نذرانہ ہمارے سر پر لٹکا رہا ــــ نجات مدینہ منورہ میں اس وقت ملی جب پہلے

ایک فرنگی محلی بزرگ مہاجر مدنی نے وعدہ کر لیا کہ وہ مدینہ منورہ کے بعض اصلی باشندوں کو جو شریف وغیور ہیں اور جن کے احتیاج کا دوسروں کو علم بھی نہیں ہو پاتا، یہ رقم پہونچا دیں گے۔ ہم سے اتنی بات خلاف شرط ضرور ہوئی کہ کچھ ڈالر کی نذر بھی مدینہ شریف ہی میں حیدر بھائی صاحب کے حوالے کر دی جو وہاں حج کرنے کے بعد سے ۱۲ برس سے مع اہل وعیال مقیم ومہاجر ہیں اور حدود مدینہ سے باہر تک نہیں جاتے ہیں سے

دور سے خانہ کعبہ کو بھی کر لیں گے سلام
زندگانی ہے تو ہم ہوں گے مدینہ ہوگا

مکہ معظمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی تاثیر ہر طرف دکھائی پڑی۔ انھوں نے وادی غیر ذی زرع "بے کھیتی باڑی زمین" میں بود و باش اختیار کرتے ہوئے دعا کی تھی ۔ وارزق اھلہ من الثمرات اے اللہ! میری اولاد کو پھلوں سے رزق عطا فرما، خود مکہ میں کھیتی باڑی اور باغ وغیرہ کہاں لیکن دنیا کا کون پھل نہیں جو بازاروں میں بھرا نہ ہو اور تول اور ذراعت کا ثمر بھی لے پایا ہے ۔ اتنی دولت اللہ تعالیٰ نے اس خطہ کو دے دی ہے کہ شاید اس کا انکوں کو بھی رشاہ فیصل اور ان کے خاندان والوں کو بھی) اس کا اندازہ نہیں ہے۔ دولت کے بہت سے دفینے ایسے پڑے ہیں جن کو حکومت نے ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے ابھی تو صرف پٹرول کی آمدنی سے عیش با فراغت کے مزے لوٹے جا رہے ہیں۔

شاہ فیصل کی زیارت بھی ہوئی ان ہی چار دنوں میں جو حج سے پہلے بالکل خالی تھے ایک دن رات کو شاہی محل میں ممتاز حجاج کی شاہ کی طرف سے دعوت

کی گئی۔ موتمر اسلامی کی دوسری کانفرنس کے معزز مہمان ساری دنیا سے آئے ہوئے تھے۔ مولانا علی میاں نے ہمیں بھی شاہی دعوت میں مدعو کرا دیا اور ہمارے سفیر مدحت کامل قدوائی صاحب نے بھی ہمارا نام دے دیا تھا ــــ لیکن طبیعت کا تقاضا دعوت میں شرکت کا نہیں ہوا اور ہم گول ہو گئے۔

زیارت ہوئی شاہ فیصل کی حرم محترم میں وہ کعبہ کو غسل دینے آرہے تھے پہلے سے پتہ نہ تھا۔ دوپہر سے بہت پہلے تلاوت کے لئے حرم میں بیٹھے تھے۔ نظر پڑی کہ کانسٹبلوں کی ایک پلٹن قریب ہی پرا جمائے کھڑی ہے۔ خیال آگیا کہ غسل کعبہ ہونے والا ہے اور شاہ دستور کے مطابق آنے والے ہیں۔ سوچا چلو یہاں سے، غسل کے لئے اندر جانے کا سوال کیا، یوں بھی اپنی اوقات ایسی نہیں کہ اندرون خانہ کعبہ جانے کی جسارت کریں، ہم چلے باہر جانے کے لئے وہاں بھی پہرہ چوکی تھا واپس آتے تو مشکل آگے جاتے تو مشکل اتنے میں شاہی سواری آگئی۔ لوگ باب السعود کے اندر جدھر سے شاہ داخل ہو رہے تھے، دو رویہ استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے اور شاہ فیصل اندر داخل ہوئے۔ استقبال کرنے والوں نے حرم محترم کے اندر تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ شاہ کی زریں عبا کی چمک پھر استقبال کرنے والوں کی تالیاں! اتنے میں شاہ کو دیکھا کہ وہ تالیاں بجانے والوں کو منہ پر انگلی رکھ کر منع کر رہے ہیں مگر کئی عدد فوٹو گرافروں کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ قدم قدم کی تصویریں حرم کعبہ کے اندر اتاریں اور ان تصویروں کو دھڑلے سے چھاپیں۔

ترک حاجی صرف حج اور زیارت کرنے آتے ہیں نہ بازار سے کام نہ شاہ گدا سے واسطہ صرف ایک تبرک بڑی پابندی سے وہ مدینہ منورہ سے لیجاتے ہیں۔

مدینہ شریف کے چاندی کے چھلے، بڑے ادب و احترام سے اپنے یہاں کے لوگوں کو پیش کرتے ہیں وہ بڑی عقیدت سے انہیں پہن لیتے ہیں اور تادم مرگ پہنے رہتے ہیں یا اگر خود حج و زیارت کو آئیں تو اتاریں گے۔

حج کا احترام بھی ترک کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ترکی حکومت اپنے باشندوں کو بین اقوامی پاسپورٹ (انٹرنیشنل پاسپورٹ) بڑی آسانی سے دیدیتی ہے۔ لیکن حج پاسپورٹ کے لئے اگر کوئی درخواست دیتا ہے تو ایسی آسانی سے اس کو پاسپورٹ نہیں ملتا۔ پوری جانچ کرائی جاتی ہے۔ کیا آمدنی ہے، کیا ذمہ داریاں ہیں۔ مقروض تو نہیں ہے قرض لے کر تو نہیں جارہا ہے واپس آکر اپنے اور بال بچوں کے کھانے کے لئے رہے گا اس کے پاس وغیرہ وغیرہ یعنی شرعی طور پر حج اس کے اوپر فرض ہوا ہے یا نہیں۔ اگر ثابت ہوا کہ واقعی یہ مستطیع ہے تو حج پاسپورٹ اس کو ملتا ہو پھر جتنا زرمبادلہ مانگے اتنا دیا جاتا ہے ——— باوجود اس کے کہ ترک حاجی حسب ضرورت روپیہ لاتا ہے، خرچ کرتا ہے صرف خیر خیرات میں یا چاندی کے چھلوں میں۔ ایک ایک طباق بھر کر خریدے جاتا ہے ایک ایک حاجی اپنے اوپر بھی زیادہ خرچ نہیں کرتا۔ تکلیف ہی سے مکہ و مدینہ میں گزارتا ہے۔

حج کے دنوں میں

تین چار روز جو ہمارے لئے فرصت کے تھے ان ہی میں مناسک حج کی ادائیگی کے انتظامات کرنا تھے۔ حج کے زیادہ تر مناسک (ارکان) مکہ معظمہ سے دور آٹھ دس میل کی مسافت پر ادا ہوتے ہیں۔

حج کا دن نویں ذی الحجہ (یوم عرفہ) ہے، اس سے ایک دن قبل مکہ معظمہ سے اس طرح روانہ ہو کر منیٰ جو چار میل دور ہے، جانا چاہئے کہ پانچ وقت کی نمازیں وہاں پڑھ کر دوسرے دن کوئی دس میل، دور آگے عرفات روانہ ہوا جائے۔

جانے کے لئے سواریوں کا انتظام ہے بسیں ٹیکسیاں (اور آج سے پہلے اونٹ اور گدھا گاڑیاں تھیں) حاجیوں کو منیٰ اور عرفات پہنچاتی ہیں، ہمت والے لوگ، اور ان کی تعداد بھی خاصی ہوتی ہے، یہ مسافت پیدل ہی طے کر لیتے ہیں۔ مگر ایسی ہمت ہر ایک کے پاس کہاں،

دو ریال تین ریال فی سواری کے حساب سے بسیں مکہ سے منیٰ پہنچا رہی تھیں

ہر معلم اپنے حاجیوں کے لئے بسیں فراہم کرتا ہے اور ایک ساتھ سب کو سوار کر کے روانہ کر دیتا ہے لیکن پہلا حج کرنے والے کو اس موقع پر بھی حج کا تجربہ رکھنے والوں کے مشورے کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ ہمیں مشورہ دینے والوں نے یہی کہا کہ ہم اپنے لئے الگ ٹیکسی کا انتظام حج کے تمام دنوں کے لئے کر لیں یعنی ایک ٹیکسی کریں جو پہلے ہمیں منیٰ پہنچائے وہاں ٹھہری رہے دوسرے دن ہمیں عرفات پہنچائے اور شام کو عرفات سے واپس منیٰ لاتے ہوئے رات بھر مزدلفہ میں قیام کے دوران ٹھہری رہے صبح کو مزدلفہ سے منیٰ پہنچائے پھر تین دن کے بعد منیٰ سے مکہ معظمہ واپس پہنچا دے۔

اس مشورے کو بسر و چشم قبول کر لیا۔ خواتین جو ساتھ تھیں مناسک حج کے سلسلہ میں کوئی اندیشہ مول کیسے لے سکتے تھے؟

کرایہ؟ کسی کو یقین نہ آئے گا کہ ایک دن چار میل دوسرے دن دس میل جانے، پھر دس میل واپس آنے اور تین دن کے بعد پھر چار میل لوٹ آنے کا کرایہ ایک ٹیکسی نے پورے سات سو ریال لیا ہوگا! اور اگر ہندستانی سکے میں آپ کو بتائیں کہ چودہ سو روپے کرایہ دیا تو آپ کہیں گے کہ کیا مذاق ہے؟

ہمارا قافلہ سات افراد پر مشتمل تھا، امی، پھوپھو جان، ممانی، تینوں میاں عظیم بھائی (چودھری عظیم الدین اشرف) ان کی بیوی اور خود ہم، —— ایک بڑی ٹیکسی جو سات سواریوں کے لئے آرام دہ ہو سات سو ریال میں، اپنے معلم مولانا عبدالہادی سکندر کی معرفت سے طے کر لی۔

بسوں سے جانے والوں کو پورے سفر میں فی کس دس بارہ ریال دینا پڑے

ہیں فی کس سوریال ـــــ کیونکہ ہم تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے تھے چاہے دیوالیہ ہوجائیں! خیر دیوالیہ تو نہیں ہوئے لیکن تکلیف سے بھی نہ بچ پائے ۔

منیٰ اور عرفات میں اتنے حاجیوں کے ٹھہرنے کے لئے قیام گاہیں نہیں نہ ہوسکتی ہیں، دونوں جگہ خیمے اور شامیانے معلمین کی طرف سے لگائے جاتے ہیں جن کا کرایہ حاجیوں کو ادا کرنا ہوتا ہے، بڑا سا شامیانہ ہے تو اس کے نیچے سو ڈیڑھ سو حاجی پڑے ہیں اور فی کس تیس ریال دونوں جگہوں کے لئے دیدیئے اگر کوئی حاجی شامیانے سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس پر کوئی جبر بھی نہیں میدان میں پڑا رہے ۔

ہمیں یہاں بھی آرام کی سوجھی، اور اپنے قافلے کے لئے بعض دوسرے واقعی خوشحال حاجیوں کی طرح منیٰ اور عرفات میں الگ الگ خیموں کا آرڈر اپنے معلم کو دیدیا، اور خیموں کا کرایہ تین سو ریال بھی ساتوں کی طرف سے پیش کردیا معلم صاحب بھی کہتے ہوں گے کہ ایسے نہ انکم ٹیکس دیں نہ سیلس ٹیکس دیں آخر کس ہوتے پہ ان کو شاہ خرچیاں سوجھ رہی ہیں ـــــ اور ہم دوسروں سے یہ سن سن کر دہلے ہوئے تھے کہ منیٰ اور عرفات میں بڑی بڑی زحمتیں ہوتی ہیں، بڑی افراتفری ہوتی ہے ساتھی بہت گم ہوتے ہیں اور عرفات کا گم شدہ ساتھی پھر مکے ہی میں ملتا ہے۔ اس لئے پہلے ہی سے انتظام خوب چوکس رکھنا چاہئے ۔

بہرحال سب انتظام روانگی اور قیام کا ٹھیک کرکے اب اس سامان کو درست کیا جو چار یا پانچ روز کہ مکہ معظمہ سے باہر رہنے میں درکار ہوگا، باقی سامان عموماً مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ دیا جاتا ہو. ہماری قیام گاہ کافی محفوظ جگہ تھی اس لئے مکہ معظمہ میں بے کھٹکے سامان چھوڑ دیا

عرفات میں ایک دن اور منیٰ میں چار دن خیموں میں ٹھہرنا ہے، عرفات میں دوپہر کا کھانا معلمین اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں۔ منیٰ میں چار دن کھانے پکانے کا انتظام خود کرنا ہوتا ہے، اس لئے جو ظاہر تن جنس وغیرہ اور بستر کپڑے سب لے جانا ہوں گے، غیر سامان بھی ٹھیک کر لیا جو کمی تھی، مثلاً لالٹین ٹارچ وغیرہ (خیمے کی زندگی کے لئے یہ بہت ضروری ہیں) وہ بازار سے خریدیں مطلب یہ نہیں کہ یہ سب بذات خود ہم نے کیا، کیا انھیں متین میاں نے جواب تک سب کرتے آئے ہیں یا پھر عظیم بھائی نے ۔۔۔

منیٰ کے لئے روانگی سے ایک دن قبل جمعہ تھا، ہمارا پہلا جمعہ کہ مکہ معظمہ میں یہی تھا، اور یوم حج سے اتنے قریب جو جمعہ پڑتا ہے اس میں نمازیوں کا اجتماع دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ۔۔۔ بلکہ یوم حج کے دو چار دن پہلے جب تمام حاجی ہر طرف سے سمٹ کر مکہ معظمہ میں جمع ہو جاتے ہیں پانچوں وقت کی نمازیں بھی جمعہ کی نماز کی طرح ہوتی ہیں نمازیوں کا وہی اجتماع، جگہ کے لئے وہی کشمکش دو دو گھنٹے پہلے اگر نماز پنجگانہ کے لئے نہ جائیے تو حرم شریف کے اندر جگہ پانا ناممکن، سوائے ایک عصر کی نماز کے۔ اس میں مجمع نسبتاً کم ہوتا ہے اس لئے کہ حرم شریف میں جس وقت عصر کی نماز ہوتی ہے اس وقت حنفیوں کے نزدیک نماز عصر کا وقت ہی نہیں آتا ہے، احناف کے مفتی بہ مسلک پر دو مثل سایہ جب تک نہ ہو جائے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ حنبلی مسلک پر ایک ہی مثل پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جب سے سعودی خاندان یہاں حکمراں ہوا ہے جن کا فقہی مسلک حنبلی ہے حنبلی وقت کے مطابق عصر کی نماز حرم شریف

میں ہوتی ہے۔ اس سے قبل حرم شریف میں چاروں مصلے حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی الگ الگ تھے اور الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ یہ مصلے اب توڑ دیے گئے ہیں، اور آثار قدیمہ کی طرح اب صرف ان کی زیارت کی جاسکتی ہے۔ کسی بھی فقہی مسلک کا حاجی ہو بلکہ کسی بھی عقیدے کا حاجی ہو، اگر وہ حرم شریف میں باجماعت نماز ادا کرنے کا خواہش مند ہے تو اسے حنبلی امام کی اقتدا کرنا ہوگی۔ دیکھنے میں آیا کہ عموماً تمام مسلم فرقے حرم شریف کی نماز باجماعت کی فضیلت کو تمام فقہی اور اعتقادی اختلافات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز کے انتظار میں ہم اور متین میاں مطاف میں بیٹھے تھے دیکھا دو شیعہ مجتہد نجف اشرف کے رہنے والے آئے اور اپنی عبائیں بچھا کر نوافل پڑھنے لگے۔ بالکل قریب ہی علما کو پاکر ان سے باتیں کرنے کا شوق اس لئے پیدا ہوا کہ ان کی کتابی عربی ہم سمجھ اور بول لیتے تھے وہ دونوں جب نفل سے فارغ ہوئے تو ان کو مخاطب کرکے ہم نے بات چیت شروع کردی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم ہندستانی اور لکھنوی ہیں تو وہ ہندستان میں مسلمانوں کی حالت کے بارے میں استفسارات کرنے لگے، ان میں سے ایک مجتہد مولانا سید محمد سعید صاحب کے شناسا تھے، انھوں نے ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر کیا، اس سے قبل روڑکیلا اور جمشید پور میں سخت فسادات ہو چکے تھے جن کا حال عراق کے اخباروں میں انھوں نے پڑھا تھا۔

ہم نے ان کو صاف صاف بتایا کہ ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ تنظیمیں ہیں جن میں سے بعض تنظیمیں جارحانہ انداز رکھتی ہیں اور فسادات کرانا اپنا کام سمجھتی

انھوں نے سوال کیا کہ ان فسادات میں حکومت ہند تو فریق نہیں ہوتی؟ ان کا یہ سوال ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار تھا۔ ان کو بتایا کہ جہاں تک ہندستانی مسلمانوں کا تعلق ہے وہ فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں حکومت سے احتجاج کرتے ہیں وفود لے جاتے ہیں، تو جہ نامے پیش کرتے ہیں اور کنونشن وغیرہ کرتے ہیں۔ اس کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ وہ حکومت ہند کو فسادات میں فریق نہیں سمجھتے انھوں نے کہا "تو وجہ شکایت باقی نہیں رہتی جب حکومت فسادیوں سے نپٹنے کی کوشش کرتی ہے۔"

خیر نماز مغرب کا وقت آ گیا۔ اذان ہوئی ہمارے یہاں کے دستور کے برعکس اذان اور مغرب کی جماعت شروع ہونے کے درمیان تھوڑا وقفہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ بعض صحیح حدیثوں کی متابعت میں کہ صحابہ مغرب کی اذان کے بعد جب تک حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مبارک سے برآمد نہ ہوں نفلیں پڑھنے کے لئے مسجد نبوی کے ستون کی طرف لپکتے تھے۔ اس وقفے کو حنفی مسلک کے برخلاف بہت سے احناف یہاں نوافل میں صرف کرتے ہیں اور ہم بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں ذرا کم چوکتے تھے۔

بہرحال اس وقفے کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو ان دونوں مجتہدوں نے اور ان کے ساتھ ایک اور عراقی مجتہد نے جو بعد میں آ گئے تھے حنبلی امام کی اقتدا میں نماز مغرب پڑھی۔ مالکی مسلک کے بھی بہت سے اہل سنت جو سوڈان اور افریقہ کے دوسرے ملکوں سے آئے تھے اسی حنبلی امام کی اقتدا میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے جیسے شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔

تو اب چاروں مصلے ختم ہو چکے ہیں اور ایک ہی امام حنبلی ہے پانچوں وقت کی نماز پڑھاتا ہے اور سب اس کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ عصر کی نماز میں جو احناف کے نزدیک حرم شریف میں قبل از وقت ہو جاتی ہے بعض حنفیوں کو دیکھا کہ وہ شریک نہیں ہوتے۔ جو حنفی شریک ہوتے تھے ان کی اتباع ہم نے بھی کی، اگرچہ ہمارے بزرگ مولانا مفتی محمد عتیق صاحب فرنگی محلی نے سمجھوتہ کی راہ سوجھا دی تھی کہ عصر کی نماز میں نفل کی نیت کی شریک ہو کر احناف کے وقت آجانے پر پھر عصر کی نماز پڑھ لی جائے۔ وہ اسی پر عمل کرتے تھے۔

ہمارے مولانا عتیق صاحب بھی اس سال حج کو گئے تھے ان کو، رذی الحجہ کو جمعہ کی نماز کے بعد حرم شریف میں دیکھ کر ہمیں در تعجب ہوا۔ بہت تعجب اس لئے نہیں ہوا کہ بمبئی میں سن گن مل گئی تھی کہ ان کو بھی بذریعہ ہوائی جہاز جانے کی اجازت مل گئی ہے جب انھوں نے بتایا کہ ان کی بیوی (ہماری حجی صاحبہ) بھی ساتھ آئی ہیں تو واقعی حیرت سے ان کا منھ دیکھنے لگے اگر حرم شریف میں نہ ہوتے یا ان کی بذلہ سنجی کا کوئی سابقہ تجربہ ہمیں نہ ہوتا تو ہم سمجھتے کہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ ہماری بیوی کی رشتہ میں بہن ہیں ہم ان کے ہر طرح خورد ہونے کے باوجود ہم زلف بھی ہیں۔ اس لحاظ سے ہم دونوں میں مذاق کی گنجائش بھی تھی!

آخر ان کی بیمار اہلیہ کس طرح آ گئیں؟ جب لکھنؤ میں مولانا عتیق صاحب سے رخصت ہونے کے لئے ہم گئے تھے تو حج کے سلسلے میں بہت سی گداز قلب کی باتیں انھوں نے کی تھیں۔ یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ بھی کوشاں ہیں؟ پھر انھوں نے اپنی بیوی کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے معالجین کی رایوں کے پیش نظر خاصی تشویش

ظاہر کی تھی۔ جب ہم ان کی اہلیہ سے رخصت ہونے گئے تو ان کی کمزوری کا حال آنکھوں سے دیکھ کر ابھی خاصی تشویش خود ہم کو ہوگئی تھی۔ وہ اسی وقت بیت الخلاء سے آئی تھیں بمشکل دس قدم چلنا پڑا ہوگا، بے حال ہو کر تخت پر بیٹھ گئیں تھیں دیر تک سانس بھی ٹھیک طریقے سے وہ نہ لے پائی تھیں۔ پندرہ بیس دن ہی پہلے کی تو بات ہے!

جب مولانا عتیق صاحب نے اپنی بیوی کی آمد کا ذکر کیا تو ہم دیکھ رہے تھے کہ ان کا چہرہ بشرہ مطمئن بھی تھا اور مسرور بھی۔ یا رب! ایسی بیمار خاتون کو یہاں لے آنے کا جذبہ تو خیر سمجھ میں آ سکتا تھا لیکن یہ اطمینان کیا معنی؟ کیا ان کو اتنے بڑے اقدام کے خطرات کا کوئی اندازہ نہیں؟ یہ ہم سوچنے لگے۔ اس کے بعد جب بیمار حاجی صاحبہ سے ملنے گئے تو باوجود سنگین علالت کے ان کی شادمانی دیکھ کر تو حق الیقین ہوگیا کہ حاجی حاجی مرتبے میں برابر نہیں ہوتے۔ اس وقت اپنی گھبراہٹوں پریشانیوں اور بدحواسیوں پر لاحول پڑھنے کا جی چاہا اور اپنی جگہ پشیمانی سی ہونے لگی ــ سچ ہے ہم سیہ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے "ان کی ہرگز برابری نہیں کر سکتے جو "خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات" سے خاص معاملے رکھتے ہیں

---

۸ ذی الحجہ کو جمعہ تھا ہی۔ اگر جمعہ نہ ہوتا تب بھی آج ظہر کی نماز کے وقت حرم شریف کا امام ایک خطبہ دیتا جس میں وہ سرکاری طور پر اعلان کرتا کہ اس سال حج کس دن ہوگا مناسک حج کی تفصیل بتاتا۔ جمعہ کا دن تھا اس لئے خطبۂ جمعہ کے ضمن ہی میں خطبۂ حج کا فرض بھی ادا ہوگیا۔

اس نماز جمعہ میں حرم شریف کے اندر نمازیوں کا جو ازدحام تھا اس کا ذکر کیا کریں۔ ہم تین میاں مولانا محمد میاں الہ آبادی اور ہم کو زیر تعمیر حرم کی ان سیڑھیوں سے ایک سیڑھی پر جو عمارت کی اوپری منزلوں کو جاتی ہیں بدقت تمام جگہ ملی ایک زینے کی اوقات ہی کیا بس اتنی جگہ ملی کہ نماز سے پہلے انتظار نماز میں بیٹھ سکے۔ اتنے میں لیبیا کا ایک حاجی احرام باندھے آیا اور ہم سے جو سکڑے سمٹے بیٹھے تھے جگہ مانگنے لگا۔ رسماً اس نے جگہ مانگی تھی ہماری رضامندی اور منظوری کا انتظار کئے بغیر ہی وہ ہمارے پیچھے اپنی چھتری اور جوتا رکھ کر ہمارے آگے بیٹھ گیا۔ محمد میاں صاحب الہ آبادی کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر ہم بھی فراخ دلی دکھانے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ لیا کہ یہ حرم شریف ہے اپنے ملک کی مسجد نہیں جہاں ایسی حرکت پر لوگ لڑ پڑتے ہیں

آب زمزم پلانے والے لمبی لمبی صراحیاں لئے کٹورے بجاتے ہر نماز کے وقت صفوں کے درمیان گھوما کرتے ہیں۔ چونکہ دو دو گھنٹے قبل نمازی صفیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور پیاس بجھانے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ نہیں سکتے اس لئے زمزم کی پلانے والوں کی ضرورت بہت رہتی ہے۔ زیادہ نہیں ایک قرش (ریال کا بیسواں حصہ) یا اپنے دو آنے زمزم پلانے والوں کی نذر کر دیجئے۔ اور کبھی بغیر کچھ نذر کئے زمزم پلانے والا پلا جاتا ہے یا اس وقت جب کوئی حاجی اسے ایک ریال دے کر ایک کٹورہ خود پیتا ہے باقی سبیل کر دیتا ہے۔ ہمارے پاس بیٹھ جانے والے لیبیائی حاجی نے زمزم والے کو ایک ریال دیا اور سبیل کر دیا اس نے ہم تینوں کو لیبیائی حاجی کو اور دو چار اور حاجیوں کو یعنی اندازاً اتنے حاجیوں کو جتنوں کو زمزم پلا کر وہ ایک ریال اکٹھا کر سکتا ایک ایک کٹورہ پلایا۔ اس طرح سبیل کرنے کا

دستور پہلی دفعہ ہمارے تجربے میں آیا۔

جمعہ کا خطبہ ہوا۔ بس یہ سنائی دیا کہ خطبہ ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ حرمین محترمین میں خطبہ، نماز، تکبیرات، اذان سب لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں بلکہ جدہ ریڈیو، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مغرب کی نمازیں روزانہ ریلے بھی کرتا ہے۔ چونکہ نماز کی تکبیریں امام کے سامنے والے میکروفون سے بھی نشر ہوتی ہیں اور مکبرین کے سامنے والے میکروفونوں سے بھی اور بلند آواز سے ہوتی ہیں اس لئے وہ بخوبی سنائی دیتی ہیں خطبہ صرف امام کے سامنے والے میکروفون سے نشر ہوتا ہے وہ پوری طرح سنائی نہیں پڑا۔ مختصر خطبہ تھا جس کے بعد جماعت شروع ہوئی۔ امام کے سلام پھیرنے کے فوراً ہی بعد لیبیائی حاجی نے ہماری طرف جو اس کے داہنے پر تھے دونوں ہاتھ بڑھائے پہلے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں ہاتھ بڑھائے ہیں پھر اندازہ ہوا کہ مصافحہ کرنا مقصود ہے اس نے ہم سے اور بائیں طرف بیٹھے تمکین میاں اور محمد میاں صاحب الٰہ آبادی سے مصافحہ کیا۔ خیال ہوا کہ یہ کوئی خوش اخلاق حاجی معلوم ہوتا ہے۔ پھر تو کئی موقعوں پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں سلام پھیرتے ہی پڑوسی مقتدیوں سے مصافحے کرنا پڑے

جناب محمد مسلم صاحب (ایڈیٹر روزنامہ "دعوت" دہلی) نے اس مصافحہ کی نوعیت پر ایک دن روشنی ڈالی وہ جماعت میں ایک دفعہ ہمارے پاس ہی تھے اس طرح مصافحے ہونے کے بعد انھوں نے کہا "یہ اچھی بات ہے"

پوچھا "کس لحاظ سے؟"

انھوں نے کہا "جماعت میں مقتدیوں کی کش مکش سے جو تھوڑی بہت زحمت ایک کو دوسرے سے پہنچتی ہے یہ مصافحہ اس کی تلافی میں کیا جاتا ہے؟"

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ریاض الجنۃ کے مختصر مگر مقدس ترین مقام میں ہم کو عصر کے وقت خوش قسمتی سے جگہ مل گئی۔ طے کر لیا کہ عصر کی نماز کے بعد بھی بیٹھے رہیں گے اور مغرب کی نماز بلکہ عشا کی نماز پڑھ کر اٹھیں گے ایسے مواقع کہاں نصیب ہوتے ہیں۔ بیٹھے رہے، سامنے الماریوں میں قرآن شریف رکھے تھے نکالکر پڑھنے لگے اتنے میں مغرب کی اذان کا وقت آ گیا اور تلاوت کرنے والے اپنے قرآن شریف حاجیوں کے سپرد کرنے لگے۔ ایک ادھیڑ عرب نا گہاں چاند تا آیا اور ہمارے صف میں بیٹھنے کے لئے جگہ چاہنے لگا۔ سر کنے تک کی گنجائش وہاں نہ تھی۔ ایک ہی صورت تھی کہ اپنی جگہ اس کو دے کر خود دھکے کھاتے پیچھے کہیں جا کر کھڑے ہوجائیں کسی دینی فضیلت کے حاصل کرنے والے پر ایثار لازم نہیں ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پس خوردہ عنایت فرمایا جو حضور انورؐ کی داہنی طرف مجلس مبارک میں تھے بائیں طرف حضرت عباسؓ ان کے والد اور حضور انور کے سگے چچا تشریف فرما تھے حضور انورؐ نے داہنی طرف والے کے حق کو مرجح قرار دیتے ہوئے ابن عباسؓ کو پس خوردہ عطا فرمایا اور یہ بھی فرما دیا کہ "پسند کرو تو اس میں سے عباسؓ کے لئے بھی چھوڑ دینا۔"

ابن عباسؓ نے بے ساختہ عرض کیا کہ حضورؐ انور کے پس خوردہ کے حصول کی سعادت میں میں ادنیٰ ایثار بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں" یہ کہہ کر پورا پیالہ دودھ کا پی لیا۔ بلکہ پیالہ کو انگلیوں سے چاٹ تک لیا۔ حضرت عباسؓ جن کو حضور انورؐ کے پس خوردہ نصیب نہ ہونے پر ایک طرح سے قلق ہوا تھا یہ دیکھ کر کہ حضور انورؐ کے

دہان مبارک کے چھوٹے ہوئے پیالہ اور بس خود دودکا یہ احترام ان کا بیٹا کرنا ہے خوش ہوگئے۔ اس سے محدثین نے نتیجہ نکالا ہے کہ دینی فضیلت کے معاملے میں "ایثار" لازم نہیں ہوتا۔

ہم نے خود اٹھ کر دوسرے کے لئے جگہ خالی کر دینے سے انکار کر دیا عرب صاحب نے ناگواری سے کہا "آپ مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ مجلس میں جب جگہ مانگی جائے تو جگہ نکالو"

ہماری نظر میں اس استدلال کا زیادہ وزن نہ تھا اس لئے کہ سروں اور گردنوں پر پھاندتے ہوئے اگلی صف میں بیٹھنے اور صف اول کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش سے صراحتاً ممانعت شریعت میں وارد ہوئی ہے۔

بہرحال عرب صاحب کے لئے جگہ تین چار بلکہ پانچ چھ آدمیوں کے سمٹنے سے بہ مشکل نکلی نماز کے بعد ہم سمجھے کہ وہ بھی اس کلفت و زحمت پر جو ان کی وجہ سے صف والوں کو ہوئی مصافحہ کریں گے مگر ایسا نہ ہوا، اب ہم نے خود ان سے صفائی کے لئے مصافحہ کیا اور اپنی بے مروتی پر معافی مانگ لی، وہ مدینہ شریف میں رہتے تھے اور بتایا کہ وہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کی اولاد میں ہیں یعنی وہ ہمارے ہم جد نکلے۔

خیر، ۸ ذی الحجہ کو جمعہ حرم شریف میں پڑھا جو ہمارا پہلا جمعہ تھا، اس سے طبیعت میں سرور کی سی کیفیت پائی مگر اس سرور کو اگلی آنے والی منزلوں کا تصور بار بار مغلوب کرنا چاہتا تھا۔

مستحب تو یہ ہے کہ آج کا دن گذار کر رات کو عشا کی نماز حرم میں پڑھ کر رات ہی میں کسی وقت حج کا احرام وہ لوگ باندھ لیں جو عمرہ ادا کرکے احرام اتار چکے

تھے جو حوصلہ مند قران (حج اور عمرے دونوں) کا احرام میقات میں باندھ چکے تھے انہوں نے نہ اپنا احرام اتارا تھا نہ انھیں دوبارہ باندھنا تھا۔

عشا کی نماز حرم میں پڑھ کر ہم لوگ کھانا کھانے قیام گاہ واپس آ گئے اور پھر صبح ۸ ذی الحجہ کو وہیں سے احرام باندھ کر اس ٹیکسی سے جو پہلے سے طے ہو چکی تھی منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹیکسیوں اور بسوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہمارے آگے پیچھے تھا اور ٹریفک کنٹرول کے لئے جگہ جگہ سپاہی کھڑے تھے اس وقت سب سواریاں ایک ہی سمت جا رہی تھیں آنے والی سواریوں کا کوئی سوال نہ تھا اس لئے بڑی آسانی سے پہاڑی نشیب و فراز کی حامل چار میل کی مسافت طے کر کے ہم لوگ منیٰ میں پہونچ گئے ــــ ہم سے پہلے بھی ہزاروں حاجی وہاں پہونچ چکے تھے، ٹیکسی سڑک پر ایک جگہ رک گئی، اپنے معلم مولانا عبدالهادی سکندر کا "ملا" منیٰ میں کہاں ہے یہ ہمیں تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ہمارا ٹیکسی ڈرائیور جانتا تھا، اتفاق سے سڑک ہی پر معلم کے صاحبزادے عبدالوالی مل گئے جہاں ٹیکسی رکی تھی وہیں سے ایک مڑنے والی سڑک پر پہلی قطار میں تیسرا خیمہ ہم لوگوں کا تھا ٹیکسی وہاں تک بھی جا سکتی تھی سامان اتارنے کے لئے اُسے لے جانا ضروری بھی تھا ورنہ اس مسافرانہ مختصر سامان کے بھی تین چار ریال تو دینا ہی ہوتے۔

منیٰ کو ایک قصبہ سمجھئے، جہاں پختہ عمارتیں بھی ہیں ہوٹل بھی اور مستقل آبادی بھی مگر آج وہ قصبہ نہیں بڑے بڑے شہروں میں کا ایک شہر ہے ہوٹل، کچھ سرکاری ہیں جن میں سعودی حکومت کے مہمان قیام کریں گے باقی نجی ہیں جن میں صاحبان ثروت اور خوش حال حاجی ہزار ڈیڑھ ہزار ریال چار دن کے دے کر قیام پذیر

ہوں گے۔ باقی قطعات ہیں یعنی میدان جو قطعہ قطعہ (پلاٹ پلاٹ) کرکے تمام معلموں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا علاقہ ہے۔ سب کا چکر لگانا کسی کے بس کی بات نہیں ہمارے معلم کا علاقہ خوش قسمتی سے اصل سڑک سے ملی ہوئی سڑک کے شروع ہی میں تھا۔ یہاں سے مسجد خیف ـــ وہ مقدس مقام جہاں "حجۃ الوداع" میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک خیمہ ایستادہ ہوا تھا ـــ چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ ہر معلم کا الگ جھنڈا ہوتا ہے جو اس کے علاقے میں بہت اونچے بانس پر لہرایا کرتا ہے بھیڑ میں گم ہونے والا حاجی اس جھنڈے کو دیکھ کر اپنے معلم کے علاقے میں واپس آ سکتا ہے۔ ـــ یہ بھی سنا خود تجربہ نہیں ہوا کہ مسجد خیف میں معلمین کے کارندے اپنے اپنے جھنڈے لئے بیٹھے ہوتے ہیں اگر کوئی بھولا بھٹکا راستہ نہ پا سکے تو مسجد خیف چلا جائے وہاں جھنڈے سے معلم کے کارندے کو پہچان لے وہ اُسے علاقے تک پہونچا دیں گے۔

منیٰ اور عرفات میں

مکہ معظمہ سے تقریباً چار میل دور منیٰ میں ۸ ذی الحجہ کو اپنی گھڑی سے ۹ بجے دن میں پہونچ گئے تھے اور ایک خیمہ میں فروکش ہو گئے تھے، اپریل کی ۱۰ تاریخ تھی ہمارے حساب سے ایسی گرمی کے دن نہ تھے کہ خیمے تپنے لگیں یا سایہ میں بھی گرمی کی شدت پریشان کرے۔ لیکن جہاں ہم تھے وہ پہاڑی علاقہ چٹانوں اور پتھروں کی سرزمین تھا صبح ہی سے اس کا تپنا برحق تھا، پھر ریگستان اور پہاڑی علاقے میں جہاں تک دن کا تعلق ہے اپریل کا مہینہ ہمارے یہاں کے مئی کے مہینے سے بھی زیادہ گرم ہوتا ہے۔

خیمے بھی بس اکہرے کپڑے یا ٹاٹ کے اتنے بڑے تھے کہ چار یا پانچ بستر بچھ جائیں پھر خیمے کے اندر جوتے اتارنے کی بھی جگہ نہ رہے۔

آج یہاں کوئی خاص کام حج سے متعلق نہ تھا؛ بچھونے بچھائے سامان رکھا اور اس تپش میں آرام کرنے کی سوچنے لگے۔

ہمارے معلم صاحب کے خیموں کا پورا سلسلہ ہمارے جاننے والوں ہی سے آباد

تھا۔ پہلے خیمے میں لکھنؤ کے مسٹر اشتیاق احمد عباسی بیرسٹر کی بیوی بیگم اختر اشتیاق
تھیں۔ دوسرے میں شیخ ظہور الحسن (ریٹائرڈ سکریٹری محکمہ مال یو۔پی) ان کی اہلیہ ان
کے چھوٹے بھائی شیخ محمود الحسن ریٹائرڈ جوڈیشل مجسٹریٹ (اور ہمارے حج ویلفیئر
آفیسر) اور ان کی اہلیہ۔ تیسرے خیمے میں ہمارا قیام تھا، چوتھے میں سید اکرام الحق
(لاٹوش روڈ لکھنؤ) ان کی اہلیہ، عارف خیرآبادی عرف ملا میاں، اصغر علی انصاری
(لاٹوش روڈ لکھنؤ) رفیق صاحب اور ان کے صاحبزادے (یحییٰ گنج چوراہے پر
جن کی لانڈری ہے) اس کے آگے ہمارے عزیز شیخ ظہیر حسین (رکاب گنج) سعید الظفر
اور رشید الظفر (لکھنؤ) مولانا محمد اویس نگرامی (استاد دارالعلوم ندوہ) مع اہلیہ اور
ہمارے بزرگ عزیز مولانا محمد عتیق فرنگی محلی اور ان کی اہلیہ وغیرہ۔ خیموں کے
سلسلے کے پیچھے بڑا سا شامیانہ تھا اس میں اترپردیش کے چالیس پچاس حاجی
اور حجنیں تھیں۔

خیموں کے سامنے سڑک تھی کوئی آٹھ دس فٹ چوڑی کہ موٹر اور بس
گزر سکے سڑک کی دوسری سمت پھر خیمے اور شامیانے تھے جس میں دوسرے معلمین
کے حجاج قیام پذیر تھے۔ خیموں اور شامیانوں کا یہ سلسلہ تاحد نظر دکھائی دیتا تھا،
گھوم پھر کر دیکھنے کی ہمت تو نہ ہوئی، دور ہی سے دیکھتے تھے۔

دور سے دیکھا تو ہم لوگ جن پہاڑوں کے درمیان مقیم تھے ان پہاڑوں پہ
نیچے سے اوپر تک چٹانوں کی آڑ میں لاکھوں آدمی ٹھہرے ہوئے تھے، نہ خیمے نہ
شامیانے، نہ دھوپ سے بچنے کے لئے چھتریاں نہ پردے، ان میں بچے بھی ہوں گے
ضرور، مگر ہمیں نیچے سے دیکھنے میں سب ہی ننگے نظر آتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے قد

حرکت کرتے دکھائی پڑتے، رات کے وقت جب پہاڑ کے باشندوں کی لالٹینیں ایک ساتھ جلیں تو اندازہ ہوا کہ نیچے سے کئی گنا زیادہ آبادی اوپر مقیم ہے۔ مگر یہ سب عرب کے باشندے اور زیادہ تر اعراب (دیہی باشندے) تھے، جو پہاڑوں پر بے تکلف ٹھہر گئے تھے۔

آج کل منیٰ کی آبادی کی نہ پوچھئے، ۱۴ لاکھ انسان یہاں بسے ہوئے تھے۔ کوہ اور دامنِ کوہ کی آبادی کو ملا کر۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے سلسلے میں منیٰ تشریف لائے تھے ــــــ اور صرف ایک ہی بار آپ نے حج فرمایا وہی حج اولین تھا اور وہی وداعی (آخری) ــــــ تو منیٰ صرف ایک میدان تھا جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، آپ نے خیمہ نصب فرما کر مسجد خیف ہی میں قیام فرمایا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو حضور کے قیام کے لئے ایک مکان یہاں بنا دیا جائے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عرضداشت کو نامنظور فرمایا۔

اس وقت سینکڑوں ہزاروں پختہ اور عالی شان مکان منیٰ میں نئے اور پرانے ہیں، یہ صرف چار پانچ دن کے لئے آباد ہوتے ہیں پھر خالی پڑے رہتے ہیں۔ ان کا مکان ان کا کرایہ اسی طرح لیتے ہیں جیسے ہمارے یہاں نینی تال اور مسوری کے مکان مالکان کا دستور ہے کہ پورے سیزن کا کرایہ انہیں ملنا چاہئے چاہے دو دن رہنا ہو، منیٰ میں تو پانچ دن سے زیادہ رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کرایہ پورے سال بھر کا دینا ہوتا ہے۔

ہمارے سفارت خانے کو دوسرے تمام ملکوں کے سفارت خانوں کی طرح

منیٰ میں اپنا عارضی دفتر کھولنا ہوتا ہے، اپنے حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے۔ اس میں ڈسپنسری بھی ہوتی ہے اور مریضوں کے پلنگ بھی۔ سفیر اور ان کے عملے کے قیام کے لئے کمرے بھی، اور عام حاجیوں کو حکومت ہند کی طرف سے برف کا پانی پلانے کے لئے سبیل رکھنے کی گنجائش بھی۔

سفارت خانے کی ضروریات کے لئے ایک متوسط درجے کا تین منزلہ مکان سب سے پہلے لیا گیا تھا، پانچ دن کے لئے صرف، جس کا کرایہ سولہ ہزار ریال ادا کیا گیا۔ سرکاری ہسپتال اور دوسری ضروریات کے دفاتر بھی یہاں ہیں ان کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بطرز جدید بن گئی ہیں۔ بجلی بھی ہے اور واٹر ورکس بھی، دکانیں بھی ہیں ہوٹل بھی اور شاہی افراد کے لئے محلات بھی!

منیٰ وہ تاریخی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام اپنے خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لئے اپنے بیٹے اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو ذبح کرنے لائے تھے۔ اور راستے میں تین جگہ شیطان نے ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے بہکانے کی کوشش کی تھی۔

پھر اس خواب کی تعبیر بیٹے کے بجائے دنبے کے ذبح کرنے سے پوری ہوئی۔ اس کے بعد سے آج تک قربانی کی رسم جو جاری ہے یہ اسی "ذبح عظیم" کی یاد میں ہے بلکہ پورا حج دراصل سنت ابراہیمی کی پیروی ہے۔

یہاں تین شیطان بنے ہوئے ہیں (مجسمے یا بت نہیں صرف علامتیں) جن کو کنکریاں مارنا حج کے مناسک میں ہے۔

یہیں مسجد خیف ہے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا تھا۔

صحن مسجد میں آپ کا قیام تھا جہاں ایک قبہ بطور مبارک یادگار کے بنا دیا گیا تھا قبہ اب بھی موجود ہے۔

آج ۸ ذی الحجہ کو یہاں کوئی خاص کام نہ تھا صرف پانچ وقت کی نمازیں یہاں ادا کرنا تھیں، کیا اچھا ہوتا کہ یہ نمازیں وہیں مسجد خیف میں ادا ہوتیں جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی تھیں مگر پانچ کیا، ایک نماز بھی وہاں نصیب نہ ہوئی ہم میں سے بہتوں کو اپنی قیام گاہوں ہی میں کبھی جماعت سے کبھی بغیر جماعت نماز پڑھنا پڑی

مسجد خیف میں یا اس سے قریب تر کہیں قیام کرنا افضل ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ لوگوں نے مسجد خیف کو سرائے بنا رکھا ہے اور سعودی حکومت نے اس صورت حال سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے، مرد، عورتیں بچے ہنڈیا چولہا سمیت اس وسیع وعریض مسجد میں ہر طرف اس طرح قیام پذیر ہیں کہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے مسجد کے اندر پہونچنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

ایک دفعہ مسجد کی زیارت کے لئے نماز کے اوقات کے علاوہ گئے تو اندرون مسجد کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسے صاف کئے بغیر دو رکعتیں نفل کی پڑھ لیتے، پختہ سنگ مرمر کا فرش مگر وہ بھی صاف نہیں رہ پاتا۔

احرام باندھ کے کہ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے۔ احرام باندھے رہنا ہو موٹا تولیہ ہم نے احرام کے لئے منتخب کیا تھا کہ اس سے دیڑھ کی ہڈی دھوپ کی تمازت سے بچی رہتی ہے سو اس گرمی میں وہ بھی بار بار اپنی یاد دلاتا رہتا تھا۔

پھر اپنے خیمے میں بچھونے بچھا کر دس بجے دن کے قریب ہم نے سونے کا ارادہ کیا

اور باوجود تپش کے آنکھ لگ بھی گئی تھوڑی دیر ہوئی ہوگی کہ جگانے سے اٹھے دیکھا ہمارے سفیر احرام پوش کھڑے ہیں جگا رہے تھے۔

"تم پڑے سو رہے ہو اور ہم اس گرمی میں جگہ جگہ گھوم رہے ہیں۔"

ہم نے معذرت کی کہ "تھکن معلوم ہو رہی ہے سو جانے دیجئے۔"

مدد بھائی نے معذرت قبول نہیں کی پہلے حکم دیا کہ خواتین کو خیمے سے سفارت خانے پہنچا دو جہاں مدد بھائی کی بیوی تھیں۔

ایک صاحب کو ساتھ کیا کہ وہ سفارت خانہ کا پتہ بتا دیں گے۔

ایک میل سے کم مسافت ہوگی ہماری قیام گاہ سے سفارت خانے کی مگر یہاں سے وہاں تک ٹیکسی جا نہیں سکتی ممنوع ہے۔ امی وغیرہ کو اتنی دور پیدل چلانا بھی ٹھیک نہ تھا یتین میاں نے ایک خچر گاڑی طے کری اس کو اجازت تھی اس پر سب کو بدقت تمام سوار کرکے سفارت خانے پہونچایا۔ ہم تین آدمی یتین میاں عظیم بھائی اور ہم خیمے میں آ گئے۔

یہاں کھانے پینے کی دوکانیں بہت ہیں اور ہم لوگ کیا سب ہی لوگ کھانا پکانے کا سامان ساتھ لائے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں نے خرید ہی کر کھایا۔ آج ہی تو ٹھہرنا ہے کل صبح عرفات جانا ہے ہمارے سفیر اپنے عملے کے بعض افراد کے ساتھ منی میں مقیم ہندستانیوں کی خیر خبر لینے کے لئے دورے پر چل پڑے۔ سب ہندستانی حاجی ایک ہی جگہ تو ٹھہرے نہیں تھے اپنے اپنے "معلمین" کے علاقوں میں جابجا ٹھہرے تھے ان سب تک پہونچنا مدد بھائی نے ضروری سمجھا سب کی ضروریات پوچھیں مولانا اویس صاحب کی اہلیہ کو بہت سخت بخار تھا ان کے لئے اپنے ڈاکٹر کو بلوایا

اس طرح تمام ہندستانیوں کی خیر سلا پوچھتے ہوئے اور جو انتظامات سفارت خانے کے عارضی دفتر کے ذریعہ ممکن تھے ان کا بندوبست کرتے ہوئے نہ معلوم کب بجے اپنے دفتر واپس ہوئے ہوں گے۔ ایک دن میں ہر جگہ وہ پہونچ بھی نہ پائے تھے۔

کل صبح عرفات کے لئے روانگی ہے۔ ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے جو نوجوان آدمی ہے ہدایت کی کہ فجر کی نماز کے بعد ہی یہاں سے عرفات چل دیں۔ مگر اس کے حکم کی تعمیل میں دشواری یہ تھی کہ صبح خواتین کو سفارت خانے سے خیمے تک لانا تھا ٹیکسی وہاں جا نہیں سکتی تھی یک طرفہ ٹریفک کی وجہ سے یہاں سے پیدل جانا ہوگا وہاں سے عورتوں کو پیدل ہی لانا ہوگا۔ خچر گاڑیاں اور گدھا گاڑیاں سب عرفات کے لئے بک ہو چکی تھیں یہ اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا۔

وہی ہوا کہ فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونے کے بجائے کوئی آٹھ بجے دن کو ہمارا قافلہ منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوا۔ آٹھ دس میل کی یہ مسافت تھی اور نا تجربہ کاری سے سمجھ رہے تھے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں عرفات پہونچ جائیں گے۔ چار گھنٹے میں وہاں پہونچے تو سمجھے بڑی دیر کی پہونچنے میں۔ بعد میں پتہ چلا کہ بہت جلدی پہونچے بعض اللہ کے بندے آٹھ دس گھنٹے میں منیٰ سے عرفات پہونچ پائے ؎

رہ رو راہ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

منیٰ سے عرفات پہنچنا، اس دفعہ وہ مشکل مرحلہ ثابت ہوا کہ سب ہی کے چھکے چھوٹ گئے۔ ٹریفک کا بہت ہی معقول انتظام تھا۔ یکطرفہ ٹریفک تھی اور جگہ جگہ ٹریفک کنٹرول کے لئے احرام پوش افراد سونٹے ہاتھوں میں لئے متعین تھے۔ بیشتر ان میں نوجوان

اور باوجود تپش کے آنکھ لگ بھی گئی تھوڑی دیر ہوئی ہوگی کہ جگانے سے اٹھے دیکھا ہمارے سفیر احرام پوش کھڑے ہیں جگا رہے تھے۔

"تم پڑے سو رہے ہو اور ہم اس گرمی میں جگہ جگہ گھوم رہے ہیں۔"

ہم نے معذرت کی کہ "تھکن معلوم ہو رہی ہے سو جانے دیجئے۔"

مدد بھائی نے معذرت قبول نہیں کی پہلے حکم دیا کہ خواتین کو خیمے سے سفارت خانے پہنچا دو جہاں مدد بھائی کی بیوی تھیں۔

ایک صاحب کو ساتھ کیا کہ وہ سفارت خانہ کا پتہ بتا دیں گے۔

ایک میل سے کم مسافت ہوگی ہماری قیام گاہ سے سفارت خانے کی مگر یہاں سے وہاں تک ٹیکسی جا نہیں سکتی ممنوع ہے۔ امی وغیرہ کو اتنی دور پیدل چلانا بھی ٹھیک نہ تھا متین میاں نے ایک خچر گاڑی طے کرلی اس کو اجازت تھی اس پر سب کو بدقت تمام سوار کرکے سفارت خانے پہونچایا۔ ہم تین آدمی متین میاں عظیم بھائی اور ہم خیمے میں آئے۔

یہاں کھانے پینے کی دوکانیں بہت ہیں اور ہم لوگ کیا سب ہی لوگ کھانا پکانے کا سامان ساتھ لائے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں نے خریدی کر کھایا۔ آج ہی تو ٹھہرنا ہے کل صبح عرفات جانا ہے ہمارے سفیر اپنے عملے کے بعض افراد کے ساتھ منیٰ میں مقیم ہندستانیوں کی خیر خبر لینے کے لئے دورے پر چل پڑے۔ سب ہندستانی حاجی ایک ہی جگہ تو ٹھہرے نہیں تھے اپنے اپنے "معلمین" کے علاقوں میں جا بجا ٹھہرے تھے ان سب تک پہونچنا مدد بھائی نے ضروری سمجھا سب کی ضروریات پوچھیں مولانا اویس صاحب کی اہلیہ کو بہت سخت بخار تھا ان کے لئے اپنے ڈاکٹر کو بلوایا

اس طرح تمام ہندستانیوں کی خیر سلا پوچھتے ہوئے اور جو انتظامات سفارت خانے کے عارضی دفتر کے ذریعہ ممکن تھے ان کا بندوبست کرتے ہوئے نہ معلوم کے بجے اپنے دفتر واپس ہوئے ہوں گے۔ ایک دن میں ہر جگہ وہ پہونچ بھی نہ پائے تھے۔

کل صبح عرفات کے لئے روانگی ہے۔ ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے جو نوجوان آدمی ہے ہدایت کی کہ فجر کی نماز کے بعد ہی یہاں سے عرفات چل دیں۔ مگر اس کے حکم کی تعمیل میں دشواری یہ تھی کہ صبح خواتین کو سفارت خانے سے خیمے تک لانا تھا ٹیکسی وہاں جا نہیں سکتی تھی یک طرفہ ٹریفک کی وجہ سے یہاں سے پیدل جانا ہوگا وہاں سے عورتوں کو پیدل ہی لانا ہوگا۔ خچر گاڑیاں اور گدھا گاڑیاں سب عرفات کے لئے بک ہو چکی تھیں یہ اتنی جلدی کیسے ہو پائے گا۔

وہی ہوا کہ فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونے کے بجائے کوئی آٹھ بجے دن کو ہمارا قافلہ منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوا۔ آٹھ دس میل کی یہ مسافت تھی اور ناتجربہ کاری سے سمجھ رہے تھے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں عرفات پہونچ جائیں گے۔ چار گھنٹے میں وہاں پہونچے تو سمجھے بڑی دیر کی پہونچنے میں۔ بعد میں پتہ چلا کہ بہت جلدی پہونچے بعض اللہ کے بندے آٹھ دس گھنٹے میں منیٰ سے عرفات پہونچ پائے ؎

رہ دیر راہ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

منیٰ سے عرفات پہنچنا، اس دفعہ وہ مشکل مرحلہ ثابت ہوا کہ سب ہی کے چھکے چھوٹ گئے۔ ٹریفک کا بہت ہی معقول انتظام تھا۔ یک طرفہ ٹریفک تھی اور جگہ جگہ ٹریفک کنٹرول کے لئے احرام پوش افراد سونٹے ہاتھوں میں لئے متعین تھے۔ بیشتر ان میں جوان

نظر آتے تھے خیال ہوا کہ یہاں پولیس میں سب نوجوان ہی ہیں مگر یہ خام خیالی تھی یہ نوجوان سعودی کنبے کے چشم و چراغ تھے سلطان ابن سعود کے زمانے سے یہ دستور ہے کہ عرفات اور منیٰ کے راستے پر ٹریفک کی دیکھ بھال شاہی خاندان کے نوجوانوں کے سپرد رہتی ہے۔

معزول شاہ سعود بھی اپنی ولی عہدی کے زمانے میں یہ خدمت انجام دیتے تھے بلکہ ان کے سلسلے میں ہمارے حاجی نقیر محمد صاحب نے تو ایک دلچسپ لطیفہ بھی سنایا غالباً سنہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔ سلطان ابن سعود کا زمانہ تھا، حاجی صاحب بھی اس سال گئے تھے اور ہمارے ایک پھوپھا حاجی وکیل احمد قدوائی بھی۔

ہمارے پھوپھا علاوہ بہت سی منفرد خصوصیات کے تعلقات پیدا کرنے میں بڑے حاتم ہیں۔ جہاز پر انھوں نے جن بہت سے لوگوں سے تعلقات پیدا کئے ان میں ایک مدراسی تاجر بھی تھا جس کا ربر کا کاروبار تھا۔ اس نے ربر کے کچھ تکئے انھیں دیئے عرفات میں انھیں تکیوں میں ہوا بھرنے کی ضرورت پیش آئی۔ منحنی جسم اور سینہ قدرت کے پھیپھڑوں میں اتنا بوتا کہاں کہ وہ موٹے ربر میں ہوا بھر پائے یہ بچارے ہوا بھرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئے جارہے تھے۔ سامنے سڑک پر ٹریفک کنٹرول کرنے والا ایک چھ فٹ سے بھی اونچا مضبوط جسم کا آدمی کھڑا تھا اس کے پاس تکیے لئے پہونچے اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ ان کی اور وہ ان کی زبان سے نابلد۔ اس نے اشارے سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" انھوں نے انگلی سر سے اونچی کر کے گھمائی اور زبان سے "طیارہ" کہا گویا ہوا میں جس طرح طیارہ پرواز کرتا ہے اسی طرح اس ربر کے خول میں ہوا چاہئے اور منہ سے پھونکنے کی کیفیت دکھا کر اس کوئیل عرب کے سامنے اپنی ضرورت کو مجسم

کر دکھانے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ گیا اور پوری قوت سے تکیے میں پھونکا وہ پھول کر کپا ہو گیا۔ فدائی صاحب تو اپنا کام لے کر چلے آئے۔ بعد کو لوگوں نے انھیں بتایا کہ یہ ولی عہد شاہزادہ سعود تھے۔

تو شاہی خاندان کے افراد جو بجائے خود ایک پلٹن کے برابر تھے احرام باندھے چلچلاتی دھوپ میں سعودی پولیس کے ساتھ ٹریفک کنٹرول کرنے پر مامور تھے مگر کنٹرول بے قاعدگی ہی پر کیا جاتا ہے!

موٹروں، ٹیکسیوں، بسوں اور اسٹیشن ویگنوں کی تین تین قطاریں منیٰ سے عرفات جانے والی چوڑی سڑک پر یک طرفہ چل رہی تھیں اور کسی کو اپنی قطار یا دوسری قطار کی کسی اگلی سواری کو پار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کیسی ہی سست رفتار سے بھی قطاریں چلتی رہتیں تو ڈھائی گھنٹے میں منزل مقصود پر پہونچ جاتیں مگر اس کا کسی کے پاس علاج نہ تھا کہ قطار کی اگلی موٹر یا بس اگر بگڑ جائے!

چالیس پچاس ہزار موٹروں اور بسوں میں ایک دو نہیں سینکڑوں کا چلتے چلتے بگڑ جانا بدیہی ہے اور قطار کی ایک گاڑی بگڑی تو وہ قطار جم کر رہ گئی، جب تک گاڑی درست نہ ہو اور آگے نہ بڑھے پیچھے والی گاڑیاں کیسے چلیں کچھ عجلت پسندوں نے قطار سے نکل کر اور سڑک سے ہٹ کر ریت میں گاڑیاں ڈال دیں۔ اپنے حساب اب وہ جلدی پہونچ جائیں گے لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ اول تو ریت میں گاڑی دوڑانے اور ناہموار راہ پر لدی پھندی بسوں کو جھکولوں کے ساتھ لے چلنے سے کئی گاڑیاں اور بسیں الٹ گئیں بہت سی ٹوٹ گئیں جن کو ہم نے راہ چلتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خدا کا فضل تھا کہ کسی زخمی کو نہیں دیکھا۔ دوسرے یہ کہ آگے پہونچ کر

پتہ چلا کہ وہاں سے راستہ جام ہوا ہے۔

جیسی جیسی دیر ہوتی جاتی تھی ویسی ویسی دھوپ تیز ہوتی جاتی تھی۔ پیاس سے زبانیں خشک اور کر پانی ڈھونڈھنے کا موقع کہاں تھا اس میں برف رکھنا بھی ہیں بھول گئے تھے عجیب سراسیگی کا عالم تھا۔ ہمارا نہیں سب کا یہی حال تھا۔

ادھر ہمارا یہ حال ادھر ہمارا اڈیا یوں تاؤ میں آکر بار بار عربی میں یہی کہتا اس سب کی ذمہ داری تم ہی لوگوں پر ہے۔ کہہ دیا تھا کہ فجر کی نماز کے بعد ہی نکل چلنا نہیں مانے اب بھگتو۔"

ادھر وہ عربی میں تاؤ کر رہا ہے ادھر ہمارے عظیم بھائی اردو میں تاؤ کر رہے ہیں" یہ سب ڈرائیور کی شرارت ہے۔ ہم نے چونکہ اس کا کہنا نہیں مانا اب وہ ہمیں سزا دے رہا ہے۔"

بڑی خیریت ہوئی کہ دونوں تاؤ کرنے والے ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف تھے ورنہ اس وقت کشیدگی ایسی تھی کہ محض کہا سنی تک بات محدود نہ رہتی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں میں زبانوں کے اختلاف کے ذکر کی اہمیت بھی سمجھ میں آنے لگی۔

(ومن آیاته خلق السماوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم)

ہم لوگ پھر بھی سویرے روانہ ہوئے تھے اور بعد میں روانہ ہونے والے ہم سے بھی زیادہ زحمتوں میں مبتلا ہوئے۔ ہم لوگ موٹر میں بیٹھے گرمی میں جلتے عاجز ہو چکے تھے جب یہ اندازہ ہوا کہ اب میل ڈیڑھ میل عرفات رہ گیا ہے تو موٹر

سے اتر کر پیدل چلنے کی بات ہونے لگی، ہزاروں پیدل جا رہے تھے ہمارا ڈرائیور اس
پر راضی ہو گیا یہ بھی عظیم بھائی کے لیے ایک وجہ شکایت بن گیا۔ حالانکہ ڈرائیور نے
ہماری خیر خواہی ہی میں ہمیں اترنے نہ دیا تھا جس کا اندازہ آگے چل کر ہوا، اگر اتر
جاتے تو حشر تک اپنے معلم کے جھنڈے کے نیچے نہ پہونچ پاتے اور اس گرمی اور تپش
میں عرفات کے میدان میں ٹکریں کھاتے رہتے۔ پوری دنیا اس وقت عرفات
میں خیموں اور شامیانوں میں آباد تھی۔ کس معلم کا "علاقہ" کہاں ہے؟ یہ ناواقف
کو معلوم ہو جانا محال تھا۔ بہر حال ڈرائیور صاحب کے منشا کے مطابق ہم لوگ
موٹر میں بیٹھے رہے اور چار گھنٹے تک رینگنے کے بعد عرفات میں اپنے خیمے میں
پہونچے بس اتنا قبل کہ وضو کر کے فوراً مسجد نمرہ گئے تو وہاں امام خطبہ شروع
کر چکا تھا۔ اگرچہ آج جمعہ نہ تھا مگر عرفات میں امام جماعت خطبہ دیتا ہے۔

حج کا دن یہی وقوف عرفات کا دن ہے اگر آج کوئی حاجی کسی وجہ سے عرفات
میں وقوف نہ کر سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ اب آئندہ سال ہی اس کی قضا کر سکے
گا اور تمام مناسک کی قضا یا تلافی اس سال کر سکتا ہے مگر وقوف عرفہ کا موقعہ
ہاتھ نہ آیا تو اس کی تلافی نہ دم سے ہو سکتی ہے نہ صدقے سے نہ کسی اور دن وقوف
عرفہ سے اب آئندہ سال جب نویں ذی الحجہ کو پھر وقوف عرفات ہوگا تو اس
وقت وقوف کر کے اس رکن رکین کی قضا ممکن ہوگی۔

سنت تو دن بھر قیام کرنا ہے مگر وقوف کا حق صرف ایک لمحے کے قیام سے
بلکہ بغیر قیام کے صرف عرفات سے ہو کر گزر جانے سے ادا ہو جاتا ہے اگر بیہوش
آدمی بھی آج کے دن عرفات سے گزار دیا جائے تو اس کا وقوف ثابت ہے

اگرچہ حج اکیلے "وقوف عرفہ" کا نام نہیں ہے. مگر عرفات میں قیام کے دن کو یوم الحج (حج کا دن) کہتے ہیں ساور حج ان ہی سے دن (نویں ذی الحجہ کا دن) تمام ہونے آتا ہے، ایک دوسرے کو حج کی مبارک بادیں عرفات میں دی جانے لگتی ہیں وجہ یہی ہے کہ اگر "وقوف عرفہ" فوت ہوگیا تو اس کی تلافی اس سال نہیں ہو سکتی حج کے دوسرے فرائض وواجبات رہ جائیں گے تو ان کی ادائیگی کے لئے مواقع اسی سال مل جائیں گے۔

ہمارے علماء کے درمیان اس رائے پر اتفاق ہے کہ سال کے تمام دنوں میں آج کا دن۔ عرفہ کا دن۔ سب سے افضل ہے اس میں ضرور بحث ہے کہ شب قدر افضل ہے یا یوم عرفہ سمجھوتہ یوں کر لیا گیا کہ دنوں میں یوم عرفہ اور راتوں میں شب قدر افضل ترین اور مبارک ترین ہے حدیثوں میں آج کے دن کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں. آج کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں عرفات میں امت کی بخشش کی دعا مانگی تھی اور جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے حضور انور نے دعا کو شرف قبولیت حاصل ہونے کی خوشخبری حاضرین کو دے دی تھی۔

آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق آج کے دن سے زیادہ شیطان کبھی نامراد اور خاسر نظر نہیں آتا ہے۔

تو ایسی فضیلت کا دن. جس میں جو مانگو ملے گا. ہاتھ اٹھائے تو کیا کیا مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھیں گے، یہ دوسری بات ہے کہ قسمت سے مانگنے کی جو چیز ہو وہ عین وقت پر یاد ہی نہ آئے۔

حضرت ابان بن عثمان بن عفان نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمانؓ سے حضور انورؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جو شخص دن اور رات کو تین تین دفعہ بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم پڑھے گا اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

حضرت ابان یہ حدیث بیان کر رہے تھے اور خود فالج میں مبتلا تھے سننے والے شخص نے گھور گھور کر ان کی طرف دیکھنا شروع کیا گویا وہ کہہ رہا ہو کہ یہ حدیث آپنے بیان کی تو اس پر عامل بھی ہوں گے اور اگر عامل ہیں تو پھر فالج نے کیسے ضرر پہنچا دیا۔ حضرت ابان نے اس شخص کی دلی کیفیت کا اندازہ کر لیا اور کہا "یہ تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو، جو بات تم سے میں نے بیان کی وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ ہاں جس دن مجھ پر فالج کا حملہ ہوا ہے اس دن یہ دعا پڑھنا مجھ سے رہ گیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو لکھا ہے وہ پورا ہو جائے۔"

یہی حال بہت سے مقدر کا لکھا پورا کرنے والوں کا آج ہو گا کہ ادھر ادھر کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے جو مانگنا چاہیئے اسے شومئی قسمت سے بھولے بیٹھے ہوں گے۔

ہم تپش اور دھوپ کے جھلسے زوال سے کچھ پہلے اپنے خیمے میں پہونچے تھے، وہاں بھی تمازت سے نجات نہیں مل پا رہی تھی، ارادہ یہی ہونے لگا کہ وضو کر کے ظہر کی نماز خیمے ہی میں ادا کر لی جائے۔ خدا معلوم کیا ہوا کہ خواتین کو خیمے میں چھوڑ کر ہم تینوں متین میاں عظیم بھائی اور ہم مسجد نمرہ کی طرف چل پڑے۔

مسجد اور آس پاس سب کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اندر پہونچنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا راستے ہی میں چٹائیاں بچھا کر بیٹھ گئے اس وقت خطبۂ حج ہو رہا تھا آج اگرچہ جمعہ نہ تھا مگر امام کو خطبہ دینا تھا، اس کے بعد ہی دو رکعت ظہر کی پھر فوراً ہی بلا توقف کے دو رکعتیں عصر کی اگرچہ عصر کا وقت ابھی بہت دور تھا امام نے پڑھائیں، آج یہی حکم ہے کہ عصر کی نماز امام کے ساتھ قبلِ وقتِ عصر ظہر کے بعد ہی پڑھ لی جائے۔ دونوں وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ کر خیمے میں واپس آ گئے۔

اگر امام مسافر نہیں ہے مثلاً مکہ معظمہ کا باشندہ ہو تو احناف کے مسلک کے لحاظ سے پوری نماز پڑھنا ہو گی۔ اور مقتدیوں کو خواہ وہ مسافر ہوں یا مقیم امام کی اقتدا میں پوری نمازیں پڑھنا ہوں گی اور اگر امام مسافر ہے تو وہ قصر نمازیں پڑھائے گا اور مقتدیوں میں جو مقیم ہوں گے وہ باقی رکعتیں پوری کر لیں گے۔

لیکن اُس فقہی مسلک پر جس کے ماننے والے شاہی افراد ہیں، ہر صورت میں امام کو قصر نماز پڑھنا چاہیئے، اس فقہی اختلاف سے حنفی حاجیوں کے لئے بڑی زحمت تھی۔ ظاہر ہے کہ عمل سعودی حکومت کے مسلک پر ہوتا ہے اور دوسرے فقہی مسلک اب وہاں نظر انداز کئے جا چکے ہیں۔ تو غیر مسافر امام کی اقتدا میں قصر نماز پڑھنا ان لوگوں کے لئے جو صرف مسافر ہی کے لئے یہاں قصر کی گنجائش پاتے ہیں بہت گراں ہو رہا ہے ـــــ معلوم ہوا کہ حکومت نے اس الجھن کو رفع کرنے کے لئے اس دفعہ عرفات میں امامت کے لئے ماجد حافظ ریاض " کے امام کو مامور کیا تھا "ریاض" سے عرفات تک کی

مسافت اتنی ہے کہ امام مسافر کے درجہ میں آگیا جب کہ مکہ معظمہ کا امام عرفات
میں مسافر نہیں ہوتا ہے۔

مسجد نمرہ میں امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کر کے
طبیعت کو شادمانی بہت ہوئی۔ اسی لئے جب خیمے میں واپس آئے تو سفر
کی صعوبتوں اور کلفتوں کے تصورات سے خالی الذہن تھے اور رجحان
"وقت" اور مقام کی اہمیت اور افضلیت کی طرف غیر معمولی طور پر ہوگیا
تھا۔ ایسی حالت میں دعائیں بھی جی لگا کر مانگنے کا موقعہ ہاتھ آگیا۔

ہمارے ایسے لوگ جو ہمیشہ آگے کے بارے میں سوچنے کے عادی ہیں
جو کچھ کر آئے ہیں ان کے محاسبہ اور احتساب کی ضرورت کو بالکل بھول
چکے ہیں، آج ماضی پر نظر ڈالنے اور اس پر جرح اور تنقید کرنے کی سوچیں
تو اسے محض توفیق الٰہی کہیں گے۔

اچانک محسوس ہونے لگا کہ عمر کا وہ حصہ جو شعور اور ہوش میں گزرا
تفصیلات و جزئیات سمیت ربط اور تسلسل کے ساتھ نگاہوں کے سامنے سے
گزر رہا ہے۔ زندگی کے جن واقعات کو اپنی نگاہ میں اپنے لئے باعث
خیر و برکت پایا وہ کلیتاً بزرگوں کا احسان نظر آئے، ہماری نیت اور ارادہ
کا اس میں ذرا بھی دخل نہ تھا اور شمار کی کے وہ اجزا جو بہر حال باعث
تشویش تھے اور ہیں سب اپنے ہی کرتوت نکلے۔ عام حالات میں اگر یہ
مناظر اس تفصیل کے ساتھ سامنے کہیں آجاتے تو ہول دل ہونے لگتا لیکن
یہاں عرفات میں طمانیت قلب کے ساتھ اس لئے دیکھتے رہے کہ حضور انور ﷺ

نے آج نامۂ سیاہ، دھوئے جانے کی اس طرح بشارت دی ہے کہ دھلوانے
والے سے کہیں زیادہ آج خود دھونے والے کو فکر معلوم ہوتی ہے ؎

فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آج پیاسوں کے تجسس میں ہو دریا تیرا

آج ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں بخشنے والے نے فرشتوں
کو گواہ کر کے ان سب لوگوں کی مغفرت کا اعلان کیا ہے جو ہر طرف سے گرد و غبار
میں اٹے ہوئے "لبیک لبیک" کہتے . . . . یہاں جمع ہیں۔

فرشتوں نے عرض کیا: "پروردگار! ان میں فلاں فلاں اور فلانی فلانی تو
بداعمالیوں کے مرتکب اور حرام باتوں کے ذمہ دار ہیں۔"

پروردگار عالم نے فرمایا: "میں نے تو ان سب کی مغفرت کر دی ہے۔"

حضور انور کے یہ کلمات بشارت اور معافی کا یہ اعلان عام یاد آیا تو دل خوشی سے
رونے لگا اور شرمندگی بھی ہوئی کہ ایسے کریم سے سابقہ پھر بداعمالیوں پر اضطراب
اور تشویش؟ ؎

شرمندہ ازانیم کہ در دار مکافات
اندر خور عفو تو کردیم گناہے

اب جبل رحمت کی طرف امام کے ساتھ جانے اور وہاں قیام کرنے
کا ایک عظیم موقعہ تھا جبل رحمت میدان ہی میں ہماری قیام گاہ سے
جو مسجد نمرہ کے قریب ہی تھی ــ دو ہی تین میل ہوگا۔ علما اور فقہا نے تحریر
کر دیا ہے کہ اگر کوئی جبل رحمت تک نہ جا سکے تو میدان عرفات میں کہیں بھی قیام

وقوف کرلے نیا حاجی پرانے حاجیوں سے ضرور یہ پوچھتا ہے کہ جبل رحمت تک اس ہجوم میں جانا اور خیریت سے واپس آجانا ممکن ہے؟ اور عموماً جواب یہی ملتا ہے کہ جانا تو ٹھیک ہے واپس قیام گاہ تک آجانے کا اطمینان نہیں۔ اور گم گشتگی کے اندیشے میں فقہا کی دی ہوئی آسانی بہت کام آتی ہے ہمارے بھی کام آئی کہ اپنے خیمے ہی میں وقوف پر قناعت کرلی اور اس مقام فضیلت تک نہیں پہنچ پائے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی "قصویٰ" پر تشریف لاکر نوع انسانی کی فلاح و نجات کا تاریخی منشور سنایا تھا:

"تمھاری جانیں اور تمھارے مال ایک دوسرے کے لئے اس طرح واجب الاحترام ہیں جس طرح آج کا دن محترم ہے یہ مہینہ محترم ہے اور یہ شہر محترم ہے .... عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو...."

پھر حاضرین سے سوال فرمایا "تم لوگوں سے خداوند تعالیٰ میرے بارے میں پوچھے گا تو تم کیا کہوگے؟"

سب نے ایک زبان ہوکر کہا "ہم گواہ ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا فرمایا اور خیر خواہی کے پہلو سے جو کچھ آپ پر لازم تھا اس کی تلقین فرمادی ہے"

حضور انورؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھاکر اور حاضرین کی طرف اشارہ فرماکر تین بار ارشاد فرمایا "اے پروردگار! ان کے اقرار کا تو گواہ رہنا"

اللہ اکبر! یہ عبدیت کی شان نبوت و رسالت کی اس جلالت و رفعت کے باوجود!

خیمے میں بیٹھے بیٹھے یہ سب خیال میں آرہا تھا اور یہ بھی سوچ رہے تھے کہ دیکھو کیسے صاف اور صریح الفاظ ہیں جن میں تاویل کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں

دوسروں کے جان و مال کے احترام کا حکم دیا گیا تھا اور حال یہ ہے کہ اپنی جان کے ڈر سے تو ضرور دوسروں کی جان لینے سے ڈرتے ہیں، دوسروں کی جان کا احترام کتنوں کی نظروں میں ہے، پھر جہاں جان کا خطرہ نہیں جیسے دوسروں کے اموال تو اس سلسلے میں اگرچہ حکم وہی جان کے احترام کی طرح ہے لیکن ہم میں سے اکثر کا طرز عمل احترام کے حکم کے یکسر منافی رہتا ہے۔

اور آج کے حالات میں تو ایک قدم اور ہم آگے رہتے ہیں یعنی مال کے علاوہ جان پر بھی حملہ آور ہوتے رہتے ہیں بے شک ! شخص کے قتل سے ہاتھ آلودہ کم ہوتے ہیں لیکن شخصیت کے قتل میں ہم کس قدر بے باک ہو چکے ہیں۔ یہ جو بے بنیاد باتیں دوسروں کی قابل ذکر اشخاص کے سلسلے میں کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض بدنام کرنے کی نیت سے ہم اڑاتے پھرتے ہیں یہی تو شخصیت کا قتل ہے اصطلاحی معنوں میں خوں ریزی نہ سہی لیکن عملاً دوسروں کی جان کی بے حرمتی کا ارتکاب تو سراسر ہے۔

اپنی ہی حالت پر غور کرتے ہیں تو اس "خوں ریزی" کا سینکڑوں بار ارتکاب کر چکے ہوں گے — تو جس ذات گرامی کے حکم کی تعمیل میں لکھنؤ سے دوڑ کر عرفات تک آئے ہیں اس کے اس ایک حکم کو جو اس عرفات میں اس نے بر ملا دیا تھا کہاں تک ہم نے مانا ہے؟

یاد آنے لگا کہ عرفات میں جب حضور انور ؐ نے ہم گنہگاروں کی مغفرت اور نجات مانگی تھی تو پروردگار نے اپنے حقوق کے سلسلے میں ہماری کوتاہیوں اور نافرمانیوں سے درگزر فرمانے کا وعدہ فرما لیا تھا، لیکن حقوق العباد کے سلسلے میں کوتاہیوں

غفلتوں اور زیادتیوں کی معافی کا اعلان یہاں نہیں "مزدلفہ" کے قیام کے وقت ہوا تھا۔

بڑی تسلی ہونے لگی اور دن گزرنے کا انتظار کرنے لگے کہ مغرب ہو جائے تو عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ پہنچیں جہاں رحمت عام کا اعلان عام ہوا تھا۔

عصر کی نماز تو پڑھ چکے تھے مسجد نمرہ میں مغرب کی نماز آج عرفات میں پڑھنا نہیں ہے، چاہے وقت ہو جائے چاہے وقت گزر جائے، جب مزدلفہ میں قیام کریں گے تو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں گے چاہے آدھی رات کیوں نہ ہو جائے عرفات میں تو بس مانگے جایئے، دینے والا دینے پر تلا ہوا ہے ؎

ہمیں جب نہ پھیلائیں دامن ملے کیا؟
اُدھر سے تو ہر دم گہر باریاں ہیں

لیجئے غلغلہ مبارکباد بلند ہوا، یا ہر ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں "حج مبارک حج مبارک" اتنے میں معلوم ہوا کہ ہمارے معلم مولانا عبدالہادی سکندر عرفات کی دعائیں پڑھانے آرہے ہیں۔ ان کے تمام حاجی خیموں، ویڑوں سے نکل کر کھلے میں آگئے اور معلم صاحب نے بڑے پراثر انداز میں دعائیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں اور ہم سب نے دہرانا ـــــ ان پر بھی رقت کی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور دہرانے والوں میں بہتوں کا حال ویسا ہی تھا۔ چلئے، وقوف جبل رحمت کی کوتاہی کی تلافی ہمارے معلم کی پراثر دعا سے پیدا ہونے والے خشوع وخضوع سے کسی نہ کسی حد تک ہوگئی مگر شرعاً یہ کوتاہی نہیں ہے۔ علماء نے تو لکھ دیا ہے کہ میدان عرفات میں کہیں بھی قیام ہو وہ وقوف ہے۔ ہم حصول سعادت کے لحاظ سے کوتاہی کہنے پر مجبور ہوئے۔

گرمی تو سخت تھی ہی، پانی کا بھی قحط ہمارے لئے تھا، یعنی ہمارے ایسے لوگ اس جگہ سے پانی نہیں لا سکتے تھے جہاں حاجیوں کے لئے سینکڑوں نل لگے ہوئے تھے اور وافر پانی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس جگہ ایسی بھیڑ مستقل رہتی تھی کہ اسی میں عافیت نظر آئی کہ پانی خرید لیا جائے ایک کنستر پانی پانچ ریال میں بک رہا تھا۔ لوگ خرید بھی رہے تھے لیکن اکثریت اس خریداری کی متحمل نہیں نظر آ رہی تھی اور شدت پیاس سے بے قراری سب کی یکساں اس وقت اپنا خریدا ہوا پانی جو اپنے ہی لئے ناکافی نظر آ رہا تھا دوسروں کو دینا واقعی ایثار تھا۔ یہ واقعی ایثار مولانا شاہد فاخری کی روایت کے مطابق اجمیر شریف کے ایک مخدوم زادے الحاج محمد یوسف جی مہاراج نے کیا کہ پانچ پانچ ریال دے دے کر کنستر خریدتے جاتے تھے اور ہر طلب گار کو بے دریغ دیتے جاتے تھے برف بھی منگا کر ایک مٹکی میں ڈال دی تھی کہ جی بھر کر پیاسے سیراب ہوں۔

خود ہم نے حاجی فقیر محمد کو دیکھا کہ انھوں نے خیمے کے سامنے ٹھنڈی بوتلوں کی اور چائے کی سبیل لگا رکھی تھی ـــ یہ معمولی خرچ دہائیوں اور سینکڑوں کا نہیں ہزاروں کا تھا ـــ پھر اجر و ثواب بھی بے حساب! جو آئے بلا تکلف پیاس بجھائے۔ ہم نے تو اس وقت حاجی صاحب کے یہاں چائے پی، سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ اور پورے سفر میں بس وہیں یہ ہلکا سا درد سر ہوا تھا۔ ورنہ آتے جاتے کہیں جو کوئی مرض لاحق ہوا ہو ـــ سوائے حلق کی تکلیف کے سو وہ اپنے ہاتھوں تھا، سگریٹ پینے پر ہم نے کوئی کسر کب اٹھا رکھی تھی ـــ ؟

مغرب کا وقت ہو گیا مگر نماز مغرب سے آن چھوٹی تھی روانگی میں ذرا دیر

نے جو ٹیکسی لے رکھی تھی، تاخیر کی کہ ٹریفک کا رش نکل جائے عزوب کے ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد ہماری روانگی ہوئی ہمارے سامنے خیمے ڈیرے آ کھڑے اور منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔

میدان میں چاند کی ہلکی روشنی میں اپنی روانگی کا انتظار کرتے رہے، مغرب سے پہلے جبل رحمت کی آڑ سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہوا گزر گیا برسا نہیں۔ البتہ ایک دن منیٰ میں چند ہی منٹ زور کی بوندیں پڑیں کہ خیمہ ٹپکنے لگا تھا۔

روانہ ہو کر مزدلفہ آئے یہاں رات بھر قیام کرنا تھا۔ یہاں قیام کے لئے خیمے ڈیرے نہیں لگتے۔ جہاں جگہ ملے ٹھہر جایئے۔ ہم ناواقف تھے۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مشعر الحرام کہاں ہے۔ ڈرائیور نے ایک جگہ سڑک کے کنارے ٹیکسی کھڑی کر دی۔ اترے، اونچی نیچی پتھریلی زمین پر دری بچھائی تین آدمی تو تھے ہی جماعت سے مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں اور ڈرائیور کے حکم کے مطابق فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر منیٰ کی طرف چل کھڑے ہوئے، رکتے رکتے پھر ٹریفک کے ہجوم میں پھنستے۔ پھنستے ہی نہیں ڈرائیور کی صلواتیں بھی سنتے۔ اس وقت بھی ٹریفک کافی تھی، یہ تین چار میل کی مسافت تین گھنٹے میں طے کر پائے اور دن نکلنے کے بعد منیٰ میں اپنے خیمے میں ہم آ گئے۔

عرفات میں نویں ذی الحجہ (یوم الحج) کا سارا دن گزار کر رات کو مزدلفہ میں قیام کر کے دوسرے دن دسویں ذی الحجہ کو دن چڑھے ہم لوگ منیٰ واپس آ گئے ——— لیکن ایسا معلوم ہوتا رہا کہ سارا دھیان عرفات کی طرف رہے ———

جہاں سے دھل دھلا کر پاک صاف ہو کر اور ایسے معصوم ہو کر جیسے نومولود بچہ معصوم ہوتا ہے۔ تمام لوگ واپس آرہے تھے — اب تک سب عازم حج کے زمرے میں تھے، اب حاجیوں کے مبارک دائرے میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک دوسرے کو حج کی مبارک باد تو عرفات ہی میں دی جا چکی تھی اب باضابطہ ایک دوسرے کو "حاجی صاحب" کہہ کر پکارنے کا موقعہ بھی ہاتھ آگیا اور لفظی طور پر "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کا دور چلنے لگا تھا۔

عرفات سے ایک ہی دن رہ کر چلے تو آئے لیکن جن جن برکتوں اور سعادتوں کی بشارتیں اس مقام میں قیام کرنے والوں کے لئے زبان نبوت سے صادر ہوئی تھیں ان کی سرمستیاں یاد آ آ کر مزہ دے رہی تھیں۔

یاد آیا کہ عرفات ہی میں، قرب مغرب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ مجمع سے خاموش ہونے کو کہو۔ حضرت بلالؓ نے پکار کر کہا۔

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سننے کے لئے خاموش ہو جاؤ"۔

جب سارا مجمع گوش بر آواز مبارک ہو گیا تو آپ نے فرمایا "لوگو! ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے، انھوں نے میرے پروردگار کا سلام مجھے پہنچایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے عرفات میں قیام کرنے والوں اور مزدلفہ "مشعر الحرام" میں قیام کرنے والوں کی مغفرت فرما دی ہے۔

عام خیال یہی ہو سکتا تھا کہ یہ عام مغفرت جو پروردگار عالم نے مرحمت فرمائی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اور ہمراہی کا صدقہ ہو اور صرف انھیں سعادت مندوں کے حصے میں یہ صدقہ آیا ہے، جو نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے

ہم رکاب تھے۔ خود صحابہ کرامؓ کو یہی خیال گزرا اور حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر دریافت بھی کر لیا۔

"اے اللہ کے رسول! یہ مغفرت صرف ہم ہی لوگوں کے لئے خاص ہے؟"

اللہ کے رسول نے۔ آپ پر آپ کی آل اولاد پر آپ کے اصحاب پر رحمتوں کی بارش ہو، ارشاد فرمایا۔

"تم لوگوں کے لئے بھی اور ان لوگوں کے لئے جو تمھارے بعد قیامت تک یہاں آتے رہیں گے" حضرت عمرؓ بے ساختہ کہہ اٹھے "ہمارے پروردگار کی رحمت اور خیر و برکت کس قدر زیادہ اور کتنی خوشگوار ہے!"

جو سب سے زیادہ مغفرت کے حاجتمند تھے ان کی حاجت دانائے سُبُل ختم الرسل مولائے کل کے حضور میں پوری کیسے نہ ہوتی؟ سب کے لئے جنت کی بشارت!

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گنہگارا نند

پھر عرفات ہی کی تو وہ مقدس وادی ہے جہاں "تکمیل دین" کا اعلان ہوا تھا، اور آیت نازل ہوئی تھی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

(اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ آج کے دن میں نے تمھارے دین کی تکمیل کر دی اور اپنی نعمتوں کا تمھارے اوپر اتمام کر دیا)

یہ عظیم الشان آیت نازل ہوئی تھی اسی عرفات میں، ایک دفعہ یہودیوں

نے تکمیل دین کے مہتم بالشان اعلان کے وقت اور تاریخ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے استفسار کیا انھوں نے تعین وقت و تاریخ کے ساتھ اس آیت کے نزول کی وضاحت فرمائی تو یہودیوں نے کہا۔ اگر ایسا شاندار واقعہ ہمارے یہاں پیش آتا تو ہم اس یادگار دن کو عید اور خوشی کا دن بنا لیتے :

تو عرفات سے اس دفعہ کوئی چودہ لاکھ انسان پروانۂ نجات لے کر بعد مغرب لوٹ آئے ہوئے تھے اور مزدلفہ میں رات بھر ٹھہر کر اور شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں مزدلفہ ہی سے چن کر دوسرے دن دسویں ذی الحجہ کو منیٰ واپس آئے تھے۔

ان سب کو مسرت اور شادمانی کیا کچھ ہوگی اس کا نقشہ الفاظ میں کوئی کیا کھینچ پائے گا خوشی اور شادمانی دل کا معاملہ ہے۔ کچھ اندازہ چہروں سے کیا جا سکتا ہے وہ بھی کچھ۔ اصلی حال تو وہی جانے جس کا حال ہے یا وہ جو دلوں کا حال تک جانتا ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا دلوں کا حال جان نہیں سکتا۔

بہرحال ہر ایک اپنی حیثیت اور صلاحیت کے موافق خوش تھا ؎

اک ہوگیا دیوانہ اک بن گیا سودائی
تھا جتنا جو ظرف اس میں اتنی ہی شراب آئی

کیا خوب کہا ہمارے سید اکرام الحق صاحب (لکھنؤ) نے کہ "حج کیا ہے؟ بس چند عاشقانہ حرکتوں کا نام ہے، اپنے محبوب کے حکم پر چکر کاٹ رہے ہیں (خانۂ کعبہ کا) دوڑے چلے جا رہے ہیں (صفا و مروہ کے درمیان) لباس اور دامان و گریبان سے بے نیاز لپکے چلے جا رہے ہیں (عرفات مزدلفہ اور منیٰ کی طرف) اور جنون عشق کی آخری حد یہ کہ پتھر مار رہے ہیں (شیطانوں کی علامتوں کو) کیا شک ہے اس میں

کہ وہ جو اپنے محبوب کی مرضی اور منشا سمجھ کر دیوانہ وار کام کر رہا ہے ان فرزانوں سے بدرجہا بہتر ہے جو ہر کام نفع و نقصان کی میزان پر تول کر کرتے ہیں ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

خیر منیٰ آ گئے، تین دن یا چار دن یہاں خیموں کی زندگی گزارنا ہے آ گئے ہیں دسویں ذی الحجہ کو ـــــ اگر گھر پر ہوتے تو آج بقر عید ہوتی ۔ نہا لیے، کپڑے بدلتے نماز عید پڑھتے عزیزوں اور دوستوں سے گلے ملتے یہاں منیٰ میں تو نماز عید بھی معاف ہے اس لئے کہ ہم سب مسافر ہیں اور مسافر کے لئے نماز عید نہیں ہے چنانچہ ہم نے زندگی میں پہلی بار عرفات میں عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی عصر کی نماز امام حج کی اقتدا میں پڑھی تھی جس طرح عرفات میں مغرب کا وقت آ جانے کے باوجود نماز مغرب سے چھٹی رہی اگر پڑھ لیتے تو مغرب کی نماز ہی نہ ہوتی ۔ مزدلفہ میں پہونچ کر پھر ایک ساتھ مغرب اور عشا کی نمازیں بلا وقفہ پڑھنا پڑتیں ۔

ظہر اور عصر کو جمع کر کے قبل عصر پڑھنا جمع تقدیم ہے اور مغرب اور عشا کو ملا کر بعد مغرب پڑھنا جمع تاخیر ہے ۔ یہ دونوں جمعیں حج کی رعایتیں ہیں سفر کی نہیں اس کے برعکس عرفات میں مقیم کے لئے پوری نماز پڑھنا اور مسافر کے لئے قصر کرنا سفر کی رعایت ہے حج کی رعایت نہیں ہے ۔

منیٰ میں آج دسویں ذی الحجہ کو پہلا کام یہ کرنا تھا کہ آخری شیطان (جمرۂ عقبہ) کو سات کنکریاں ماریں، اس کے لئے مسنون وقت قبل زوال ہے اور مباح وقت تا مغرب ہے اور بعد مغرب بھی آخری شیطان کو کنکریاں ماریں گے اگر پہلے موقع نہیں

ملا ہے مگر مغرب کے بعد کا وقت فقہا نے مکروہ وقت بتایا ہے۔

فقہا کا کہنا ٹھیک ہی ہے لیکن اگر وہ چودہ لاکھ حاجیوں کے درمیان ہوتے تو انھیں کراہت و استحباب کے اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرنا پڑتی۔

ہم تو دن چڑھے منیٰ پہونچ گئے تھے۔ جی چاہتا ہے کہ اپنے ڈرائیور کا جس سے عرفات جاتے ہوئے سخت شکایت پیدا ہو گئی تھی اب شکریہ ادا کریں اس نے بڑا کام کیا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے ہمیں منیٰ لے آیا۔ بعد میں آنے والوں کا حال کیا بتایا جائے۔ کیسے آئے اور کب آئے؟

ہوا یہ کہ مزدلفہ سے جو ریلا چلا تو ساری ٹریفک جام ہو کر رہ گئی اور پھر جام ہی رہی۔ دو ایک گھنٹے کی بات نہ تھی، عورتیں بچے بوڑھے سب لاچار ہو کر ٹیکسیوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل منیٰ تک چند یا ترد تا دینے والی دھوپ میں آئے کہ کہیں کنکریاں مارنے کا مسنون وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ مگر وہ افراتفری تھی کہ کوئی بھی پیدل آنے والا زوال ——— مسنون وقت ——— سے پہلے نہ پہونچ سکا۔

پہونچے اس بدحواسی کے عالم میں کہ کسی سے بات نہیں کی جاتی تھی۔ مولانا ادیس ندوی اپنی بیماری میں مبتلا بیوی کے ساتھ آدھے راستے سے ٹیکسی کو خیرباد کہہ کر پیدل منیٰ پہونچے تو ان کی صورت نہیں دیکھی جاتی تھی، کیسے کیسے ناز و نعم میں پلے اور بسم اللہ کے گنبد میں پلے ان چڑھے آج ہر سختی جھیلتے نظر آرہے تھے

ہمارے لکھنؤ کی بعض خواتین مرحوم جسٹس غلام حسن بٹ کی بیوی جن کے پیٹر را میں تکلیف بھی تھی۔ رانی صاحبہ سرودھی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ بیگم اختر اشتیاق عباسی ڈی آئی جی مسز اسلام احمد کی اہلیہ ماں، بچا دیوں نے کلسے کو کبھی یہ

کڑیاں جھیلی ہوں گی. مگر آج اپنے مالک اور مالک کے محبوب بلکہ اپنے محبوب کے حکم پر سب کچھ جھیلا جا رہا تھا اور پوری خندہ پیشانی کے ساتھ۔

وہ لوگ پھر بھی اچھے رہے جو زوال کے بعد ہی سہی۔ پہونچ تو گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بستر، جن کو مزدلفہ میں آرام سے رات گزارنے کے لئے ساتھ لے گئے تھے ان سواریوں پر ہی چھوٹ گئے جو راستے میں پھنسی پڑی تھیں ان بچاروں کو دوپہر کو پاؤں پھیلا کر بستروں پر سونے کا موقع تو نہیں ملا مگر صاحب وقت میں کنکریاں مارنے کا موقع مل گیا۔

مسز چھت کا مل قدوائی بہت گھبرائے نظر آئے۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ان کے فرسٹ سکریٹری مسٹر شہاب الدین ابھی تک مزدلفہ سے واپس نہیں آئے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوں گے جو اس وقت تک مزدلفہ سے واپس نہیں ہوئے تھے۔ گھبراہٹ کی بات یہ تھی کہ مسٹر شہاب الدین کے ساتھ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ جن میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا۔

ٹریفک کی بدنظمی کا اندازہ کیجئے کہ یہ تین چار میل کی مسافت دس دس گھنٹے گزر جانے پر بھی طے نہ ہو پائی۔ شہاب الدین صاحب اپنے ذاتی موٹر پر تھے وہ دور دور کا چکر کاٹ کر کسی نہ کسی طرح بس سورج ڈوبتے پہونچے۔ اب ان سے کوئی اگر کہے کہ جناب! کنکریاں مارنے کا افضل اور مباح وقت تو گزر گیا اب مکروہ وقت میں آپ کو کنکریاں مارنا ہوں گی۔ تو بتائیے وہ کیا جواب دیں گے؟

ایسے سینکڑوں ہزاروں حاجی تھے جن پر یہی بیتی بعد کو معلوم ہوا کہ یہ مصیبت

اسی سال کی خصوصیت تھی اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا۔

وجہ کیا تھی؟ پتہ چلا کہ اس سال مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ملکوں کے حجاج خاص کر ترک حجاج اپنی آرام دہ (نگوڑی) بسوں پر آئے تھے، پہلے بھی ایسا ہوتا تھا لیکن یہ بسیں مکۂ معظمہ کے باہر ایک مقام پر قیام کرتی تھیں اور ان کے مسافر سعودی حکومت کی فراہم کردہ بسوں یا ٹیکسیوں سے مکۂ معظمہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات۔ عرفات سے مزدلفہ۔ مزدلفہ سے منیٰ پھر منیٰ سے مکۂ معظمہ جاتے تھے، اب کی سعودی حکومت نے یہ رعایت دے دی کہ حجاج انھیں بسوں پر جا سکتے ہیں جن پر وہ آئے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ان راستوں پر بسوں کی ریل پیل ہو گئی حجازی ڈرائیور تو عادی ہوتے ہیں وہ اپنی گاڑیوں کو اس انداز سے چلتے ہیں جو ان کے قدیم تجربوں نے انھیں سمجھا رکھا ہے۔ دوسرے ڈرائیوروں کو ایسے سابقے کہاں پڑے ہوں گے وہ اس ہل چل میں آتے ہی ہوش و حواس بھی کھو بیٹھے ہوں گے، بہرحال ان کی گاڑیاں پھنستی تھیں اور حجازی ڈرائیوروں کو پھانس لیتی تھیں۔

خیر ہمیں رمی جمار کرنا تھا اور مسنون وقت میں موقع مل رہا تھا لیکن نئے ہم سب قافلے والے نئے حاجی اس لئے ایک پرانے حاجی شیخ ذوالفقار احمد عباسی سابق میئر (الہ آباد) کے ساتھ قبل زوال آخری شیطان کو (جو منیٰ سے آنے والوں کے لئے آخری اور مکۂ معظمہ سے آنے والوں کے لئے پہلا پڑتا ہے) کنکریاں مارنے چلے۔

ہماری قیام گاہ سے جمرۂ عقبہ تک جسے آج کنکریاں مارنا ہیں، جانے کا

سیدھا راستہ تھا۔ کوئی دو فرلانگ کی مسافت ہوگی، جاتے ہوئے پہلے مسجد خیف پڑتی تھوڑی دور آگے چل کر ہمارا سفارت خانہ جس سے چند گز آگے جا کر پہلا شیطان (جمرۂ اولیٰ) کچھ آگے بڑھ کر دوسرا (جمرۂ وسطیٰ) اور قدرے آگے جا کر تیسرا شیطان (جمرۂ عقبیٰ) تھا۔ آج دسویں ذی الحجہ کو پہلے اور دوسرے کو چھیڑنا نہ تھا صرف تیسرا شیطان آج حاجیوں کا نشانہ ہے

ایک ہی سیدھی سڑک ہے۔ بیس پچیس فٹ چوڑی بغیر فٹ پاتھ کے سڑک کے دونوں طرف عمارتیں مکان ہوٹل اور دکانیں ہیں۔ سڑک کے کنارے بھی پھیری والوں کی دکانیں ہیں۔ اب اس سڑک پر ایک ساتھ لاکھوں انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہو جب چلے گا تو حال کیا ہوگا؟

"ٹھاٹھیں مارنا" بے شک پنجابی محاورہ ہے جو "جوش و خروش" کے مرادف ہے۔ مگر یہاں دانستہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس لئے لکھا گیا کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کے سلسلہ میں حاجیوں میں جو جوش و خروش ہوتا ہے اس کا کسی اور طرح بعینہ اظہار ممکن نہیں، کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ہے کہ اس وقت حاجیوں کا کیا عالم ہوتا ہے؟ کنکریاں مارتے مارتے چپلیں پیروں سے اتار اتار کر پھینکنے لگتے ہیں۔ چپلوں اور جوتوں کے ڈھیر لگ جایا کرتے ہیں۔ ہمارے سفارت خانے کے فرسٹ سکریٹری مسٹر شہاب الدین جو کئی سال سے جدے میں متعین ہیں کہتے تھے کہ رمی جمار کے موقع پر حاجیوں کے جوش و غضب کی کیفیت جو ہوتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مناسک حج میں سب سے زیادہ انہماک حاجیوں کو رمی جمار میں ہوتا ہے۔

پھر انسانوں کے اس سمندر میں دنیا بھر سے آئے ہوئے انسان پائے جاتے ہیں جن کی توانائیاں اور برداشتیں باہم متفاوت، جن کے چلنے اور راستہ طے کرنے کی عادتیں الگ الگ۔ کہیں دھکم پیل روزمرہ کی بات ہے کہیں بچ بچا کر چلنا دستور زندگی کہیں عورتیں صنف نازک سمجھی جاتی ہیں، کہیں وہ ایسی صنف قوی ہیں کہ ہم ادھر کے رہنے والے مردوں سے زیادہ قوی ہیکل اور زور آور، اس طرح کا مخلوط مجمع، جو ایسے متفاوت القویٰ افراد سے مرکب ہو دنیا میں کہاں ہوتا ہوگا؟ —— اقوام متحدہ میں بھی جہاں دنیا جہاں کے نمائندے رہتے ہیں مختلف النسل اور مختلف المزاج افراد اکٹھا ضرور جائیں گے۔ مگر ہوں گے وہ سب ایک ہی دستور کے پابند یعنی مغربی تہذیب کے ماننے والے بلا استثنا سب ہی ہوتے ہیں تو ان کا رہن سہن اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب ایک ضابطے کے تحت ہوتا ہے، خلاف ضابطہ اگر کوئی چلے گا تو ایٹی کیٹ (آداب) کی خلاف ورزی کرنے والا قرار پائے گا۔

یہاں جو یہ عظیم الشان مجمع ہے اس میں ہر ایک فرد اپنی وضع پر رہنے میں آزاد ہے۔ اور آزادوں کے اس جم غفیر میں نازک مزاجان لکھنؤ بھی ہیں جو "پہلے آپ" "پہلے آپ" کہنے پر اسی خیال سے عامل ہیں کہ وہ ادنیٰ سی کش مکش کا بھی اپنے کو عادی نہیں بنا پائے ہیں۔

ایک بات تو ہم نے طے کرلی تھی کہ امی اور پھوپھو جان وغیرہ کو مسنون وقت میں رمی جمار کے لئے لے جا کر خطرہ ہرگز مول نہ لیں گے۔ مباح وقت میں مجمع کم ہو تو خیر ورنہ بعد مغرب لے جائیں گے۔ فقہا کے نزدیک وہ وقت کروہ ہی کہی ا

حاجی شیخ ذوالفقار اللہ آبادی، اور ان کے داماد مسٹر فرحت علی (آئی اے ایس) کے ہمراہ ہم زوال سے پہلے کسی نہ کسی طرح تیسرے شیطان تک پہونچ گئے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ نہ ہماری چپلیں مجمع میں چھوٹیں اور نہ احرام کی بندش اپنی جگہ سے کھسکی جب کہ بہتوں کو دیکھا کہ نہ صرف جوتے گنوا کر بلکہ دو ایک زخم بھی کھا کر واپس لوٹے ہیں۔

علاوہ حاجیوں کے جوش و خروش کے رمی جمار کے موقع پر تنگی راہ سے بھی بڑی سخت زحمت ہوتی ہے۔ یہ سڑک کے دونوں طرف جو اونچی اونچی عمارتیں کھڑی ہو گئی ہیں وہ انسانوں کے سمندر کو پھیلنے نہیں دیتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں تعمیر کی رائے کو مسترد فرما دیا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا "آپ کے لئے یہاں ایک مکان نہ ہم لوگ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا" نہیں منیٰ تو پہلے پہونچ جانے والوں کے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے" محدثین نے آپ کے اس ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ منیٰ قربانی رمی جمار اور حلق کے مناسک ادا کرنے کی جگہ ہے اور اس مقام پر استحقاق میں سب برابر ہیں اگر یہاں تعمیر ہوئی تو پھر اس کی دیکھا دیکھی بہت سی تعمیریں ہو جائیں گی۔ فتضیق علی الناس یعنی یہ جگہ لوگوں کے لئے تنگ ہو کر رہ جائے گی (طیبی) اور امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے حرم کی ساری زمین کو موقوف قرار دیا ہے۔ فلا یجوز ان یملکہا احد یعنی کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس پر ملکیت کا تصرف کرے۔ مگر یہ سب حدیثیں اس کی توجیہیں اور ان سے مستنبط مسائل ایک طرف اور منیٰ میں مکانوں اور دکانوں کی کثرت دوسری طرف

حتیٰ کہ کرایہ پر یہ مکانات چلائے جاتے ہیں ۔

ادھر رمی جمار کیجئے ادھر بلا توقف وہاں سے چل دیجئے وہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں بتایا ہے فقہا نے اور پہلی کنکری پھینکنے کے ساتھ تلبیہ ترک کر دیجئے یعنی ۸ ر ذی الحجہ کو احرام باندھ کر مکۂ معظمہ سے روانہ ہوتے وقت سے جو لبیک اللّٰھم لبیک کہ اب تک کہتے رہے تھے وہ پہلی کنکری مارتے ہی بند کر دیا جائے گا

اس کے بعد دوسرا کام ہے قربانی کرنا۔ قربان گاہ تک خود جانا اور وہاں جانور کی خریداری کرنا افضل اور اولیٰ ہے مگر ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے معلم صاحبان کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔

اس سلسلے میں عام طور پر لوگ معلمین پر مجبوراً بھروسہ کرتے معلمین کا جو عمومی رویہ اپنے حاجیوں کے ساتھ "ناخدا ترسی" کا رہا کیا ہے اس کے پیش نظر ان پر نہ اطمینان کرنا ہی حق بہ جانب معلوم ہوتا ہے ۔ ہمارے معلم مولانا عبدالہادی سکندر قربانی کے لئے حاجیوں سے روپیہ لینے میں اس سے بھی زیادہ محتاط تھے. جتنے حاجی روپیہ دینے میں ہو سکتے ہوں گے ۔ انھوں نے کسی ایک سے بھی روپیہ لے کر قربانی کرنے کی حامی نہیں بھری، ہم اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ان کے سر ہو گئے پھر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے. ان کے بیٹے عبدالولی کو گھیرا وہ اپنے باپ کے تعلقات کا لحاظ کر کے تیار ہو گئے۔ وہ بھی احرام باندھے ہوئے تھے انہیں بھی اپنی طرف سے اور گھر والوں کی طرف سے قربانی کرنے جانا تھا. ریال حوالے کر دئے کہ سات قربانیاں کر دیں۔ ایک بھیڑ ۳۲ ریال میں پڑی اور فی جانور ایک ریال ذبح کرنے والے کا ہوا۔

خود ہم مذبح تک نہیں گئے اس لئے وہاں کا چشم دید حال نہیں کہہ سکتے۔ عارف خیرآبادی عرف للا میاں دوسروں کے ذریعہ قربانی کرنے کو روا نہ سمجھتے ہوئے خود گئے اصغر علی صاحب انصاری اور سید اکرام الحق صاحب کو بھی ہمراہ لے گئے تھے اور سب خیریت کے ساتھ قربانیاں کر کے واپس آ گئے، ورنہ ہم سن چکے تھے کہ گرمی کی وجہ میں جب پہاڑی پتھر انگارہ ہوتے ہیں ان پر جب جانوروں کا خون بہتا ہے تو جو بخارات تعفن سے اٹھتے ہیں ان کی تاب لانا آسان نہیں ہے جیسا کہ چار سال قبل ہمارے عزیز اور رفیق اسلم میاں (لکھنؤ) کے پھوپھی زاد بھائی ظہور میاں کا ہوا وہ مذبح ہی میں چکرا کر گر پڑے تھے، وہ بھی خود قربانی کرنے کی فضیلت حاصل کرنے وہاں پہونچ گئے تھے۔

قربانی ہو جانے کی اطلاع ملنے کے بعد اب تیسرا کام یہ تھا کہ سر کے بال کتروائیں یا منڈوائیں۔ جس طرح ہمارے یہاں سڑکوں پر بیٹھے ہوئے حجام نظر آتے ہیں بالکل اسی طرح منیٰ کی سڑک پر بہت سے حجام بیٹھے تھے اور گاہکوں کا ہجوم بھی بیٹھا تھا۔ لوگ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم بھی اس فکر میں تھے کہ جلد از جلد سبکسر ہو کر اس تیسرے فریضے سے بھی سبکدوش ہو جائیں، وہاں ایک حجام اور ہزار طلبگار کا حساب تھا۔ یہ بھی خیال آتا تھا کہ سڑک پر کیسے بیٹھ کر آج تک تو حجامت بنوائی نہیں بلکہ چلنے پر مجھے حجام کے علاوہ کسی اور کے آگے سر بھی کبھی نہیں جھکایا؟

بہرحال ترشوانے اور منڈوانے کے درمیان بھی ذاتی طور پر ہم مذبذب تھے یہ جانتے ہوئے کہ افضل حلق (منڈانا) ہے سوچ رہے تھے کہ استرے سے سابقہ پڑنا، پھر ان جانے ہاتھوں کے ذریعہ، خطرے سے خالی نہ ہوگا، گھوم پھر کر

دیکھا ایک صاحب حلق کرا رہے تھے اور استرے کی تکلیف سے طرح طرح کے منہ بھی بنا رہے تھے اور وحشت ہونے لگی۔

اچانک متین میاں ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کو لئے خیمے کی طرف آتے نظر آئے ان کو کہیں سے اُردو بولنے والا صاف ستھرا حجام ہاتھ آگیا تھا اسے وہ لئے آرہے تھے یہ لائل پور کا رہنے والا تھا۔

ہماری والدہ وغیرہ تو عرفات سے واپس آکر خیدہی منٹ خیمے میں ٹھہری تھیں کہ دو بھائی ان کو اپنے یہاں سفارت خانے لے گئے عظیم بھائی کی بیوی کچھ بیمار ہوگئی تھیں اس لئے وہ بھی ان کی تیمار داری کے خیال سے سفارتخانے ہی چلے گئے خیمے میں ہم اور متین میاں سامان کی دیکھ بھال کے لئے تھے خیمے کے اندر ہی حجام کو بلالیا۔ پہلے متین میاں نے حلق کرایا اور اپنا تجربہ بتایا کہ اس کا ہاتھ بہت ہلکا اور اس کا استرا بہت رواں ہے، ہماری بھی ہمت بندھی حلق کرایا اور خدا کے فضل سے کسی قسم کے خطرے سے دوچار نہیں ہوئے ہمارے عزیز شیخ ظہیر حسین (لکھنؤ) بھی آگئے انھوں نے بھی حلق کرایا۔ وہیں پانی خرید کر بالٹیوں میں بھرا اور احرام کی تہ بند باندھے باندھے ہم تینوں نہائے عرفات کی طرح منیٰ میں بھی پانی کے نل لگے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے پانی بھرلائے مگر دیکھا کہ ہر ایسی جگہ پر جو رفاہ عام کے لئے ہو سنڈوں کی چند ٹولیوں کا مستقل قبضہ رہتا ہے ہر کس و ناکس کی ہمت کہاں کہ ان کو بے دخل کرکے قبضہ حاصل کرے، وہی قابض رہتے ہیں یہاں بھی وہی نلوں پر قابض نظر آتے تھے۔ اس لئے عملاً لوگوں کو پانی خریدنا ہی پڑتا ہے۔ یہاں منیٰ میں نرخ کم تھا عرفات میں پانچ ریال فی کنستر یہاں دو ریال یا ڈھائی ریال بس ــــ یہ خیموں اور

شامیانوں میں رہنے والوں کی شکل تھی، عمارتوں میں رہنے والوں کو غسل خانوں
میں لگے ہوئے نلوں سے کم و بیش پانی ملتا رہتا تھا۔

خیر نہا دھو کر احرام اتارا کرتا پائجامہ پہنا اور ٹوپی ـــ ؟

انتظامات میں جزئی جزئی باتوں کا خیال نہ رکھنے کا ایک دلچسپ تجربہ
منیٰ میں اس وقت ہوا جب نہا کر کپڑے پہننے لگے، احرام باندھ کر مکۂ معظمہ
سے چلے تھے ڈھائی دن ۸۔ ۹۔ اور ۱۰ ذی الحجہ کو جب تک حلق نہ کرالیں احرام
ہی باندھے رہنا تھا اس کے بعد کپڑے پہننا تھے ۱۱ ذی الحجہ کو طواف زیارت
کے لئے مکۂ معظمہ آنا تھا ہی، صرف ایک جوڑا کپڑا رکھ لیا کہ دسویں کی دوپہر سے
گیارھویں تک چل جائے گا پھر مکۂ معظمہ آکر کپڑے بدل لیں گے۔ کپڑے بدلنے
چلے تو پائجامہ دو ساتھ لائے تھے جس میں ازار بند ہی نہ تھا، پائجامہ پہنے ہوتے
تو اس کا ازار بند کام آجاتا اب کیا کریں، تہ بند نہانے میں بھگو چکے تھے، تولیہ
باندھے باندھے یہ دن رات کیسے کاٹیں؟ دیکھا تو ٹوپی بھی ساتھ نہیں آئی تھی
اس لئے کہ احرام کی حالت میں سر ڈھانکنا مردوں کو منع ہے ٹوپی کی ضرورت
ہی نہ تھی وہ بھی مکۂ معظمہ میں چھوڑ آئے تھے۔ ٹوپیاں تو بازار میں بک رہی
ہیں ازار بند کا یہاں چلن نہیں معلوم ہوتا لمبے لمبے کرتے کے نیچے عموماً تہ بند باندھے
جاتے ہیں یا نوجوان عرب پینٹ اور قمیص میں نظر آتے ہیں، پڑوس کے خیمے میں
بیگم اختر اشتیاق عباسی تھیں ان کے پاس ایک ڈوری نکل آئی اس سے ہم نے
ازار بند کا کام لیا۔

کپڑے پہن کر ننگے سر ٹوپی خریدنے بازار گئے ایک دیال میں کپڑے کی ایک

گول ٹوپی خریدی جسے ہم ع.ب.ی ٹوپی سمجھ رہے تھے معلوم ہوا کہ وہ ہندستان کے شہر سورت سے درآمد ہوتی ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں۔

آج کے تینوں کاموں سے فرصت ہو چکی تھی اب ملنے ملانے اور باتیں کرنے کی گنجائش بخوبی تھی اچھا خاصہ بازار کھو میں ہر طرح کا سودا یہاں مل رہا تھا منیٰ قصبہ ہوگا آج تو بڑے سے بڑا شہر ہے۔ مکہ معظمہ میں اگر کوئی چاہے تو سارا وقت حرم کے اندر گزار سکتا ہے منیٰ میں مسجد خیف ہے ضرور مگر وہ تو سڑک سے ہے وہاں یک سوئی سے کوئی پانچ منٹ بھی بیٹھ نہیں سکتا ــــ زیارت کرنے بس مسجد خیف جا سکے اور دو رکعت نفل پڑھ کر چلے آئے۔

سوائے طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ جانے اور آنے کے باقی تین دن منیٰ ہی میں رہنا اور روزانہ رمی جمار کرنا ہے۔ رمی جمار میں روزانہ کتنا وقت لگے گا؟ یہی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی وقت لوگ عبادت و تلاوت وغیرہ میں گزارتے ہیں اور خریداری کرنے میں بھی،

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج یہاں زبردست خطبہ دیا تھا حاضرین سے دریافت فرمایا "یہ کون سا مہینہ ہے؟"

صحابہ جواب میں کہہ سکتے تھے ذی الحجہ کا مہینہ، مگر ایک طرف پاس ادب کہ حضور کے سامنے اپنی واقفیت، جو آپ کے علم و واقفیت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ظاہر کرکے اپنے کو واقف کار جتانا نامناسب نہیں دوسری طرف ایک بدیہی امر کے بارے میں حضور کا سوال ہے جس کا جواب سب پر عیاں ہے یقیناً یہ استفسار جواب کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں کوئی حکمت ہوگی۔

بہرحال صحابہ نے ادب و حکمت کا خیال کرتے ہوئے وہی جواب دیا جو
عموماً حضورِ انورؐ کے استفسار کا دیا کرتے تھے۔ یعنی ہم جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔
اللہ اور اس کا رسول بہتر جاننے والا ہے۔"

ارشاد فرمایا "کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا "کیوں نہیں!"

حضرتؐ تھوڑی دیر خاموش رہے یہاں تک کہ صحابہ کو خیال ہونے لگا کہ
شاید اس مہینے کا کوئی دوسرا نام حضورؐ تجویز فرمانے والے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا "یہ شہر کون سا ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جاننے والا ہے۔"

حضرتؐ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا کہ صحابہ کو خیال ہونے لگا کہ شاید مکہ معظمہ کا
دوسرا نام تجویز فرمانے والے ہیں۔

ارشاد ہوا "کیا یہ مکہ معظمہ نہیں ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا "کیوں نہیں؟"

ارشاد ہوا "آج کا دن کون سا دن ہے؟"

وہی جواب صحابہ نے دیا۔ "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جاننے والا ہے"
پھر حضورؐ نے سکوت اختیار فرمایا کہ صحابہ سمجھے کہ شاید آج کے دن کا کوئی
اور نام تجویز ہونے والا ہے۔

ارشاد فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟"

صحابہ نے عرض کیا "کیوں نہیں ہے!"

جب اس قدر اہتمام کے ساتھ مہینے شہر اور دن کے بارے میں آپ نے استفسار فرما کر ذی الحجہ کے مہینے کو معظمہ کے شہر اور یوم النحر (قربانی کے دن) کی اہمیت کا احساس پوری طرح ذہنوں میں بیدار فرما دیا تو ارشاد فرمایا۔

"تو سنو! جس طرح اس شہر کے اندر اس مہینے میں یہ دن محترم و معظم ہے اسی طرح تمھاری جانیں تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے قابل احترام و تعظیم ہیں وہ وقت آنے والا ہے جب تم اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگے تو وہ تمھارے اعمال کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا دیکھو! ایسا نہ ہونے پائے کہ میرے بعد تم لوگ گمراہی میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو!"

پھر ان ہی حاضرین سے اپنے فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا اقرار لیتے ہوئے دریافت فرمایا "کیا میں نے تبلیغ کا فرض کما حقہ ادا کر دیا ہے؟"

سب صحابہ نے ایک زبان ہو کر اقرار کیا "جی ہاں! بے شک"

آپ نے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہوئے کہا "اے پروردگار تو گواہ رہنا! (ان لوگوں کے اقرار پر)

کیسا بلیغ انداز خطابت اختیار فرمایا آپ نے اس موقع پر! اور کس طرح انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کھلے ڈلے امور کے بارے میں سوالات فرما کر ذہنوں کو نئے جواب سننے کے لئے بے چین کر دیا!!

جیسا کہ روایتوں میں ملتا ہے کہ صحابہ سراپا انتظار ہو گئے جواب سننے کے لئے، ایسی بات جو شدید انتظار کی حالت میں گوش گزار ہو وہ کس حد تک جاگزیں ہو جاتی ہے

اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہو گا۔ علم بلاغت کا ہی نہیں علم نفسیات کا بھی سارا نچوڑ اس ایک انداز خطابت میں سمویا ہوا ہے۔
پھر ارشاد ہونے والی بات بھی تو نوع انسان کی حیات کے لئے کس قدر اہم ہے اس کے لئے اگر ایسا نازک اور دلوں میں اتر جانے والا انداز اختیار نہ کیا جاتا تو کب اختیار کیا جاتا؟
بات یہیں پر تمام نہیں فرمادی آپ نے بات اگرچہ اس میں ادنیٰ سا شبہ بھی نہ تھا کہ جو بھی ارشاد ہو گا وہ سب حاضرین گرہ میں باندھ لیں گے۔

سب نے کر لی حرزِ جاں دردِ زباں
بات جو نکلی لبِ اعجاز سے

لیکن بات اور پیغام کی اہمیت کے پیش نظر حضور انورؐ نے صراحت کے ساتھ حکم دیا۔
"حاضرین کو لازم ہے کہ وہ اس پیغام کو غیر حاضر افراد تک پہونچا دیں اس لئے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ براہ راست سننے والے سے وہ زیادہ یاد رکھنے اور سمجھنے والا ہوتا ہے جسے سن کر بات سنائی جائے۔"
تو ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کے احترام کا پیغام اتنا اہم پیغام ٹھہرا کہ حضور انورؐ نے کنایتاً نہیں صراحتاً اس پیغام کو عام کرنے کا حکم دینا ضروری سمجھا!
کسی پیغام کو عام کرنے یا اس کو بار بار یاد دلانے کی ضرورت کبھی اس پہلو سے بھی ضروری ہوتی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اسی معاملے میں لوگوں سے بے احتیاطی

زیادہ ہوگئی حضور انورؐ پر بلاشبہ انسانی ذہن کے سارے پیچ و خم منکشف تھے عجب نہیں کہ بعد میں پیش آنے والے قتل و غارت وگری کے تاریخی واقعات کی کثرت کے تحت جان و مال و آبرو کے احترام کی غیر معمولی اہمیت جتائی گئی ہو اور آج بھی اس کی ضرورت باقی ہے کہ جو اس پیغام کو حدیث و سنت سے جانتا ہے وہ نہ جاننے والوں تک پہونچا کر فرمان نبوی کی تعمیل بجالائے

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو دن چڑھے دیا تھا۔ آپ اس وقت ایک سفید خچر پر سوار تھے۔ حاضرین میں کچھ بیٹھے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ اور حضرت علیؓ ارشادات نبوی کو دہراتے جاتے تھے کہ جو دور پر کھڑے یا بیٹھے ہیں وہ بھی سن لیں اور حجت تمام ہوجائے حجت بے شک تمام ہوگئی جن سب لوگوں تک براہ راست پیغام مبارک پہونچ گیا انھوں نے اس کا پوری طرح پاس بھی کیا لیکن جن تک بواسطہ در واسطہ یہ اہم پیغام پہونچا ان کا عمل در آمد معلوم ہے ان سے پروردگار عالم کی باز پرس کا انجام بھی مشتبہ و مخفی نہیں — مگر یہ کہ پیغام سنانے والا ہی وہاں شفیع بن کر اپنے لطف و کرم سے نجات دلائے ؎

دیو رہ زن در کمیں، نفس و ہوا اعدائے دیں
زیں ہمہ با سایۂ لطفت پناہ آوردہ ام
داں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو
ہستم آں گمرہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام

تیسرے شیطان کو کنکریاں مارنے قربانی کرنے اور حلق کرانے کے بعد

چوں کہ کوئی خاص کام آج کے لئے نہیں تھا اس لئے باہم ایک دوسرے سے عرفات ومنیٰ کی دارداتیں کیسے پہونچے کیسے آئے کیا کیا گزری وغیرہ وغیرہ بیان ہونے لگیں۔

جن لوگوں کو مسئلے مسائل سے کچھ واسطہ ہے ان کے سامنے لوگوں کی الجھنیں بھی پیش ہونے لگیں۔ مناسک حج میں یوں کرلیا ٹھیک ہوا یا نہیں؟ فلاں بات رہ گئی اب کیا کیا جائے؟ یہ غلطی ہوگئی اس کا تدارک کیسے ہو؟ وغیرہ وغیرہ

یہ صورت حال اتنے بڑے مجمع میں ہمیشہ پیش آتی ہوگی، مناسک حج سے ہر ایک کی واقفیت یکساں درجے کی کہاں ہوسکتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب کہ آپ حج کے ہر رکن کو اس نمایاں طور پر انجام دے رہے تھے کہ حاضرین میں سے ہر ایک بآسانی اسے دیکھ سکے صحابہ سے بسر بھیر ہوگیا اور حضور انور کو منیٰ ہی میں لوگوں کی الجھنوں کو رفع کرنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت پیش آئی۔

ایک صاحب آئے عرض کیا" مجھے معلوم نہ تھا میں نے قربانی سے پہلے حلق کرالیا"

ارشاد فرمایا" اب قربانی کر ڈالو کوئی حرج نہیں"

دوسرے نے دریافت کیا" مجھے علم نہ تھا۔ رمی جمار سے پہلے ہی میں نے قربانی کر ڈالی"

ارشاد فرمایا" اب رمی کرلو۔ کوئی حرج نہیں"

احادیث کے مطابق ارکان حج میں تقدیم یا تاخیر کے بارے میں کسی نے

بھی کچھ دریافت کیا آپ نے یہی جواب دیا۔ اب کرلو کوئی حرج نہیں ہوا۔
ائمہ اربعہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ رمی جمار قربانی اور حلق میں ترتیب جو حضور انورؐ نے ملحوظ رکھی وہ سنت ہے جس میں ردوبدل سے کوئی تاوان لازم نہیں آتا یا واجب ہے کہ ردوبدل سے دم دینا پڑے گا۔
ہمارے امام ابوحنیفہ وجوب مانتے ہیں اور امام مالک بھی ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرتؐ کے ارشاد "کوئی حرج نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے کہ نادانستہ ہوا لیکن دم واجب ہے اگر ہیر پھیر ہوگیا۔
میں تو حنفی کی حیثیت سے امام ابوحنیفہ کی رائے مانتا ہے لیکن ایک بات کہنا ضروری ہے وہ یہ کہ مناسک حج میں عام لوگوں سے بہت سی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں جو دم واجب کر دیتی ہیں۔ ایک دم دینے کا مطلب یہ کہ چالیس ریال کے قریب کا خرچ، کئی ہوئے تو سو ڈیڑھ سو تک یہ خرچ پہونچ سکتا ہے۔
ایسی صورت میں جب اتنی محدود رقم سے جس کے پورے دوران قیام کے لئے کافی ہونے پر اتفاق رائے نہیں ہے اور جس سے زیادہ لے کر کوئی حاجی جا نہیں سکتا اگر جنایتوں کے دم پر اخراجات ہوئے تو حاجی بہت پریشانی میں پڑ سکتا ہے ـــ یہ سوچنے اور سوچ کر طے کرنے کا معاملہ ہے کہ موجودہ حالات میں کیا مناسب نہ ہوگا کہ کوئی حنفی غیر حنفی مسلک پر مجبوراً عمل کرے۔
سب کاموں سے فراغت پاکر لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں میں آگئے اور اپنے اپنے اشغال و اعمال میں مشغول ہوگئے۔

تین روزہ قیام منیٰ میں ہر روز رمی جمار کے علاوہ کوئی اور پروگرام حج سے متعلق نہ تھا سوائے طوافِ زیارت کے لئے مکۂ معظمہ جانے اور آنے کے جانے آنے کے سلسلے میں ٹریفک کی افراتفری سے ہر روانگی کے بعد اچھا خاصہ سابقہ پڑتا رہا تھا، ایسا کوئی انتظام سوچ رہے تھے کہ پھر ایسا سابقہ نہ پڑے

مکے سے منیٰ اور عرفات جانے کے لئے اور تین روزہ قیام منیٰ کے بعد واپس مکۂ معظمہ آنے کے لئے ہم سات غریب الدیار بڑی سیر چشمی اور اولو العزمی سے جو سات سو ریال میں ایک ٹیکسی کر چکے تھے، وہ از روئے معاہدہ طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ معظمہ پہنچانے اور واپس لانے کی ذمہ دار نہ تھی. اس کے لئے از سر نو انتظام کرنا تھا ـــــ معلوم ہوا کہ ٹیکسی والوں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ طواف زیارت کے لئے لانے لے جانے کو معاہدہ میں شامل نہیں کرتے۔

دوسرے دن ۱۱ ذی الحجہ کو طواف کے لئے مکۂ معظمہ جانا تھا اصلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ ٹھیک دوپہر کو یہاں سے چلیں اس وقت سواریوں کا ہجوم کم ہوگا اس لئے کہ بیشتر افراد ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور دوپہر تک شاید واپس بھی آجائیں کہ آج رمی جمار شیطان کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد سے مغرب تک ہے۔

چودہ لاکھ حاجیوں میں اکیلے ہم ہی ہوشیار و عاقل نہ تھے دوسروں نے بھی اسی رخ سے سوچا، اسی لئے جب دوپہر کی دھوپ میں ہم لوگ سواری کی تلاش میں نکلے تو حاجیوں کی وہی چہل پہل نظر آئی گویا چودہ لاکھ کے

چودہ لاکھ اسی وقت روانہ ہونے کے لئے نکلے ہیں۔

بہرحال دو دو ریال فی سواری کے حساب سے بسیں اور اسٹیشن ویگنیں منیٰ سے مکہ پہنچا رہی تھیں ایک اسٹیشن ویگن ہم لوگوں کے حصے میں بھی آئی، ہمارے سفارت خانے کے بالکل قریب ہی سواریاں مل رہی تھیں امی وغیرہ سفارت خانے ہی کار میں تھیں وہاں سے ان کو لے کر سواریوں کے اڈے تک آئے۔ اڈے تک آتے آتے چودھری عظیم الدین اشرف صاحب اور ان کی اہلیہ کا ساتھ چھوٹ گیا۔ کھڑے ان کا انتظار کرتے رہے آخر میں وہاں سے چلنے پر مجبور ہوگئے۔ عظیم بھائی بھی ہمارا راستہ دیکھتے دیکھتے تھک کر اپنی بیوی کے ہمراہ چل پڑے۔

مکہ میں انھوں نے اپنی روداد سنائی کہ ایک ٹیکسی پر جو تین ریال فی سواری کے حساب سے سواریاں لے رہی تھی یہ دونوں میاں بیوی سوار ہوگئے اس کے بعد کچھ سواریاں اور آئیں ڈرائیور سے کرایہ چکایا اور بیٹھ گئیں ان سواریوں کو کچھ پہلے اترنا تھا انھوں نے جو کرایہ دیا اس پر ڈرائیور سے تکرار ہونے لگی جو مار پیٹ کی حد تک پہونچ جانے والی تھی کہ وہ سواریاں جو عربی النسل معلوم ہوتی تھیں بغیر کرایہ ادا کئے چلدیں، ڈرائیور بھی ان کے پیچھے کرایہ کا تقاضا کرتا چلا گیا۔ عظیم بھائی اور ان کی بیوی ٹیکسی میں ڈرائیور کی واپسی کی منتظر ——— آدھ گھنٹے تک تو وہ واپس نہ آیا۔ مجبوراً یہ دونوں میاں بیوی ٹیکسی سے اترے اب کرایہ کس کو دیں ڈرائیور تو تقاضے کے لئے گیا ہوا تھا۔ عاجز آکر ٹیکسی کا نمبر نوٹ کیا اور کرایہ ادا کرنے کی صدق دل سے نیت کرکے وہاں سے پیدل مکہ معظمہ آئے، قریب ہی آچکے تھے ——— پھر نہ اس نمبر کی ٹیکسی نظر پڑی نہ وہ

ذرا تھوڑی سی کرایہ وصول کرنے کی فکر میں ان کو کہیں تلاش کرتا نظر آیا۔ خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا؟ ــــ اگر ان عرب سواریوں سے بھی کرایہ نہ وصول کر سکا تو اس کی اچھی ذلیل ہوئی۔

مکہ معظمہ پہونچتے ہی ہم پانچوں، امی، پھوپھو جان مامانی تین میاں اور ہم سیدھے حرم شریف حاضر ہوئے کہ پہلے طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لیں پھر اپنی قیام گاہ، بوہرہ رباط، جا کر کھانا کھائیں گے۔

ٹھیک دوپہر کا وقت تھا مطاف میں بچھے ہوئے سنگ مرمر سیاہ و سفید خوب تپ رہے تھے اور طواف کرنے والوں کا مجمع بھی خوب تھا۔ ننگے پاؤں طواف کرنا اس وقت کارے دارد تھا۔ لیکن کرنا تھا ہم نے امی کا ہاتھ پکڑا، انھوں نے پھوپھو جان کا پھوپھو جان نے مامانی کا آخر میں تین میاں ہوئے۔ اس دفعہ یہ تہیہ کر کے طواف شروع کیا تھا کہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھٹنے دیں گے مگر دو ہی تین چکروں میں ہمارے ساتھ صرف امی اور پھوپھو جان طواف کرتی نظر آئیں مامانی اور تین میاں غول میں غائب ہو گئے۔

طواف تو خیر ہو جاتا ہے یعنی خانۂ کعبہ کے گرد کسی نہ کسی طرح گھوم لیا جاتا ہے مگر حجر اسود کا چومنا کسی طرح ممکن نہیں ہوتا، ایسی کوئی مشکل بات نہ ہو اگر لوگ آتے جائیں اور استلام کر کے وہاں سے ہٹتے جائیں۔ یہاں بھی مری ہوتا ہی کہ دس بارہ آدمیوں کی ٹولی خانۂ کعبہ کے اس گوشے کو گھیرے رہتی ہو جدھر حجر اسود نصب ہے خانۂ کعبہ کے دربان کپڑے کے بنے ہوئے کوڑے زیادہ دیر تک حجر اسود سے چپٹے رہنے والے یا دھکم پیل کرنے والے پر برساتے

رہتے ہیں مگر کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ اپنی کئے جاتے ہیں یہ اپنی، اسی مصلحت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو چومنا لازم نہیں فرمایا موقعہ ہو چومے نہ موقعہ ہو تو صرف ہتھیلیوں سے اشارہ کرکے اپنی ہتھیلیاں چوم لے — ہم لوگ بھی اپنی ہتھیلیاں ہی ہر شوط (چکر) میں چومتے رہے ؎

ہجوم دیکھ کے کثرت سے سنگ اسود پر
کبھی اشارے سے بھی استلام ہوتا ہے

طواف پورا کرنے کے بعد زمزم پر گئے۔ لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ چاہ زمزم سے خود رسی ڈول کے ذریعہ زمزم نکال کر پئیں اور نہائیں — لیکن اب وہ ٹیوب ویل ہے، یا ٹیپ کے ذریعہ زمزم ابلتا ہے یا ٹیپ کے سرے خدام کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہی پلاتے ہیں اور موقعہ موقعہ سے انعام بھی مانگنے جاتے ہیں کسی نے کچھ دیدیا یا دینے والا نظر آیا اُسے پلاتے بھی ہیں نہلا بھی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی ٹونٹیاں بھی لگی ہوئی ہیں اسی طرح جس طرح مسجدوں میں وضو کرنے کے لئے ایک قطار میں لگی ہوتی ہیں ایک سمت مرداور دوسری سمت عورتیں ٹونٹیاں کھولیں اور خوب چھک کر پی لیں چاہیں تو نہا بھی لیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب زمزم پر تشریف لائے تھے تو آپ نے پلانے والوں سے، یعنی ان لوگوں سے جن کے سپرد سقایہ (حج تھا۔ یعنی حضرت عباسؓ (حضور انورؐ کے سگے چچا) اور ان کی اولاد سے زمزم مانگا تھا۔
حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے فضل بن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی ماں

کے پاس سے زمزم لاکر حضور انورؐ کو پیش کریں۔

حضور انورؐ نے فرمایا "یہی زمزم پلاؤ"

عباسؓ نے عرض کیا "اس میں تو لوگوں کے ہاتھ پڑتے رہتے ہیں"

آپ نے فرمایا "اسی سے پلاؤ" اور وہی زمزم سے آنحضرتؐ نے نوش فرمایا اس کے بعد چاہ زمزم تک حضور انور تشریف لائے اور دیکھا کہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد جدوجہد کر کے زمزم نکال رہی ہے۔ آپ نے فرمایا "تم لوگ نیک کام کر رہے ہو" اور یہ بھی فرمایا کہ "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ٹوٹ پڑیں گے تو میں اونٹنی سے اتر کر اپنے کندھے پر رسی رکھ کر زمزم خود نکالتا" ـــ مطلب یہ کہ یہ عمل نیک ہے جس کو انجام دینے کی خواہش ہوتی ہے لیکن اندیشہ ہے کہ لوگ میرے اس فعل کو سنت قرار دے کر اس کی اتباع کرنا چاہیں گے تو سقایہ کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ آنحضرت اس وقت اونٹنی پر سوار تھے تاکہ اعمال حج حاضرین بخوبی دیکھ سکیں۔

"چاہ زمزم" سے چل کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر سعی کرنے یعنی دوڑنے یا تیز چلنے کے لئے آنا تھا۔ چاہ زمزم سے یہ چند قدم کا فاصلہ تھا پہلے یہ سعی بھی خاصی سعی و کوشش چاہتی ہو گی جب دونوں پہاڑیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اب پہاڑیاں اور مسعیٰ (دوڑنے کی جگہ) مسقف (سایہ دار) اور زمین بالکل ہموار کر دی گئی ہے۔ پہاڑیاں بھی بڑی حد تک زمین دوز ہو چکی ہیں صرف دو ٹیلے معلوم ہوتے ہیں۔

صفا سے سعی شروع کر کے اور مسعیٰ کے درمیان (سعی کی ابتدا اور انتہا کی

کرنے کے لئے دو پتھر لگے ہوئے ہیں) دوڑ کر مروہ پر جانا ایک چکر ہے پھر مروہ سے صفا تک دسی طرح آنا دوسرا چکر ہے اس طرح سات دفعہ آنا جانا ہوتا ہے اور مروہ پر سعی تمام ہوتی ہے۔

آج کے دن سعی میں بھی بڑا ہجوم ہوتا ہے کاندھے سے کاندھا چھلتا ہے جانے اور آنے کے راستے بیچ میں بھی منڈیری قائم کرکے متعین کردئے گئے ہیں لیکن جگہ ہی مختصر ہے۔

ہم تینوں، امی پھوپھو جان اور ہم سعی سے فارغ ہو کر یعنی تقریباً سوا دو میل چل کر اور دوڑ کر واپس بوہرہ رباط آ گئے۔ یہاں تیمن میاں اور ممانی کا انتظار کرنے لگے جب کافی دیر ہوگئی تو وحشت ہونے لگی ان کی تلاش میں حرم تشریف لے گئے جس دروازے سے ہم لوگ طواف زیارت کے لئے داخل ہوئے تھے وہیں چپلیں جوتے رکھ دیئے تھے۔ آئے تو دیکھا کہ ممانی اور تیمن میاں کی چپلیں رکھی ہوئی ہیں یعنی وہ دونوں بھی یہیں ہیں تلاش کیا تو صفا مروہ کے درمیان دونوں سعی کر رہے تھے پوچھا کہ کتنی سعی باقی رہ گئی ہے؟ تیمن میاں نے بتایا کہ ایک چکر اور کرنا ہے۔ ہم بھی ساتھ ساتھ چلنے لگے دہ مروہ سے صفا کی طرف آ رہے تھے یعنی اب صرف صفا سے مروہ تک جانا باقی تھا۔

جب مروہ تک آنے کے بعد بھی تیمن میاں کو سعی تمام کرنے پر آمادہ نہ پایا تو پوچھا کہ کیا ابھی ایک چکر اور باقی ہے؟ وہ کہنے لگے "جی نہیں آخری چکر ابھی پورا کہاں ہوا" "کیسے"؟

کہنے لگے "صفا پر پہونچ کر ہی پورا ہوگا۔"

"تو کیا آپ نے صفا سے مروہ پھر مروہ سے صفا تک آنے کو ایک چکر قرار دیا ہے؟"

انھوں نے کہا "اور نہیں تو کیا؟"

"غضب کر دیا آپ نے۔ بچاری ممانی کو جن کے پاؤں میں تکلیف یوں ہی ہے؟ چودہ چکر کرا دیئے یعنی ساڑھے چار میل دوڑا یا۔"

ہماری ممانی اتنی دیر تک سعی کر کے یہ سمجھ رہی تھیں کہ آج پوری طرح سعی ہوئی پہلے دن (عمرہ کی ادائیگی کے وقت) تو معلم صاحب کے وہ ندے نے کتنی جلدی نپٹا دیا تھا۔

اس بچارے نے سات چکر کرائے تھے چودہ چکر متین میاں نے گھاٹے میں کرا دیئے۔

خیر اپنی قیام گاہ آئے۔ عظیم بھائی اور ان کی بیوی بھی آ چکی تھیں وہ پہر کا کھانا بازار سے خرید کر آیا اور سہ پہر سے قبل یعنی نماز عصر سے پہلے منی کے لئے روانہ ہو گئے کہ قبل مغرب رمی جمار کرنے کا موقع مل جائے۔ وہ ویال لی فی سواری والی اسٹیشن ویگن پھر مل گئی۔ اس پر ساتوں کو جگہ بھی مل گئی اور ہم لوگ روانہ ہو گئے۔

آج پہلی بار مکہ معظمہ میں سناٹا دیکھا تھا بازاریں بھی خالی اور حرم بھی خالی خالی تھا۔ حاجیوں کی اصل تعداد تو منی میں قیام پذیر تھی پھر بھی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں ـــــ یہ وہ دوکاندار تھے جنھوں نے اس سال حج کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

تعجب ہوگا یہ جان کر کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے ہیں اور حج نہیں کرتے۔ جب کہ چودہ لاکھ آدمی دور دور سے آکر مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔

مکہ معظمہ سے منیٰ واپس ہونے میں پھر ٹریفک جام ہوئی یہ تین چار میل کی مسافت طے ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ ڈرائیور نے عام راستے سے ہٹ کر چکر کا راستہ پکڑا اور اس طرف سے منیٰ میں داخل ہوا جدھر قربان گاہ تھی۔ یہاں پہونچ کر اس کی گاڑی قطار میں پھنس گئی اور ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گئی گرمی بھی سخت ہو رہی تھی ہم سب پریشان ہو گئے۔ عظیم بھائی اتر کر یہ دیکھنے چلے گئے کہ ٹریفک کیوں جام ہے۔ کافی دیر کے بعد متین میاں اترے اور عظیم بھائی کو ڈھونڈھنے چلے گئے اور ہم خواتین کی معیت میں رہے اور ایشتن وہیگن ہماری معیت میں۔ عصر کا وقت تنگ ہونے لگا اور یہ اندازہ ہوا کہ اگر راستہ صاف ہونے کے انتظار میں رہے تو نماز عصر بھی جائے گی اور رمی کا مسنون ومستحب وقت بھی — کوئی پون میل دور ہماری گاڑی کھڑی تھی۔ اتنے میں مولانا علی میاں اور شاہ جعفر میاں پھلواری ہمارے پاس سے پیدل گزرے ان کی ٹیکسی بھی پھنس گئی تھی وہ بھی اسے چھوڑ کر رمی جمار کے لئے وقت پر پہونچ جانے کے خیال سے پیدل چل دئے تھے جہاں وہ ملے تھے وہاں سے جمرہ اولیٰ تک پہونچتے پہونچتے یقیناً سورج غروب ہوگیا ہوگا اور انھوں نے بھی بعد مغرب ہی رمی جمار کیا ہوگا۔

ہم بھی خواتین کو لے کر پیدل چل دیے۔ جب اپنے خیمے میں پہونچے ہیں تو

صرف اس کی گنجائش تھی کہ جھٹ پٹ وضو کر کے عصر کی دو رکعتیں پڑھ لیں غروب آفتاب کے بعد وقت مکروہ میں رمی جمار کے لئے جا سکے۔ یہ عظیم بھائی اور متین میاں جو پیچھے بعد دیگرے گاڑی سے اتر گئے تھے ٹریفک جام ہونے کا سبب دریافت کرنے کی غرض سے ان دونوں نے لپک کر قبل مغرب ہی رمی جمار کر لیا اور ہم خواتین کے ساتھ بعد مغرب جا سکے۔

اندازہ ہوا کہ رمی جمار کا کام حاجیوں کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے۔ لوگ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کنکریاں مارنے کی ذمہ داری قبول کرے، حالانکہ سوائے معذوروں، بیماروں کے اور کسی کی طرف سے نیابتاً کنکریاں مارنا درست نہیں ہے۔

شیخ ظہور الحسن صاحب (ریٹائرڈ سکریٹری محکمہ مال یوپی) نے اس سلسلے میں تازہ ترین واردات سنائی۔ کہنے لگے "سنا آپ نے! مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی کے پاس ایک ان کے شناسا دیہاتی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے آئے اور ایک پوٹلی ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولے کہ مولوی صاحب ہم لوگوں کی طرف سے بھی آپ ہی کنکریاں مار دیجئے گا۔ آپ تو جا ہی رہے ہیں۔"

مولانا ادریس نے مسئلہ بتایا کہ سوائے معذور کے اور کسی کی طرف سے کوئی دوسرا کنکریاں نہیں مار سکتا ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا ادریس نے کہا کہ "معذوری کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے"۔

پھر اس سے پوچھا کہ "جن جن کی یہ کنکریاں ہیں وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں؟

اس نے برجستہ جواب دیا: جی! وہ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے ہیں۔ مولانا ادریس صاحب بس تلملا کر رہ گئے۔

بہرحال جب اس دفعہ جونہی واپس آئے تو ایک نئی صورت حال سے سابقہ پڑا۔ قربانی کا دن ایک روز پہلے تھا ہی، بڑی پابندی ہے کہ سوائے قربان گاہ کے اور کہیں جانور ذبح نہ کیا جائے لیکن لوگ جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جانور لاکر ذبح کر دیتے ہیں ـــ بلکہ یہیں آپ کے خیمے کے سامنے آکر ذبح کرکے اوجھڑی وغیرہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پھر جو تعفن ہوتی ہے تو ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔ امی وغیرہ تو حسب معمول سفارت خانے چلی گئیں ہم اور متین میاں خیمے میں رہنے والے تھے مگر مارے بدبو کے وہاں ٹک نہ سکے اور سامان وغیرہ چھوڑ چھاڑ سفارت خانے چلے گئے رات وہیں بسر کی۔

مسٹر مدحت کامل قدوائی جن کی سفارت میں اس سال پہلا حج ہو رہا تھا رواج کے موافق دوران قیام منیٰ میں ایک دن شاہ فیصل کو حج کی مبارک باد دینے گئے اور اپنے ساتھ کچھ معزز ہندستانی حاجیوں کو بھی لے گئے۔ یہاں سفیروں کا دستور ہے کہ وہ شاہ کو خیریت کے ساتھ حج ہو جانے کی مبارکباد دیتے ہیں اور شاہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بحیثیت سلطان نجد و حجاز شاہ فیصل کا بھی یہ پہلا حج تھا ہم تو مبارکباد دینے گئے نہیں، خدا معلوم کسی ہندستانی یا پاکستانی یا کسی اور ملک کے حاجی نے بڑی تکلیف کی پریشانیوں کی طرف بھی شاہ فیصل کو توجہ دلائی یا نہیں، یا خالی مبارک باد دے کر چلے آئے۔

ہمارے سفیر نے یہ بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ ہندستانی حاجیوں کی قیام گاہوں میں کم از کم ایک دفعہ ضرور جائیں اور ان کی خیریت پوچھ لیں۔ دور دور تک یہ قیام گاہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ صبح سہ پہر اور رات کے اوقات میں سفیر صاحب اپنے حاجیوں کی خیریت پوچھنے کے لیے گشت پر نکلتے تھے۔ رات گئے واپس آکر بستر پر پڑ رہتے تھے۔

ایک دفعہ گشت کر کے واپس آئے تو کہنے لگے: "ایک تم مولوی ہو یہاں پنکھے کے نیچے آرام سے بیٹھے ہو۔ مولانا علی میاں کو دیکھو کہ دو سو آدمیوں کے درمیان بستر ڈالے ایک شامیانے میں پڑے ہیں۔ بھئی ہمارے دل میں تو ان کی بہت قدر ہو گئی۔"

پھر انھوں نے ہمیں تلقین کرتے ہوئے کہا: "معمولی آدمی نہ سمجھنا علی میاں کو! رابطۂ عالم اسلامی کے وہ نائب صدر ہیں اور جب صدر صاحب (سعودی عرب کے مفتی اعظم) نہیں ہوتے ہیں تو رابطۂ عالم اسلامی کے جلسوں کی صدارت علی میاں ہی کرتے ہیں۔ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح عام آدمیوں کی طرح رہ رہا ہے اصلی اسلامی زندگی تو یہی ہے۔"

ان سے تو نہیں کہا کہ اس "تلقین" کا استعمال ہمارے حق میں برمحل نہیں ہے ہم ان کو تیس برس سے قریب سے جانتے ہیں اور پشتوں سے ہمارے ان کے عزیزدارانہ قسم کے مراسم ہیں اور دیکھا جائے تو پورے دو سو برس ہوئے جب رائے بریلی کے اس خانوادے سے فرنگی محل کے خاندان کے روابط قائم ہوئے تھے۔ ہمارے اجداد میں مولانا انوار الحق صاحب تو رائے بریلی میں ہی شا

نقل نقش بندی سے بیعت کرکے وہیں مقیم ہو گئے تھے۔

رہا سوال آرام اور تکلیف اٹھانے کا تو واقعہ یہ ہے کہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے اور حج حج میں فرق ہوتا ہے ؎

حج زیارت کردن خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

بعض حاجی واقعیؔ مردانہ طور پر حج کرتے ہیں باقی سب زیارت خانہ کعبہ کے آگے کی تمنا نہیں رکھتے

مولانا علی میاں، مولانا منظور نعمانی اور دوسرے کر مندوبین مؤتمر اسلامی شاہی مہمان تھے سب کو بڑی بڑی موٹریں جن کی پلیٹ نمبر دن پر "الرابطہ الاسلامی" لکھا ہوا تھا، سواری میں دی گئی تھیں اور قیام کا بہتر سے بہتر انتظام مکۂ معظمہ اور منیٰ میں کیا گیا تھا۔ علی میاں اور منظور صاحب کے لئے بھی یہی انتظام تھا مگر ان دونوں نے عام حاجیوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

ہم نے علی میاں سے مکہ معظمہ میں اپنے سفر کا یہ تاثر نقل بھی کر دیا۔ انھوں نے اپنے عام دستور کے مطابق آنکھیں جھکا کر اور قدرے مسکرا کر بس اتنا کہا "جی! کچھ جماعت سے متعلق امور ہیں جن کے سلسلے میں ہیں الگ ٹھہرنے میں زحمت ہوتی"

منیٰ کے یہ تین دن اور اس سے ایک دن قبل عرفات کا ٹینشن اور وصول لوٹانے کے دن ہیں۔ ان دنوں کے بعد یا اسی دوران عام طور پر حاجی بیمار ہو جایا کرتے ہیں۔ بخار، پیچش، حلق کی خرابی وغیرہ کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ تر بازار سے کھانا خرید کر سب کھاتے ہیں۔

ان بیماریوں کا نام ہی وہاں "بعد الحج" ہے یعنی وہ بیماریاں جو حج کے بعد عموماً حاجیوں کو ہوتی ہیں

خدا کے فضل سے ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی "بعد الحج" والی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا، مسٹر رحمت علی رازی (ایم۔ اے۔ ایس) جو اپنے خسر شیخ ذوالفقار اللہ صاحب کے ساتھ تھے بہت تیز بخار میں مبتلا ہو گئے اور ان کی حالت غشی کی وجہ سے دیکھنے میں تشویشناک معلوم ہونے لگی تھی۔ علاج وغیرہ سے قدرے بہتر ہوئی مگر حرارت کا سلسلہ قائم رہا۔ جہاز پر بھی وہ بخار میں مبتلا رہے بمبئی پہونچنے پر ان کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔

ہمارے عزیز شیخ ظہیر حسین (لکھنؤ) تو قبل حج ہی بیمار ہو گئے تھے اسی حالت میں انھوں نے مناسک حج ادا کئے جو ادا کر سکتے تھے پھر مدینے جائے گئے جہاں باقاعدہ علاج کے بعد وہ اچھے ہو سکے۔

ناظر۔ تھا کہ ذوق و شوق سے جانے والے حاجی حج کے بعد اسی قدر بے چینی اور بے تابی سے واپسی کے خواہش مند ہو جاتے ہیں۔ منیٰ میں ہوتے ہیں کہ سفارت خانے کے افسران سے اپنے جلد واپس ہونے کے وجوہ و اسباب بتا کر ترجیح حاصل کرنے کے لئے سعی شروع کر دیتے ہیں۔ منیٰ میں ہمارا بیشتر وقت سفارت خانے میں گزرا اس لئے اپنی آنکھوں سے واپسی کے لئے اضطراب کے مناظر دیکھے لئے کیسے کیسے لاطائل اعذار لوگ پیش کرتے تھے کہ ہنسی آجاتی تھی۔ سفارت خانہ اس معاملے میں سختی کر رہا تھا، سوائے ان لوگوں کے جو بیمار ہیں یا جو ملازم ہیں اور چھٹی لے کر حج کرنے آئے ہیں کسی اور کو اس کی اجازت "سے پہلے جانے کے لئے ترجیحی پرمٹ" نہیں

دے رہا تھا اگر دنیا ختم ہو جائے تو سب ہی درخواست لئے کھڑے نظر آئیں
بہرحال تین دن منیٰ میں قیام کرکے بارہویں ذی الحجہ کو رات کو ایک بجے اپنی
سات سواریاں والی ٹیکسی کے ذریعہ مکہ معظمہ واپس آگئے۔ چونکہ ہم آخری جہاز سے
آئے تھے اس لئے ہمیں کم و بیش ڈیڑھ مہینے مکہ معظمہ میں رہنا تھا اس کے بعد
دس دن کے لئے مدینہ منورہ جاتے اور وہاں سے واپس جدہ آکر کہیں وسط جون
میں بمبئی کے لئے روانہ ہوتے لیکن معاملات کی رفتار مکہ معظمہ پہنچ کر کچھ مختلف ہو گئی۔

حج کے بعد مکّۂ معظمہ میں

مکۂ معظمہ واپس آ گئے، اب یہاں صرف قیام کرنا تھا، حج کی تکمیل ہو چکی تھی حاجیوں کی بڑی تعداد۔ جن میں سعودی باشندے اور وہ حاجی شامل تھے جن کے ملکوں اور سعودی مملکت کے درمیان ویزا پاسپورٹ کا کوئی جھگڑا نہ تھا، واپس ہونا شروع ہو گئی تھی کوئی دس لاکھ حاجی دیکھتے دیکھتے مکۂ معظمہ سے رخصت ہو گئے (زیادہ) چہل پہل تھی کہ حرم شریف کے اندر کیا حرم کے آس پاس جگہ ملنے میں زحمت ہوتی تھی یا اب کتنی ہی تاخیر سے کوئی پہونچے حرم ہی میں اسے صف بستہ ہونے کی سعادت نصیب ہو جاتی تھی۔

تین دن کے اندر "مقامی" باشندے یہاں سے کوچ کر گئے اور ہفتے کے آخر تک غیر مقامی باشندوں کے دستے بھی رخت سفر باندھتے نظر آئے۔ یہ اس وقت ہوا جب سعودی حکومت کی طرف سے "کوس رحیل" بج چکا تھا۔

معلوم ہوا کہ حج کے بعد پاسپورٹ اور ویزا کے اسیر حاجی، اس وقت تک مکۂ معظمہ سے ہل نہیں سکتے جب تک سعودی حکومت کی طرف سے "لائن کلیر"

(راستہ صاف ہے کا اعلان) نہ ہو جائے عموماً حج کے اختتام کے ایک ہفتے کے اندر ہی اندر "بہ ہندیہ چلیا" کی صدائے جرس فریاد یا مژدہ بن کر گونجنے لگتی ہے۔

کچھ تو وطن واپس ہونے لگتے ہیں، یہ وہ حاجی ہیں جو قبل رمضان آئے تھے اور ساڑھے تین مہینے مجموعی طور پر جوار رسولؐ اور جوار کعبہ میں گزار چکے تھے، اولیں جہاز انہیں حاجیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ۱۴ اپریل کو مناسک حج پایۂ تکمیل کو پہونچے تھے۔ شاید ۱۷ اپریل کو "کوس رحیل" بجا (کوئی نہ سمجھے کہ واقعی کوئی سائرن وغیرہ بجایا گیا) اور ۱۸ اپریل کو ہندستانی حاجیوں کا پہلا دستہ رخصتی طواف کر کے "الٹے پاؤں" واپس جدے روانہ ہوگیا۔

خانۂ کعبہ کا رخصتی طواف یا طواف وداع کر کے "الٹے پاؤں" ہی واپس ہوا جاتا ہے اس طرح کہ منھ کعبہ شریف کی طرف رہے اور پیٹھ دروازے کی طرف اور الٹے ہی پیر باب الوداع تک آ جائے یعنی رخ برابر خانۂ کعبہ کی طرف رہے اسے رجعت قہقری کہتے ہیں۔

تمام فقہا طواف وداع کے بعد رجعت قہقری کو مستحسن بتاتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اس رجعت قہقری کے سلسلے میں کوئی مرفوع یا موقوف حدیث نہیں پائی جاتی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں کوئی حکم یا ارشاد مروی نہیں ہے مگر تمام فقہا نے احترام خانۂ کعبہ کے خیال سے اس کی طرف پیٹھ نہ کرنے اور الٹے پاؤں واپس ہونے کو طواف وداع میں مستحسن قرار دیا ہے اور وہ بات جس کی کوئی شرعی سند نہیں اور عام لفظوں میں جسے بدعت کہتے ہیں اُسے سب نے قبول کر لیا ہے۔

جو لوگ دین میں نئی بات کو بدعت کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں وہ اس "بدعت تقھری" پر علما کے اجماع کو خدا جانے کیا کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ اگر "بدعت" کی تعریف کرنے میں کوئی غلطی کر جائے تو وہ خود ہی اپنی غلطی کا شکار بن جاتا ہے "کل بدعۃ ضلالۃ" والی حدیث کی تشریح میں کسی بھی نئی بات کو پہلے بدعت قرار دیا پھر بعض نئی باتوں کو ضروریات دین میں سے پاکر "بدعت" کی قسمیں کر دیں بدعت مکروہہ بدعت مستحبہ بدعت مباحہ حتیٰ کہ بدعت واجبہ تک کی قسم نکل آئی پھر "کل بدعۃ" میں استثنا کی ضرورت لاحق ہوئی۔

بحث کا یہ محل تو نہیں لیکن استاذی و محمی مولانا مفتی محمد شفیع جمۃ اللہ انصاری فرنگی محلی مدظلہ العالی نے "بدعت" کی جو جامع تعریف کی ہے اس کو نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں "ادلۂ شرعیہ (کتاب سنت اجماع اور قیاس) سے جس فعل یا اعتقاد یا حکم کا (یعنی عمل، عقیدہ، جواز، استحباب، وجوب، فرضیت حرمت کراہت ثواب اور عذاب وغیرہ کا) شرعی اور دینی ہونا ثابت نہ ہو اسے شرعی اور دینی سمجھنا یا شرعی اور دینی سمجھ کر اسے برتنا بدعت ہے اسی کو احداث فی الدین کہتے ہیں اور اس تشریح کے لحاظ سے "کل بدعۃ ضلالۃ" میں کوئی استثنا نہیں جن امور کو بدعت مباحہ یا مستحبہ یا واجبہ یا مکروہہ وغیرہ کہتے ہیں وہ اس تشریح کی بنا پر سرے سے شرعاً بدعت ہی نہیں کیونکہ ان کے جواز یا وجوب یا استحباب یا کراہت وغیرہ کا ادلۂ شرعیہ میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ثبوت ہوتا ہے اگر اور کم قیاس سے تو ضرور ثبوت ہوتا ہی" شرح مقدمۂ صحیح صفحہ ۳

بہرحال کچھ لوگ وطن کی طرف چل پڑے اور کچھ مدینہ شریف کے عازم ہوئے

ان لوگوں کے لئے صدائے جرس واقعی مژدہ تھی۔

حج کے بعد اچانک مدینہ منورہ میں اتنا بڑا اجتماع ہو جاتا ہو کہ حدود مدینہ منورہ میں سمانہیں پاتا۔ مقامی باشندے اور وہ جن پر ویزا پاسپورٹ کا نفاذ نہیں تین دن کے اندر مدینہ شریف زیارت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ کہ وہاں جگہ کی قلت کے علاوہ پانی تک کی قلت ہو جاتی ہے اس لئے ویزا پاسپورٹ والے حاجیوں کو، جو بعد حج مدینہ شریف کی حاضری کے لئے بیتاب ہوتے ہیں روک روک کر رکھا جاتا ہے اور بالاقساط روانگی کی اجازت دی جاتی ہے اور آٹھ دس روز سے زیادہ وہاں قیام کی اجازت یا تو نہیں ملتا یعنی ایسے وقت حاجی کو مکہ معظمہ سے جانے کو ملتا ہے کہ اس کے جہاز کے چھٹنے میں ۱۵ - ۱۶ دن باقی ہوتے ہیں۔ چاہے بھی تو مدینہ شریف میں دس دن سے زیادہ وہ ٹھہر نہیں سکتا۔

ہوائی جہاز سے آنے والے حاجیوں پر پابندیاں ڈھیلی ہوتی ہیں پھر بھی حج کے بعد مولانا حبیب الرحمن اعظمی محدث کو مکہ معظمہ سے مدینہ شریف جانے کی اجازت ایک ہفتے تک نہیں ملی جب کہ ان کے ہوائی جہاز کی روانگی کو دس ہی دن رہ گئے تھے یہی معلوم ہوا کہ مدینہ شریف میں کثرت زائرین سے پانی کی قلت ہو گئی ہے۔

ہمارے ایسوں کے لئے جو آخری جہاز سے حج سے صرف پانچ روز پہلے پہونچے تھے مکہ معظمہ سے جانے کا خواب بھی دیکھنا اس وقت غلط تھا اس لئے اب گھر کے خواب دیکھنے لگے۔

گو دیر سے نماز کیجئے نیاز آدمی چاہئے کرے کچھ تو!

گھر سے روانہ ہوئے پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ حج سے پہلے تو انتظامات حج میں انہماک رہتا ہے گھر کی خیر سلا کا بس یوں ہی سا دھیان آجاتا تھا۔ اب خطوں کا بے چینی سے انتظار ہونے لگا۔

یہاں گھر سے آئے ہوئے خطوں کا مل جانا دشوار سہی پر اتنا دشوار نہیں جتنا کہ معظمہ سے خط کی روانگی مشکل بلکہ عذاب ہے۔ خط لکھئے سادہ لفافہ بازار سے خرید لیے پتہ لکھ لکھا کر ڈاک خانے جائیے جہاں ہزاروں آپ ہی کی طرح پتہ لکھے لفافے ہاتھوں میں لئے کھڑے ہوں گے خدا جانے آپ کا نمبر کب آئے۔ انتظار کیے جائیے جب نمبر آئے ٹکٹ بابو کو لفافہ دیدیجئے وہ دیکھ کر بتائے گا اتنے کا ٹکٹ ہو دام دیجئے ٹکٹ لیجئے لفافے پر چسپاں کر کے لفافہ پھر انھیں بابو کے حوالے کر دیجئے — اب جب پھر لفافہ بھیجیں گے پھر یہی سب کچھ کرنا ہو گا۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ تو پوچھ معلوم ہو گیا اتنے کا ٹکٹ لفافہ میں لگا اسے سپرد ڈاک کر دیا — نہ جانے اس میں کیا قباحت ہے کہ ٹکٹ خرید لے والوں کو ان کے حسب منشا ٹکٹ دیدیئے جائیں وہ خط لکھ لکھ کر اور ٹکٹ لگا لگا کر روانہ کرتے رہیں۔

ہماری قیام گاہ سے ملا ہی ہوا ڈاک خانہ تھا مگر جب خط لکھنا چاہتے تھے تو سوچنا پڑتا تھا کہ اتنا وقت بھی ہے کہ خط سپرد ڈاک کرنے کے مراحل پورے ہو جائیں۔

اتفاق سے ہمارے ساتھ ہندستانی لفافے اور پوسٹ کارڈ بھی تھے ہمیں یہ آسانی ہوئی کہ ہوائی جہاز سے واپس ہونے والے شناساؤں کو پوسٹ کارڈ یا لفافہ دے دیا کہ آپ کل بمبئی پہنچ جائیں گے وہاں ڈاک میں ڈال دیجئے گا۔

گھر کے خط عموماً معلم صاحب کے پتے پر آتے ہیں وہاں خطوط کے انبار میں اپنے نام کے خط جا کر تلاش کرنا ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سینکڑوں خطوط پڑے کے پڑے رہ جاتے ہیں۔ یعنی مکتوب الیہم کو انبار میں ڈھونڈھے نہیں ملتے۔

اب اس کا موقعہ بھی بخوبی تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت حرم شریف میں گزرے اور زیادہ سے زیادہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا جائے۔ طواف ہر وقت کیا جا سکتا ہو اور ہر وقت کیا جاتا رہتا ہے۔ کسی وقت مطاف کو خالی نہیں دیکھا۔ ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں بھی طواف کرنے والے بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ مگر یہ زیادہ تر جفاکش نسل کے یا گرم خطّوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں کہ جن کے لئے یہاں کی دھوپ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔

ہم نے طواف کا وقت ٹھنڈے ٹھنڈے رکھا یعنی عصر کے بعد سے بعد نماز عشا تک کا وقت اس وقت طواف کرنے والوں کا بہت ہی سخت ہجوم رہتا ہو ہجوم سے کوئی بچنا چاہے اور ٹھنڈا وقت بھی چاہے تو آدھی رات سے نماز تہجد تک طواف کر سکتا ہے۔

اللہ والوں کے نزدیک حرم شریف میں نفل نماز سے افضل ہے طواف کرنا اگرچہ یہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے چونکہ احناف کے نزدیک عصر اور مغرب کے درمیان نفل پڑھی نہیں جاتی ہے اس لئے حرم شریف میں ہو تو طواف ہی کرے۔ نہ کر سکے تو ٹکٹکی لگائے خانۂ کعبہ کو دیکھتا رہے۔ یہ بھی عبادت ہے۔ اور نفل کا وقت ہو تب بھی طواف کو ترجیح دے تو اچھا ہے۔

طواف کے لئے سینکڑوں دعائیں معلمین پڑھاتے ہیں اور فقہانے لکھی بھی ہیں لیکن کوئی خاص دعا لازمی و ضروری نہیں ہے۔

مسنون دعائیں بے شک ہیں۔ مگر وہ بھی چند ہیں اور مختصر۔ بہت سے لوگ طواف میں تامل صرف اس غلط فہمی میں کرنے لگتے ہیں کہ جو دعائیں معلمین نے طواف کے وقت پڑھائی تھیں وہ سب یاد کہاں ہیں اور بغیر ان کے طواف ہوگا نہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کوئی دعا اور کسی زبان میں دعا کرتے ہوئے طواف کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بہتر اور مسنون دعا "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة" الخ ہے اگر صرف یہی پڑھتا رہے تو کافی ہے۔ لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق دعائیں منتخب بھی کر لیتے ہیں اور طواف میں پڑھتے رہتے ہیں۔ جیبی سائز کی کتابیں بھی دعاؤں والی ملتی ہیں۔ ان کو ہاتھ میں لئے پڑھتے جاتے ہیں اور طواف کرتے جاتے ہیں۔

——— شیخ ظہور الحسن صاحب نے بتایا کہ وہ طواف کے دوران فلاں فلاں آیتیں اور دعائیں پڑھتے ہیں۔ ان میں سورۂ قریش بھی انھوں نے شامل کر لی تھی۔

مولانا ادریس صاحب ندوی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی بے چینی سے بولے ان میں درود شریف کو بھی شامل کر لیجئے۔ اس کے بعد اثر پیدا کرنے والی جذباتی کے ساتھ کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا حق ہے آپ کا بہت بڑا حق امت پر ہے" اس طرح انھوں نے کہا کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ———

بے شک اکوئی عبادت بلکہ کوئی دعا بغیر درود شریف کے اخذم اور ابتر ہے ———

اپنی نجات کے لئے یا ثواب کے لئے عبادت کرنا اور جس ہستی نے نجات کی راہ دکھائی اس پر درود شریف پڑھنا بھول جانا سخت نا انصافی، بدترین بخل اور شدید احسان فراموشی ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ درود شریف پڑھنے کی برکتوں اور منفعتوں کا مشاہدہ کر لینے والوں نے تو پورے طواف میں سوائے درود شریف کے اور کچھ نہیں پڑھا۔

یوں تو حرم شریف کے اندر بھی لوگ جوتے بغل میں دبائے چلے جاتے ہیں اور اپنے پاس رکھ کر نماز میں یا تلاوت میں یا کسی عبادت میں لگ جاتے ہیں مگر یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ جب ہر دروازے پر ثواب رہتے ہیں ان کے پاس الماریاں ہوتی ہیں جن میں وہ نمازیوں کے جوتے حفاظت سے رکھ لیتے ہیں اور واپسی پر نکال کر دے دیتے ہیں تو حرم شریف کے اندر جوتے لے جانے اور کبھی کبھی قرآن شریف کی الماریوں کے پاس انہیں رکھنے کا سوء ادب کیوں سرزد ہو۔ بواب بیچارے کچھ طلبگار بھی نہیں ہوتے۔ دے دیجئے تو قبول، نہ دیجئے تو مطالبہ نہیں۔

اس ڈر میں کہ جوتے کہیں کھو نہ جائیں سب ہی لوگ دو دو ریال کی چپلیں بنا استعمال کرتے ہیں کہ اگر کھو بھی گئیں تو زیادہ خسارہ نہیں کھوتی تو کم ہیں بدلتی خوب ہیں سب چپلیں ملتی جلتی کسی کا تسمہ پہچان کے لئے نیلا ہے (نیلے تسمے کی کئی ہزار چپلیں موجود ہیں۔ لوگ مزید پہچان کے لئے کوئی نشان بھی بنا دیتے ہیں مگر پہچان کا نشان تو نشان بنانے والے کے فائدے کی چیز ہے جو دھوکے میں آپ کی چپل لے گیا۔ وہ نشان دیکھ لیتا تو کیوں لے جاتا ہاں آپ چپلوں کے ڈھیر میں نشان سے اپنی چپل پہچان

سکتے ہیں کچھ لوگ چپل کے تسمے میں ایک دھجی باندھ لیتے ہیں یہ پہچان ہوتی ہے مگر اس کی کیا ضمانت کہ وہ بھی کہیں کھل کر گر نہ جائے گی. پھر تو آپ بھی اس طرح اپنی چپل کو دیکھیں گے کہ پہچانی نہیں جا سکتی'

ہم لوگوں کی چپلوں کے ساتھ بارہا یہی ہوا کبھی کوئی چپل واپسی میں ملی کبھی دوسری قسم کی، یعنی ہم سے پہلے جانے والا غلطی سے ہماری چپل لے گیا اپنی چھوڑ گیا، اب ہم اس کی چپل استعمال کریں یا نہ کریں. ایک مسئلہ سامنے آ گیا. فقہا نے حرم شریف میں جوتوں کے ادل بدل کو دیکھ کر یہ جزئیہ لکھ دیا ہے کہ اگر بدلے کا جوتا مالیت یا حیثیت میں اپنے جوتے سے کم یا برابر ہو تو اس کا استعمال جائز ہے اور اپنا گھٹیا تھا اور بدلے میں ملنے والا عمدہ اور قیمتی ہے تو اس کی حیثیت "لقطہ پڑی پائی چیز" کی ہو گی یعنی اعلان کیجئے کہ یہ کس کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی نے ہماری چپلیں بدلنے کے روز روز قصے سن کر کہا "یہ تو ہو گا، دیکھئے ہمارا جوتا ایک دفعہ بھی نہیں بدلا"

مطلب یہ کہ ایک ہی قسم کی سینکڑوں ہزاروں چپلوں میں بدل جانا ذرا بھی عجیب نہیں۔ جوتا خصوصاً جب وہ کارخانے کا نہ ہو بلکہ کاریگر کا بنایا ہوا ہو اپنی الگ پہچان رکھتا ہے اسے کوئی دھوکے سے اٹھا نہیں لے جاتا ہاں چرا کر لے جا سکتا ہے بات بڑے پتے کی معلوم ہوئی۔ حالانکہ اب غور کرتے ہیں تو کیسی بدیہی بات تھی'

مؤتمر عالم اسلامی

ہمارے قیام مکۂ معظمہ کے دوران وہاں رابطۂ عالم اسلامی کی دوسری مؤتمر اسلامی کا انعقاد ہوا، ایک شاہی محل تھا جسے معزول شاہ سعود نے رابطۂ عالم اسلامی کو دے دیا تھا، وہیں رابطے کا سکریٹریٹ ہے، وہیں مؤتمر اسلامی ہوئی۔

مؤتمر کے مندوبین تمام اسلامی آبادیوں سے آئے تھے۔ اور وہی مؤتمر میں شریک ہوسکتے تھے، رابطۂ عالم اسلامی کے نائب صدر مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے ہمارے لئے بھی مندوب کا ٹکٹ داخلہ بغیر ہمارے کہے منگا کر ہمیں دیا جس میں ہمیں "صحیفۂ صوت الشعب" (اخبار قومی آواز) کا مندوب کہا گیا تھا۔ مؤتمر کے کھلے اجلاس دو ہی تین ہوئے البتہ مختلف سب کمیٹیوں کے جلسے بار بار اور کئی روز تک ہوتے رہے تقریباً ایک ہفتہ مؤتمر عالم اسلامی کی سرگرمیوں میں صرف ہوا ہندستان سے تین سرکاری ڈیلی گیٹ گئے تھے۔ مسٹر فخرالدین احمد منسٹر (دہلی) مسٹر یونس سلیم ڈپٹی منسٹر (حیدرآباد) اور مولوی عبدالعلی برکاتی (مدرسۂ عالیہ کلکتہ)

ان کے علاوہ ہندستان کی مسلم تنظیموں کے نمائندے بھی سعودی حکومت کی

دعوت پر گئے تھے۔ ان میں مفتی محمد عتیق الرحمن عثمانی (دہلی) مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت (بہار) بھی تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تو نائب صدر اور بانی ممبروں میں ہیں مولانا محمد منظور نعمانی (مدیر الفرقان) بھی رابطہ کے بنیادی ممبروں میں ہیں یہ دونوں ممبر کی حیثیت سے تھے۔ مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی کو کونفرنس کے جنرل سکریٹری نے مخصوص نمائندے کی حیثیت سے وہیں دعوت دی تھی۔ مولانا معین اللہ ندوی بھی مولانا علی میاں کے ہمراہ گئے تھے اور مندوب تھے اس کے علاوہ کشمیری لیڈر شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ بھی مؤتمر کے مندوبین میں تھے ــــ پھر ہندستان کی نمائندگی ہم مولانا ابواللیث ندوی، مسٹر محمد اسماعیل (مدراس) مولوی محمد مسلم (مدیر روزنامہ دعوت) اور مسٹر غلام سرور (مدیر صدائے عام پٹنہ) بھی تو کر رہے تھے!

مؤتمر اسلامی کا اجلاس ۸ اپریل سے شروع ہوا۔ یہ مجلس رابطۃ العالم الاسلامی کا دوسرا دور یعنی دوسرا اجلاس تھا جو تین سال کے بعد ہو رہا تھا۔ مؤتمر کا پہلا اجلاس ماہ مئی ۱۹۶۲ء (ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ) میں ہوا تھا۔

رابطہ عالم اسلامی کا ذکر کئی سال ہوئے ہندستان میں ہم اخباروں میں پڑھ چکے تھے اور اس کے فرائض کے بارے میں کوئی واضح تصور قائم کرنے میں ہمیں اس وقت ابھی کامیابی نہیں ہوئی تھی

یہاں آ کر یاد تازہ ہو گئی ۲۶-۱۹۲۴ء کی جب سلطان ابن سعود نے ہاشمی خاندان کے حکراں شریف مکہ سے بزور شمشیر حجاز کی سلطنت چھینی تھی جس وقت یہ جنگ حجاز میں چل رہی تھی ہندستان میں مسلمان دو بڑے گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ ابن سعود کے طرفداروں کا تھا جو شریف مکہ سے اس لئے ناراض تھا کہ اس نے ایک

طرف تو انگریزوں کی شہ پاکر جس وقت جب خلافت عثمانیہ (ترکی حکومت) پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں سے برسرِ پیکار تھی ترکی سلطنت کے خلاف بغاوت کرکے خطۂ حجاز میں اپنی حکمرانی اور مطلق العنانی کا اعلان کر دیا تھا۔ دوسری طرف حجاز میں امن وامان اور سلامتی راہ کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا جس کے نتیجہ میں حاجیوں کو بدوؤں کی تاخت اور شب خون سے آئے دن سابقہ پڑا کرتا تھا۔

سلطان ابن سعود سے ہمدردی کی ایک وجہ ہندستانی مسلمانوں کو یہ تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر ونفوذ کو حجاز سے ختم کر دینے کا مدعی تھا۔ ہندستانی مسلمانوں کا جو گروہ ابن سعود کا مخالف تھا وہ بھی سیاسی پہلو سے نہ تھا بلکہ اعتقادی پہلو سے اختلاف تھا بہت سے وہ حلقے جو اعتقادی اعتبار سے ابن سعود کے مسلک سے اختلاف رکھتے تھے سیاسی اعتبار سے وہ بھی سلطان کے طرف دار تھے جن میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی مرحوم بھی تھے جنھوں نے اپنے پیر و مرشد مولانا عبدالباریؒ (فرنگی محلی) سے جو سلطان ابن سعود کے شدید مخالفوں میں تھے جھگڑا تک کر لیا تھا۔

سعودی اقتدار حجاز میں قائم ہو جانے کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کو جو انگریزوں کے سخت ترین مخالف تھے بڑی توقعات نئی حکومت سے قائم ہو گئی تھیں انہیں سلطان ابن سعود کی سادہ زندگی نیز سلطانیت سے بے رغبتی کی روایات سن سن کر اپنے اس قدیم خیال کے عملی جامہ پہننے کے امکانات روشن نظر آنے لگے کہ حرمین شریفین میں کسی بادشاہ کا حکم نہیں چلے گا یہ خطہ آزاد ہو گا مولانا مرحوم اس سلسلے میں اتنے پر امید تھے کہ جب سلطان ابن سعود نے جون ۱۹۲۶ء میں مسلمانوں کی

ایک بین الاقوامی مؤتمر بلانے پر آمادگی ظاہر کی دجس کی تحریک ہندستان کے سعودی طرفدار دل ہی نے کی تھی) تو مولانا محمد علی مرحوم اس میں شرکت کرنے اس غرض سے گئے تھے کہ سلطان ابن سعود کو ترغیب دینے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ حجاز کا انتظام ایک بین الاقوامی اسلامی مجلس کے حوالے کر دیا جائے اور اس مقدس خطے کو جس میں حرمین شریفین واقع ہیں حکمرانوں کی کشاکش سے باہر رکھا جائے مرکزی خلافت کمیٹی نے بھی اسی مضمون کی قرارداد منظور کرکے اس کی نقل سلطان ابن سعود کو بھیج دی تھی۔ اس زمانے میں خلافت کمیٹی کا اعلیٰ کمان زور شور سے سلطان کی حمایت کر رہا تھا۔

سلطان ابن سعود کسی بین الاقوامی اسلامی مجلس کے خیال سے اتفاق نہ کر سکا۔ اس کا کہنا تھا کہ عالم اسلامی کے بعض خطے (مثلاً ہندستان، مصر وغیرہ) اجنبیوں کے تابع ہیں (انگریزوں کے) ایسے مسلمان جو آزاد نہیں ہیں ایک آزاد خطے کا انتظام سنبھالنے یا اس انتظام میں شریک ہونے کے اہل نہیں ہیں۔

پھر بھی سلطان نے طرف دار ہندستانی مسلمانوں کی تجویز کا پاس کرتے ہوئے اس پر آمادگی ظاہر کر دی تھی کہ حج کے انتظام اور حجاج کی سہولتوں کے سلسلے میں دنیائے اسلام اگر کوئی مجلس بنائے تو اس کے مناسب مشوروں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ضرور کی جائے گی اور سعودی حکومت اس مجلس سے پورا تعاون کرے گی۔

مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم جو سلطان کی حمایت میں رفیق و شریک تھے اس اہم سوال پر مخالف صفیں قائم کرتے نظر آئے۔ مولانا ظفر علی خاں آخر تک سلطان کی ہمدردی کا دم بھرتے رہے اور مولانا محمد علی مرحوم کو اپنی

امیدیں جب خاک میں ملتی نظر آئیں تو وہ اتنے ہی شدید مخالف ہو گئے، جتنے شدید اس کے حامی رہ چکے تھے۔

سلطان ابن سعود کی بلائی ہوئی اس مؤتمر میں جو حرمین شریفین کے انتظام کے بارے میں غور و خوض کرنے والی تھی ہندستانی مسلمانوں کا یا خلافت کمیٹی کا جو وفد شریک ہوا تھا اس میں مولانا محمد علی مولانا شوکت علی مولانا محمد عرفان اور مسٹر شعیب قریشی وغیرہ تھے۔ مشہور ہے کہ مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی عادت کے موافق جب سلطان ابن سعود سے حجاز کو "خطۂ آزاد" رکھنے پر بے طرح اصرار جاری رکھا تو نجدی سلطان (نجدی مزاجاً درشت اور تند دکھلاتے ہیں) اپنی کمر سے بندھی ہوئی شمشیر کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر یوں گویا ہوا "مسٹر صاحب اس شمشیر کے بل پر میں نے حجاز کی حکومت حاصل کی ہے کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ میری مفتوحہ زمین کے انتظام کے بارے میں ادنیٰ دخل دے، جو دخل دینے کا حوصلہ رکھتا ہے اسے پہلے بزور شمشیر مجھ سے اس حکومت کو چھینے کا حوصلہ کرنا ہوگا۔"

ہندستانی مسلمانوں کے مدبر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم بھی سلطان کے حامی تھے اور مؤتمر کے انعقاد کے فی الجملہ موافق لیکن اپنی عادت کے موافق وہ کسی معاملہ میں اس وقت تک حصہ نہیں لیتے تھے جب تک اس کے تمام پہلوؤں کا تمام جزئیات کے ساتھ جائزہ نہ لے لیں۔ مؤتمر اسلامی کے بارے میں بھی وہ اس کے دائرہ بحث کی مزید وضاحت چاہتے تھے اور سلطان کی بلائی ہوئی مؤتمر کو بھی اس پہلو سے اہم سمجھتے تھے کہ یہ ابتدائی کانفرنس ہو جس میں بڑی مؤتمر کے

انعقاد کا باضابطہ فیصلہ کیا جائے اور ایک مجلس قائمہ (اسٹینڈنگ کمیٹی) بنائی جائے جو آئندہ سال حج کے موقعہ پر مطلوبہ درجہ اہمیت در اجتماع کی کانفرنس (مؤتمر) منعقد کرنے کا انتظام کرے۔ مولانا آزاد کا خیال تھا کہ اسلام کی بین اقوامی مؤتمر بجائے خود اس درجہ اہم معاملہ ہے کہ اچانک اس کا وجود میں آجانا ممکن نہیں ہے بلکہ تدریج و ترتیب ناگزیر ہے۔

ادھر سلطان ابن سعود نے حجاز پر تسلط قائم ہوتے ہی بعجلت تمام حجاز میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور حرمین شریفین میں اس کی بادشاہی کی بیعت بھی ہو گئی۔

یہ قضیہ جو اس قدر تفصیل سے یہاں بیان ہوا ہے پورے انتالیس سال پرانا ہے مگر معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ جیسے اسی سال اپریل ۱۹۶۵ء میں جو مؤتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ میں منعقد ہوئی وہ تمام تر اس الجھاؤ میں رہی اور اپنے مقاصد کے واضح نہ ہو پانے اور دائرہ بحث کے صحیح طور پر متعین نہ ہو سکنے نے بالآخر مؤتمر عالم اسلامی کو ایسے اختلافات کا شکار بنا لیا جس کو حجاز و نجد کی مطلق العنان بادشاہی بھی بچا نہ سکی اس کے برعکس وہ خود اپنی عزت بچاتی نظر آئی۔

ہوا یہ کہ اسلامی ملکوں سے رابطہ عالم اسلامی نے (جس کے زیر اہتمام مؤتمر اسلامی منعقد ہوتی ہے) وفود طلب کئے۔ اس سلسلے میں اسلامی حکومتوں کو دعوت نامے بھیجے گئے غیر اسلامی ملکوں سے بھی وفود طلب کئے گئے اور دعوت نامے بھیجے گئے پہلے تو حکومت عراق نے وفد بھیجنے سے انکار کیا اور معقول بات یہ کہی کہ کسی غیر سرکاری ادارے کو (رابطہ عالم اسلامی غیر سرکاری ادارہ ہے) یہ حق نہیں

پہونچا کہ وہ کسی سرکار کو دعوت دے۔ مصر کی حکومت کو دعوت ہی نہیں بھیجی گئی کیونکہ موتمر کا بنیادی خیال اخوان المسلمین کی نمائندہ شخصیتوں کا دیا ہوا تھا اور مصر کی موجودہ حکومت اخوان المسلمین کی جانی دشمن کہی جاتی ہے۔ تو خاص دو اسلامی حکومتیں موتمر سے الگ ہی رہیں۔ حبش کی عیسائی حکومت میں بھی مسلمانوں کی وافر آبادی ہے۔ وہاں سے بھی سرکاری وفد مدعو کیا گیا تھا اور وہ آ بھی گیا۔ آ گیا تو بعض اسلامی وفود نے اس کی شرکت پر اعتراض کیا کہ غیر اسلامی حکومت سے سرکاری وفد آنے کے کیا معنی؟ ـــــ غیر اسلامی ملکوں سے اسلامی اداروں کے نمائندے ہی اور وہ بے ضابطہ شریک ہو سکتے ہیں ـــــ کانی انجمن اس اعتراض نے شروع ہی میں پیدا کر دی۔

ہندستان سے بھی سرکاری وفد دعوت نامہ پا کر گیا تھا۔ حبش کے سرکاری وفد کو اگر شرکت سے روک دینے کی کوشش کامیاب ہو گئی تو اس نظیر کی بنیاد پہ ہندستان کے سرکاری وفد کو بھی شرکت سے روک دیا جائے گا۔ پاکستان کا وفد اس تاک میں بیٹھا ہی ہوا تھا۔

جب حبش کے سرکاری وفد کی شرکت کا معاملہ موتمر کی اعلیٰ کمیٹی میں اٹھا تو اس کے ساتھ ہندستان کا معاملہ بھی اٹھا دیا گیا۔ مگر شام کے ایک سوجھ بوجھ رکھنے والے نمائندے نے جو صدارت کے فرائض انجام دے رہا تھا رولنگ دے کر حبش اور ہندستان کے معاملوں کو مختلف قرار دیا۔ اس کی رولنگ یہ تھی کہ حبش عیسائی حکومت ہے جہاں مسلمان آبادی کا حکومت سے جھگڑا اور بنیادی حقوق کے سوال پر جھگڑا چل رہا ہے ـــــ ہندستان کی حکومت مذہبی حکومت نہیں ہو

وہاں کے تمام شہری آئین کی نظر میں مساوی ہیں اس لئے ہندستان کے سرکاری وفد کو مؤتمر میں سرکاری حیثیت سے شرکت سے روکا نہیں جا سکتا۔

اس مؤتمر میں ۵۲ ملکوں سے نمائندے آئے تھے جن میں ۳۵ سرکاری وفد تھے۔ مؤتمر اسلامی کی صدارت مجلس رابطہ عالم اسلامی کے مستقل صدر مملکت عربیہ سعودیہ کے مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کر رہے تھے (یہ پیدائشی نابینا ہیں) مجلس کے تاسیسی ممبروں میں جن کی تعداد ۲۱ بتائی جاتی ہے ایک تو ہمارے محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ہیں جو اس سال بھی شریک اجلاس تھے دوسرے ڈاکٹر سعید رمضان تھے جو لکھنؤ آچکے ہیں۔ ان سے ملاقات ہو چکی تھی فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی بھی تاسیسی ممبروں میں ہیں اور فلسطین نیز عرب ملکوں کی سیاست میں ایک زمانے میں ان کا بڑا نام رہا ہے مفتی اعظم صاحب تیس سال قبل لکھنؤ آئے تھے۔ اس وقت ان کو فرنگی محل میں مولانا قطب میاں صاحب مرحوم سے بات چیت کرتے دیکھا تھا۔ ان کو ایک نظر میں پہچان لیا۔ اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کی تصویریں اخبارات میں برابر آتی رہی ہیں غالباً انھیں کی مدد سے پہچانا اور جب فرنگی محل کا حوالہ دیا تو ان کو سب کچھ یاد تھا یہ ضرور تعجب کی بات تھی قطب میاں صاحب مرحوم کا ذکر کیا اور بڑی دلچسپی سے لکھنؤ کی دو پلی ٹوپی کو یاد کیا جو ملاقات کے وقت قطب میاں صاحب کو پہنے انھوں نے دیکھا تھا۔ کہتے تھے کہ کتنی ہلکی پھلکی ٹوپیاں وہاں پہنی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عرب ٹوپی کے مقابلے میں جو فلسطین عراق، شام اور مصر میں پہنی جاتی ہے ــــ گول ٹوپی جس پر پگڑی

لینی ہوتی ہے۔ لکھنؤ کی دوپلی روپے میں ایک پیسے کا وزن رکھتی ہوگی!

مؤتمر کا افتتاح جلالۃ الملک (ہز مجسٹی) شاہ فیصل کی تقریر سے ہوا جو مطالب کے لحاظ سے معتدل اور خطابت کے اعتبار سے کامیاب ترین تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بے حس وحرکت مجسمہ کھڑا ہے جس کے اندر سے ایک مربوط اور مسلسل سلسلہ تقریر کا نکل رہا ہے۔ نہ ہاتھ چلانا نہ سر ہلانا نہ ادھر دیکھنا نہ ادھر دیکھنا دونوں ہاتھوں سے وہ اپنی زریں عبا کے سامنے کے حصے کو اس طرح پکڑے ہوئے تھے جیسے کوئی نماز کی نیت باندھتا ہے اور تقریر کر رہے تھے کوئی ایک گھنٹے انھوں نے پرمغز تقریر کی۔

انھوں نے اسلامی حکومتوں کے نمائندوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی حکومتوں کے آئین کتاب (قرآن) وسنت (سیرت نبوی) کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ ان مسلمان نمائندوں کو جو غیر اسلامی حکومتوں کے نمائندہ بن کر آئے تھے یعنی اپنے وطن میں اقلیت میں ہیں جلالۃ الملک نے نصیحت کی کہ وہ تخریب اور بغاوت کرنے سے پرہیز کریں اور اپنی نجی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔

حالانکہ مؤتمر کا سیاسی ماحول اس نصیحت کے لئے سازگار نہ تھا وہاں تو جو وفد آیا تھا وہ کسی نہ کسی ملک کے خلاف کوئی نہ کوئی مورچہ کھولنے کے ذہن میں معلوم ہوتا تھا۔

عالم ہے کدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

جہاں تک مجلس رابطۂ عالم اسلامی کے بنیادی مقاصد کا تعلق ہے وہ بلاشبہ بے ضرر اور مفید ہیں یعنی "تبلیغ اسلام کا فریضہ جو ہم مسلمانوں پر عائد ہوتا ہو اس کو انجام دینا اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کرنا اور ان شبہات کا جواب دینا جو دشمنان اسلام کی طرف سے اس غرض سے پیدا کئے جاتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے متنفر ہو جائیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔"

یہ مقاصد یقیناً ایسے ہیں جن سے ہر مسلمان پوری طرح متفق ہے۔ لیکن ایک مقصد جو اس کے آگے بیان ہوا ہے وہ مبہم اور مشتبہ ہے یعنی "مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنا اور ان مشکلات کو دور کرنے کی تدبیروں پر غور کرنا اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے کوشش کرنا:"

یہ مقصد اپنے اندر سیاست کی پوری سمیت رکھتا ہے اس لئے کہ مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اغلب یہ ہے کہ یہ وسعت جان بوجھ کر رکھی گئی ہو تاکہ سیاسی شاطروں کو اس سے نفع اٹھانے کا پورا پورا موقع حاصل رہے پھر یہ دیکھ کر یک گونہ تسلی ہو جاتی ہے کہ مجلس رابطۂ عالم اسلامی کے اس منشور کے ساتھ ایک عہد و میثاق بھی ہے اور بہت صاف و صریح الفاظ میں جن میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ یہ کہ :-

اور ہم خدائے عزوجل کو گواہ بنا کر اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بگاڑ یا فتنہ پردازی نہیں ہے اور نہ کسی کی مخالفت مقصود ہے نہ ہم کہیں اپنا نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی پر قبضہ و تسلط کی طمع رکھتے ہیں

ہم نے اپنے مقاصد کے پیش نظر طے کیا ہے کہ ہمارا طریقۂ کار یہ ہوگا اتحاد
بین المسلمین کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کرنا اور ان رکاوٹوں کو
دور کرنا جو عالم اسلام کے لئے ایک مرکز بنانے کی راہ میں حائل ہوں گے"
"بگاڑ" اور فتنہ پردازی" جس سے برأت کا خدائے عزوجل کو گوا
کرکے پوری قوت سے اعلان کیا گیا ہے آخر ہیں کیا چیز؟ کسی مسئلے کو جو
سیاسی طور پر الجھا ہوا ہو حل کرنے کی کوشش کرنا رابطہ کی نظر میں "اصلاح"
اور اتحاد" کی حامل ہوسکتی ہے لیکن یہی کوشش بگاڑ اور فتنہ پردازی کے
مرادف بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ رابطہ کے بنیادی اراکین میں ایسے لوگ بھی
ہیں جن کا مزاج خالص مذہبی اور تبلیغی ہے اور وہ پوری نیک نیتی سے
اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کرنے کے
جذبے کے تحت اس کے ممبر بنے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی ان میں ہیں جن کا
اوڑھنا بچھونا سیاست رہا ہے اور ہے۔ یہی دانستہ یا نادانستہ بگاڑ اور
فتنہ پردازی کا باعث بنتے ہیں۔

محسوس یہ ہوا کہ مؤتمر میں جن میں اسلامی ملکوں کے نمائندوں کی غالب
اکثریت تھی، ان مسلمانوں کے اقوال و آراء کو بے وقعت سا سمجھا گیا جو
کسی غیر اسلامی ملک کے نمائندے تھے۔ یہ کہنا تو بہت سہل ہے کہ یہ نمائندے
اپنی حکومت کے دباؤ میں ہیں۔ اس لئے صحیح صورت حال پیش نہیں کرسکتے
— تو پھر مؤتمر نے ان کو زحمت ہی کیوں دی؟ اگر ان کی بات میں کوئی

وزن اور صداقت نہیں ہے؟

ان غیر اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کے مسائل سے بحث صرف ان کے حریف اسلامی ملکوں کی خاطر کرلی جاتی ہے۔ فیصلے بھی کر لئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ غیر اسلامی ملکوں کو دھمکایا بھی جاتا ہے۔ "اگر ایسا نہ ہوا تو تمام اسلامی ملک سیاسی روابط منقطع کر لیں گے" وغیرہ وغیرہ اس کے بعد سب ہنسی خوشی اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر اپنی حکومتوں کی اپنی اغراض و مفادات کے تحت مقرر کردہ خارجہ پالیسی کا دم بھرنے لگتے ہیں،

غایت تخلیے میں بزم میں ناآشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

کس اسلامی ملک کا وفد اپنے مطلق العنان حکمراں کی نمائندگی کے علاوہ اپنے جمہور کی بھی نمائندگی کر رہا ہے؟ اس پہلو سے جائزہ لینے کے لئے ہمیں خوردبین کی ضرورت محسوس ہوئی جو بدقسمتی سے ہمارے پاس نہ تھی۔

مؤتمر سے بس ایک ہفتے کے اندر چھٹی ہوگئی اور اس احساس کے ساتھ چھٹی ہوئی کہ اگر کوئی یہ امید لے کر یہاں آتا ہے کہ "اسلام کے بنیادی مسائل اور اس کے تعلیمات کی تشریح و توضیح" امت کے اس نمائندہ اجتماع میں ممکن ہو سکے گی تو وہ قطعاً حق بہ جانب ہے۔ لیکن جو اس خام خیالی میں مبتلا ہوکر آنا چاہتا ہے کہ یہاں "مسلمانوں کے مسائل" پر اس طرح غور و خوض ہوگا کہ بگاڑ و فتنہ پردازی کا شائبہ بھی نہ آنے پائے تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی۔

اب جو فرصت ہوئی تو دیکھا کہ بہت سے ہمارے ہم وطن رخصت ہو چکے ہیں جو رمضان سے پہلے آئے تھے وہ تو وطن کی طرف اور جو رمضان کے بعد مگر حج سے بہت پہلے آئے تھے اور اب تک مدینہ منورہ نہیں گئے تھے وہ مدینہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔

حج کے بعد مکہ معظمہ میں ٹھہرنا سب ہی کو کھلتا ہے جو مدینہ شریف ہو آ چکے ہوتے ہیں ان کو گھر کی یاد بری طرح ستانے لگتی ہے اور جو نہیں گئے ہیں جیسے ہم لوگ انھیں مدینہ شریف کی حاضری کا شوق بے چین کئے رہتا ہے۔

ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کا دل مکہ معظمہ ہی میں خوب آسودہ رہتا ہے یہ وہ ہیں جن پر نسبت توحید غالب ہوتی ہے اور "حقیقت" کی منزل کے آشنا ہوتے ہیں لیکن جن کی براہ راست رسائی منزل حقیقت تک نہیں ہو سکتی وہ کسی وسیلے یا سہارے کے طلبگار رہتے ہیں ان کا دل "وسیلے" میں اٹکا ہونا ہی چاہیئے۔

ایک نقش بندی بزرگ (جن کا چند سال ہوئے انتقال ہوا ہے) مولانا شاہ ہدایت علی صاحب مرحوم جے پوری نے ایک دفعہ ایک نجی صحبت میں اپنے ایک پڑھے لکھے مرید سے فرمایا تھا "بعض حضرات پر نسبت توحید غالب ہوتی ہے مگر مولوی صاحب! اس میں خطرہ ہے ہمارا واسطہ تو حضرت رسول ؐ سے ہے۔ دوسرا کوئی راستہ خطرات سے خالی نہیں۔"

ہم ان نقش بندی بزرگ کے ارشاد کا اپنے کو تابع پاتے تھے، اور

بڑی بے چینی سے حضور انور ﷺ کے دربار میں حاضری کے متمنی تھے۔

مگر ضابطے کے اعتبار سے ہمیں مکہ معظمہ سے نکلنے کی ابھی اجازت ہی نہیں مل سکتی تھی اور لاطائل اعذار کرتے اپنے سفارت خانے سے ہم ترجیح حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے۔ سفارت خانے والوں کی پریشانی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

لیکن ہندستان سے روانگی سے قبل ہی ہمارے ایڈیٹر حیات اللہ صاحب انصاری نے نائب وزیر خارجہ سری دنیش سنگھ کو ہمیں ترجیح دینے کے لئے لکھ دیا تھا انھوں نے سفارت خانے کو لکھ دیا تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ضابطے کی خانہ پری کے لئے اب ایک درخواست دے دیں تو کافی ہے چنانچہ درخواست دے دی ۲۴ر اپریل کو درخواست دی تھی فوراً منظور ہو گئی اور ۵ر مئی کے جہاز سے جدے سے ہماری روانگی کا حکم ہو گیا۔

اس حکم کو دکھا کر رئیس المعلمین کے یہاں سے ہمارے معلم نے مکۂ معظمہ سے مدینہ شریف کے لئے روانگی کا پروانہ منگا لیا۔ یہ پروانہ نہ ملتا تو حدود مکہ سے نکلتے ہی پہلی چوکی پر ہم سب دھر لئے جاتے۔

بہت سے ہوائی جہاز سے آئے تھے جن کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ بحری جہاز میں آنے جانے میں ۱۵-۲۰ دن صرف کریں اور باری کے انتظار میں مہینہ ڈیڑھ مہینے پڑے رہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں بحری جہاز میں جگہ نہیں ملی تھی مجبوراً ہوائی جہاز سے آئے تھے۔ یہ یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ واپسی کا ٹکٹ ہونے کی وجہ سے واپس انھیں اپنے ہوائی جہاز ہی سے ہونا تھا

ان اگر کوئی ہوائی مسافر پہلے جانے کا خواہشمند ہو تو وہ اپنی بعد کو آنے والی باری ٹھہرنے کے خواہشمند کو دے کر اس کی باری میں پہلے روانہ ہو سکتا تھا۔

ہوائی جہاز کے مسافروں کی باری میں رد و بدل کرنے کا کام حج کمیٹی کے چیرمین مسٹر مصطفےٰ فقیہ ایم ایل اے (بمبئی) کے سپرد تھا اور وہ اسی بوہرہ رباط میں مقیم تھے انہیں کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی بھی ٹھہرے ہوئے تھے ہم اکثر ان کے کمرے میں جاکر رد و بدل کی درخواستوں پر کارروائیاں ہوتے دیکھا کرتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے پر کسی نے دستک دی دیکھا تو ہمارے شہر کے مجتہد مولانا محمد سعید صاحب کھڑے ہیں، خوشی ہوئی کہ انھوں نے ہم وطنی اور مراسم دیرینہ کا اتنا پاس کیا کہ باوجود بڑے ہونے کے خود ملاقات کے لئے زحمت کی ــــــ

وہ بھی ہوائی جہاز سے آئے تھے اور سیدھے واپس جانے کے بجائے مقامات مقدسہ ہو کر جانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ کہنے لگے "ہوائی جہاز کا واپسی کا ٹکٹ میرے پاس ہے، واپس کروں گا تو گیارہ سو کے بجائے صرف چھ سو روپئے واپس ہوں گے آپ اپنے اشعار کی وجہ سے جلد جانا چاہتے ہوں گے آپ ہی اسے استعمال کریں جیسے میں نے استعمال کیا ویسے آپ نے"

ممنونیت کا غیر معمولی جذبہ اس وقت ہمارے اوپر طاری ہو گیا تھوڑی دیر تو شکر گذاری کے کلمات بھی زبان سے ادا نہ ہو پائے، پھر ہم نے بتایا کہ والدہ پھوپھی جان اور ممانی ہمارے ساتھ ہیں سعید میاں نے کہا پھر تو آپ کے لئے ایک ٹکٹ بیکار ہے" اتفاق سے ایک ایسے ان کو مل گئے جو بحری جہاز سے آئے تھے اور ہوائی جہاز سے جلد واپس جانا چاہتے تھے یہ ٹکٹ انھوں نے لے لیا اور دام بھی دے دیئے ــــ سعید میاں ہمیں تو یہ دام دے رہے تھے۔

کوچ کی تیاریاں

تمام ملکوں کے سفارت خانے جن میں ہمارا سفارت خانہ بھی شامل ہے جدے ہی میں ہیں۔ اگرچہ عام دستور یہ ہے کہ ملک کی راجدھانی میں سفارتی نمائندے ہوتے ہیں مگر سعودی حکومت کی راجدھانی ریاض میں نہیں بلکہ ساحلی مقام جدے میں تمام ملکوں کے سفرا قیام رکھتے ہیں۔

زمانۂ حج میں سفارت خانوں کے عارضی دفاتر مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں بھی کھل جاتے ہیں۔ چوں کہ ہر ملک اپنے حاجیوں کے لیے خصوصاً اور عام حاجیوں کے لئے عموماً مکۂ معظمہ، منیٰ اور مدینۂ منورہ میں شفا خانے بھی کھولتا ہے۔ اور اس میں اچھی خاصی مسابقت بھی ہر ملک کے پیشِ نظر رہتی ہے — اس لئے سفارت خانے کے عارضی دفاتر بھی انہیں شفا خانوں میں قائم کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے سفیر ہر جمعہ کو حرم شریف میں نمازِ جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے سفیر بھی یہی کرتے ہوں گے — نمازِ جمعہ کے بعد ہی ہمارے سفیر المستشفی الہندی (ہندستانی شفا خانے) یا اپنے عارضی دفتر میں چلے جاتے ہیں، اسپتال میں داخل مریضوں کی مزاج پرسی وغیرہ

کے علاوہ حج کے بعد ان کا کام جلدی واپس جانے والوں کی درخواستوں پر غور کرنا بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بڑا سخت کام ہوتا ہے!

ہزاروں درخواستیں آ جاتی ہیں بلکہ منیٰ ہی میں جب کہ مناسک حج کا سلسلہ ہنوز جاری رہتا ہے خواہش مند حضرات درخواستیں پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو ملازم ہیں اور چھٹی لے کر حج کرنے گئے ہیں ان کی درخواستیں عموماً منظور ہو جاتی ہیں یا کوئی حاجی سخت بیمار ہو جائے تو اس کو واپسی میں ترجیح بآسانی مل جاتی ہے لیکن زیادہ تر درخواست دینے والے وہ ہوتے ہیں جن کو ان دونوں میں سے کوئی عذر نہیں ہوتا۔ بس جلدی واپس ہونا چاہتے ہیں اور اکثر حضرات عذر یہ کرتے ہیں کہ روپیہ خرچ ہو گیا ہے یا جیب کٹ گئی ہے۔

سن کر تعجب ہوگا کہ مکہ معظمہ میں بھی جیب کترے ہوتے ہیں! جی نہیں یہ شاطر گرہ کٹ خطۂ عرب کے نہیں ہوتے، باہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں جو حاجی کے بھیس میں گھومتے رہتے ہیں۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی حاجی اس قسم کے معاملات میں نہ تو ماخوذ ہوا اور نہ یہ شہرت سنی کہ ہندستان سے ایسے جرائم پیشہ آئے ہیں۔۔۔ ایک خاص ملک کے باشندوں کے بارے میں وہاں یہ شہرت عام تھی! ساحل پر اسی ملک کے ایک باشندے کے قبضہ سے کسٹم والوں نے دس سیر گانجا برآمد کیا تھا۔ حاجیوں کی قیام گاہوں سے اسی ملک کی عورتیں سامان چوری کرتے پائی گئیں۔ اور اسی ملک کے ایک گروہ کے بارے میں سننے میں آیا کہ وہ عرفات اور منیٰ کے راستے میں گم کردہ راہ حاجیوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ واللہ اعلم

یہ ضرور ہوا کہ بعض حاجی عرفات کے بعد لاپتہ ہو گئے۔ لاپتہ حاجیوں کو عام طور پر اسپتالوں میں ڈھونڈھا جاتا ہے کہ شاید راستے میں بیمار ہو گئے ہوں اور ایمبولنس گاڑیوں نے انھیں کسی اسپتال میں پہونچا دیا ہو، یا راستے میں کوئی حاجی فوت ہو گیا ہو، بہرحال اسپتال میں داخل یا راستے میں وفات پانے والے گمشدہ حاجیوں کے فوٹو اخباروں میں شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان کا سراغ مل جاتا ہے ــــ یہ عرفات سے گم ہونے والے سات آٹھ حاجی، نہ اسپتال میں ملے نہ ان کی لاشیں ملیں۔ ان کے معلم نے بڑی جستجو کی، بالآخر ان میں کا ایک حاجی عرفات سے منیٰ آنے والی عام شاہراہ سے دور ایک سنسان راستے پر زخمی ملا اور اس نے بتایا کہ فلاں ملک کے ایک گروہ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گمراہ کر کے عام راستے سے الگ لے جا کر لوٹ مار کی اور حاجیوں کے سپر نہ ڈالنے پر ان پر قاتلانہ حملہ کیا ایک زخمی مل گیا باقی خدا جانے کیا ہوئے۔ جب تک ہم لوگ مکہ معظمہ میں رہے ان بیچاروں کا سراغ نہیں مل پایا تھا۔

ایک دن اپنی آنکھوں سے ایک دہشتناک منظر دیکھ لیا۔ حرم شریف میں ظہر کی نماز سے ایک گھنٹہ قبل اتفاق سے پہنچ گئے تھے اور خانہ کعبہ کی طرف جانا چاہتے تھے کہ وہاں خلاف معمول بڑا مجمع نظر آیا۔ مجمع کا انداز ایسا تھا جیسے کسی حادثے کے وقت اکٹھا ہو جانے والوں کا ہوتا ہے۔ ہم دور ہی ٹھہر گئے دیکھا کہ وہی مجمع ایک شخص کے پیچھے پیچھے ایک سمت چلا جا رہا ہے۔ جیسے کسی مجرم کے ساتھ تماشائی ہوتے ہیں۔ بعض تماشائیوں سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک آدمی نے طواف کرتے کرتے اچانک خانہ کعبہ کے دروازے پر جھپٹا مارا اور چاندی کا وزنی قفل جو دروازے میں لگا ہوا تھا

نکال لے بھاگا اس کی اس حرکت کو جن حاجیوں نے دیکھا انھوں نے اسے پکڑ لیا پھر وہ حوالۂ پولیس کر دیا گیا۔

بڑا دھوکا تھا نفسِ لعین کا! جو مقبول اور پسندیدہ ہوتا ہے وہی بلایا جاتا ہے!! یہ اور ایسے ہی دوسرے واقعات ہوش کی آنکھیں کھول دیتے ہیں کہ اے بے خود غلط! محض اس پر اترانے نہ لگنا کہ اتنے بڑے دربار میں تجھے رسائی حاصل ہو گئی ہے تو کم از کم ان سے ضرور افضل اور برتر ہے جنھیں یہ سعادت حاصل نہیں ہو پائی ہے۔ دیکھ اے زعم میں مبتلا بندے! اگر یہاں دربارِ عام ہے، ہر اچھے برے کو بار مل رہا ہے تجھے حق نہیں پہنچتا کہ یہاں پہنچ جانے کو اپنی ذاتی فضیلت سمجھ لے کہ دوسروں کو اس فضیلت کی بنیاد پر حقیر سمجھنے لگے!!

البتہ یہ شرف جو تجھے نصیب ہوا ہے، بلانے والے کے بے پایاں کرم اور بے حساب بخششوں کی ایک نمود ہے اور اس کی غفاری کی ایک جھلک۔ یہ اترانے کا نہیں انابت اور استغفار کا ایک موقع تجھے دیا گیا ہے۔ شکر ادا کر کہ کتنی بڑی چھوٹ اب تک ملی ہوئی تھی کہ نافرمانیوں اور معصیتوں کے وبال سے اب تک دوچار نہیں ہوا تھا۔ اس کے فضل کو دیکھ کتنا بڑا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ آج اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں پر گڑگڑا لے۔

یہ رحمۃ للعالمین ہی کا صدقہ ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو لوٹ آنے کا موقع تو ہر وقت دے رکھا ہے۔ لوٹ کر آجانے والا سو بار بھاگے اور شرمندہ ہو کر سو بار لوٹے تو بھی اسے معافی نصیب ہو گی ؎

ایں درگہ ما درگہ ناامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا دامن کرم ہے جو متقی سے کہیں زیادہ عاصی اور گنہگار کو پناہ میں لینے کے لئے فضل خداوندی نے پھیلا رکھا ہے ایک خطا کار کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں بہت بڑی پناہ ہے۔

دنیا کا دستور ہوگا کہ خطا کار کو ایسا ذلیل کرو کہ وہ خود اپنی نظروں میں حقیر ہوجائے جب وہ اپنی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ تو کیا اصلاح کی توقع اس کے بارے میں رہ جائے گی؟ وہ تو سماج کا ٹھکرایا ہوا بن ہی چکا، اب اگر درست ہو کر سماج کا صالح جزو بنے بھی تو دوم نمبر کا فرد ہمیشہ سمجھا جائے گا۔ لیکن اسلامی معاشرے میں جب بھی وہ درست ہو کر شامل ہو تو برابر کا بن کر شامل ہوگا، بلکہ سچی انابت کے ساتھ شامل ہونے والا اس لحاظ سے برتر ہوگا کہ وہ معصیت کی لذتوں سے آشنا ہو کر اس کا تارک ہوا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یقیناً وہ اس سے افضل ہے۔ جو اس لذت سے نا آشنا ہوئے بغیر اس کا تارک ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء (رحمۃ اللہ علیہ) کی محفل مبارک میں ایک دفعہ بحث نکل آئی کہ متقی افضل ہے کہ تائب (یعنی گنہگار جو توبہ کر کے نیک بن گیا ہے)، بدول نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے فیصلہ کرانا چاہا، انھوں نے اپنے عام دستور کے مطابق ایک حکایت بیان فرمادی کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک نبی کے سامنے یہی سوال آیا اور لوگوں نے ان کی رائے معلوم کرنا چاہی، نبی نے فرمایا کہ خدا کی وحی سے اس نزاع کا نصف ہوسکتا ہے۔

نبی پر وحی نازل ہوئی کہ آج رات فلاں سرائے میں تم رہو اور پوچھتے ہو پہلا شخص سرائے میں داخل ہو اس سے یہ سوال پوچھو جو اس کا جواب ہوگا وہ ہمارا جواب ہے

حکم خداوندی کے تحت بنی اسرائیل کے اس نبی نے سرائے میں رات گزاری۔ صبح
ہوتے ہی ایک شخص کپڑوں کی گٹھڑی سر پر لادے سرائے میں داخل ہوا۔ نبی نے اس سے
پوچھا کہ متقی افضل ہے یا تائب۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو ایک جلاہا ہوں (من
مرد جلاہا ہستم) اس قسم کے سوالات کا جواب کیا دے سکتا ہوں۔ البتہ اپنی دستکاری
کے تجربے سے ایک بات کہتا ہوں کہ ہم دھاگے سے کپڑا بنتے ہیں اور اکثر
دھاگا ٹوٹ جایا کرتا ہے اور اس کو گنٹھا لگا کر جوڑ دیتے ہیں۔ وہ دھاگا پھر اس
جگہ سے کبھی نہیں ٹوٹتا دوسری جگہ ٹوٹے تو ٹوٹے۔

توبہ بھی تو ایسی ہی مضبوط گنٹھا ہوتی ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتی۔ یہ افضل و مفضول
کی بحث یوں ہی کی بحث نہیں بلکہ ایک بڑا سنجیدہ نفسیاتی معاملہ ہے۔ اگر خطا کار
یا غلط کار کو یہ سہارا دے دیا جائے کہ وہ اچھا بن کر اچھوں سے افضل ہو جائے گا
تو اس کے کردار کا رخ ہی بدل جائے گا۔ برعکس اس کے کہ اسے یہ کہہ کر کہ تو تو بدمعاش
ہے اور معصیت کے گڑھے میں دھکیل دیا جائے سے

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

تو یہ جو اچھے برے جب کرتے اور اچھے نظر آتے ہیں، کسی کو حق نہیں کہ ان کو دوزخی
ٹھہرائے۔ کیا معلوم کس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہو، دوزخی جنتی کا فیصلہ تو خاتمہ پر ہی رکھا گیا ہے
خدا معلوم پروردگار کی مشیت نے ولیوں کو یہیں بلا کر اپنے کرم سے نوازنا چاہا ہو اور دنیا
سے اس طرح رخصت کیا ہو جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ معصوم اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔
واقعی حرم کے اندر لوگوں کی جیبیں کٹتی نہیں بعضوں کی تو جیب کٹنے کے بعد حالت ہو گئی کہ
ہمارے سفارت خانے کو ان کی مالی مدد کرنا پڑی۔ امداد کے ان مستحقوں کو بھی واپسی میں ترجیح دی گئی

مکۂ معظمہ سے روانگی

مکۂ معظمہ میں ہمارے سفارت خانے کا جو عارضی دفتر المستشفی الہندی میں تھا، اس میں ہر جمعہ کو ہندستانی سفیر اور ہر منگل کو سفارت خانے کے فرسٹ سکریٹری مسٹر شہاب الدین آتے تھے اور عرضیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ سفیر صاحب نے اس سلسلے کا سارا کام فرسٹ سکریٹری کے سپرد اس طرح کر رکھا ہے کہ ذرا بھی اس میں دخل نہیں دیتے جب تک خود شہاب الدین صاحب ان سے مشورہ نہ لیں۔

منیٰ میں ہم سفارت خانے میں قدوائی صاحب کے پاس تھے کہ شہاب الدین صاحب آئے اور کہنے لگے ... شاہ صاحب کسی طرح نہیں مانتے اب آپ سے ملنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہم سے کہا کہ "تم ذرا بیٹھے رہنا شاہ صاحب کو یہیں بلائے لیتے ہیں۔"

ایک شاہ صاحب پینتیس چالیس کے درمیان داڑھی رکھے بڑی مظلوم صورت بنائے آئے۔ کہنے لگے: "حضرت، مجھے حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے عرس

میں شریک ہونا ہے۔ پاکستان جانے کا ویزا بھی دلی ہی میں لے لیا ہے اگر جلد یہاں سے واپسی کا ویزا نہ ملا تو وہ ویزا کینسل ہو جائے گا۔ پھر میں بڑی پریشانی میں پڑ جاؤں گا۔
یہ گیارھویں ذی الحجہ کو بات ہو رہی تھی۔ ابھی شاہ صاحب مدینہ شریف بھی حاضر نہیں ہوئے تھے اور ۵ محرم کو حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس پاک پٹن شریف (پاکستان منٹگمری) میں ہونے والا تھا۔ مطلب یہ کہ اگر ان کو واپسی میں ترجیح مل گئی تو مدینہ شریف کی حاضری سے محرومی یا اتنی مختصر حاضری کا امکان ہوگا کہ بس گویا رسم پوری کرنے کے لئے حاضر ہوں گے اس لئے کہ اگر مدینہ شریف میں آٹھ روز قیام کریں گے تو پاک پٹن شریف نہیں پہونچ سکتے۔ سفیر صاحب نے ٹالنا چاہا۔ شاہ صاحب نے کئی طرح کے زور ڈالے "دلی میں فلاں صاحب نے کہا تھا کہ تم سفیر صاحب سے میرا نام لے کر کہہ دینا تمہارا کام ہو جائے گا۔"
آخر میں کہنے لگے "مجھے تو وہاں بتایا گیا تھا کہ بہت آسانی سے اجازت مل جاتی ہے۔"
اب مذاق کے انداز میں سفیر صاحب نے کہا "بھائی ہم حکومت کے ملازم ہیں اس نے ترجیح دینے کے کچھ قاعدے ہمیں بتا دیئے ہیں۔ اگر ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے تو آپ کا تو کچھ نہ جائے گا ہم سے باز پرس ہو گی۔"
شاہ صاحب بولے "مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں شاستری جی وزیر اعظم سے لکھوا لیتا میں تو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔"
اس وقت ایک ممبر پارلیمنٹ مسٹر سید احمد (ہوشنگ آباد آندھرا) بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بظاہر بگڑ کر کہا "شاستری جی بھی کوئی غلط بات کیسے لکھ دیتے

اگر وہ ایسا کرتے تو ہم پارلیمنٹ میں ان سے باز پرس کرتے۔"
شاہ صاحب جواب تک وہ دن کی لے رہے تھے خوشامد پر اتر آئے قدوائی صاحب بیراڑا نقصان ہو جائے گا۔ آپ کے لئے کوئی بات نہیں ہے ذرا سی توجہ فرما دیجئے۔
سفیر صاحب نے کہا جب سارا کام شہاب الدین صاحب کر رہے ہیں تو میں کیسے دخل دوں وہ برا مان جائیں گے؟"
شہاب الدین صاحب بھی خاصے مردم شناس معلوم ہوئے۔ بڑی سختی کے ساتھ درخواستوں پر حکم دیتے تھے لیکن کسی بھی ضرورت مند کو ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔
ہمارا معاملہ ذرا مختلف تھا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) اس لئے ہمیں اور ہمارے ساتھیوں، پھوپھو جان، ممانی اور متین میاں سب کو اجازت مل گئی کہ آٹھ دن میں سعودی کو روانہ ہونے والے جہاز سے ہم واپس ہوں جبکہ ترتیب کے اعتبار سے ہمیں ۵ ارجون یا ۳۰ رجون کے جہاز سے واپس آنا تھا۔
اجازت مل جانے کے بعد (۲۷ راپریل کو اجازت ملی تھی) ہم نے ۲۹ اپریل کو مکہ معظمہ سے روانگی کا پروگرام بنایا۔
سفارت خانے سے حاصل کردہ اجازت نامہ کو دکھا کر رئیس المعلمین سے سند روانگی حاصل کرنا ہوتی ہے یعنی ان سے معلوم کرنا ہوتا ہے کہ کس روٹ (یا کمپنی) میں ہمیں جانا ہوگا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک جانے کا بس کا کرایہ ایک سو ایک ریال فی کس یہی داخل کرنا ہوتا ہے۔ پھر جس نمبر میں رئیس المعلمین حکم دیتا ہے اس میں جانا ہوتا ہے ـــــ اگر کوئی بس سے نہ جانا چاہے تو ہوائی جہاز کا ایک سو ریال

داخل کر کے اجازت حاصل کرنا ہوتی ہے کہ ہم اپنی ٹیکسی کر کے جائیں گے۔
اسے تنازل حاصل کرنا کہتے ہیں۔

مکہ معظمہ سے مدینہ شریف تک ساڑھے تین سو میل کی مسافت ہے۔ ایک بس
میں ۴۵ کے قریب مسافر ہوتے ہیں راستے میں کئی چوکیوں پر ٹھہر کے تمام مسافروں
کے کاغذات کی جانچ کرانا ہوتی ہے۔ اس طرح ہر چوکی پر کافی وقت صرف
ہو جاتا ہے راستے میں کئی منزلیں ہیں جہاں مسافر کھانے پینے کے لئے نماز
اور ضروریات کے لئے اترتے ہیں۔ بعض اوقات راستے کی کسی منزل پر پوری
رات گزارنا ہوتی ہے۔ ان منزلوں میں مسافر وہی چٹائیاں جو بمبئی میں انہوں
نے خریدی تھیں بچھا لیتے ہیں اور پڑ رہتے ہیں۔ کرایہ دے کر پلنگ بھی حاصل
کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح بس کے سفر میں ۱۶-۱۷ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں
ٹیکسی میں مکہ معظمہ سے مدینہ شریف تک کا سفر بآسانی پانچ گھنٹے میں ہو جاتا
ہے ہمارے ایسے لوگ جو ہر معاملے میں آسانی اور سہولت کے شائق رہتے تھے
مدینہ شریف کے سفر میں اس شوق سے کیونکر دست بردار ہو جاتے۔ خوشی خوشی
ہم نے ایک سو ایک ریال فی کس ادا کر کے تنازل حاصل کیا یعنی یہ اجازت
حاصل کی کہ اگرچہ ہم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک آنے جانے کا کرایہ دے
چکے ہیں، مگر از راہ کرم یہ اجازت ہو جائے کہ ہم آپ کی بس سے نہ جائیں
بلکہ مزید کرایہ دے کر ٹیکسی کر لیں۔

ہمارا قافلہ اب پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ یعنی وہی لوگ جو بمبئی سے
جہاز پر ایک ساتھ سوار ہوئے تھے۔ امی، پھوپھو جان، سمائی، ثمین بیاں اور ہم

عظیم بھائی (چچا زاد بھائی عظیم الدین اختر) اپنی اہلیہ کے ساتھ ہوائی جہاز سے آ کر حج سے پہلے ہی مدینہ شریف حاضری دے چکے تھے۔

پانچ مسافروں کے لئے ایک ٹیکسی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کے لئے دو سو ریال میں ہوئی۔ ایک ایک بستر اور ایک ایک بکس ہر ایک کا سامان ساتھ رکھا۔ باقی سامان جو لکھنؤ سے لاد کر لائے تھے معلم صاحب مولانا عبدالهادی سکندر کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے کارندے کے ہاتھ جدے بھجوا دیں۔ جہاز پر روانہ ہوتے وقت وہیں لے لیں گے۔ فی سامان دو دو ریال تانبا مکہ معظمہ اور جدے کے درمیان ڈھلائی کے ادا کرنا ہوتے ہیں اور ایک ریال فی سامان شاید گودام میں رکھنے کا کرایہ دینا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حاجی سامان سے بے فکر ہو کر جا سکتا ہے۔ جب وہ مدینہ شریف سے واپس جدہ آتا ہے تو معلم کے وکیل مقیم جدہ سے اپنا سامان واپس لیتا ہے۔

مکہ معظمہ سے روانگی کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ لیکن ہماری امی اور پھوپھی جان کا ایک ارمان پورا نہیں ہوا تھا یعنی حجر اسود کو چومنے کا موقعہ انھیں ایک دفعہ بھی نہیں ملا تھا ــــــ ہمیں بھی نہ ملتا مگر خوش قسمتی سے ایک رات ہمیں نیند نہیں آئی خیال آیا کہ بستر پر پڑے پڑے مچھروں کی یلغار کی روک تھام کب تک کرتے رہیں گے۔ جاگنا ہے تو حرم شریف میں چل کر جاگیں ہم اور شیخ ظہیر حسین (رکاب گنج لکھنؤ) اٹھے وضو کیا اور ایک بجے رات کو حرم شریف پہنچے ــــــ محض خوش قسمتی تھی کہ طواف کے بعد ہی ہم دونوں کو بڑی آسانی سے حجر اسود کے استلام کا موقعہ ہاتھ آ گیا اس کے بعد ملتزم شریف پر بھی دعا نہ کعبہ کے دروازے اور حجر اسود سے ملے ہوئے کونے کے درمیان دس بالشت کا حصۂ دیوار ملتزم شریف

کہلاتا ہے جس سے لپٹ کر (اور رو رو کر دعائیں کرنا قبولیت کی سند ہے) ہم دونوں
کو اتنی جگہ مل گئی کہ دیوار سے لپٹ کر (اور جی کھول کر دعائیں مانگیں۔ اور
خوش بختی سے رقت قلب بھی نصیب ہو گئی۔

ملتزم سے لپٹنے کا طریقہ فقہا نے یہ بتایا ہے کہ دونوں ہاتھ سر سے اونچے
کر کے دیوار کعبہ پر پھیلا دیئے جائیں اور اپنا سینہ اور پیٹ دیوار سے چمٹا دیا
جائے پھر کبھی داہنا رخسار دیوار پر رکھا جائے اور کبھی بایاں اور رقت
قلب سے دعا مانگی جائے ——— دس بالشت کی اس مختصر جگہ تک رسائی اتنی
ہی دشوار ہے جتنی حجر اسود تک، حجر اسود چومنے کے شائقین ہی کا ہجوم ملتزم
شریف کو بھی گھیرے رہتا ہے ——— یہ قسمت کی رسائی تھی کہ ہم دونوں کی رسائی
وہاں تک ہو گئی ——— حجر اسود کو چومنے میں دیر لگتی ہے یعنی زور اور دیر تک اس
کو چومئے تو دو ہاتھوں کے کوڑے برسنے لگیں گے مگر ملتزم شریف سے چمٹے
ہوئے لوگوں پر وقت کی کوئی قید یا پابندی نہیں لگائی ہے۔ دوسرے
خواہش مندوں کا خیال کر کے خود ہی آپ ملتزم شریف سے الگ ہو جائیں
تو ہو جائیں وہاں سے کھسکانا کوئی نہیں ہے۔

اس طرح جو طواف نصیب ہوا تو طبیعت کی شادمانی کی کوئی انتہا نہیں رہی
آج بھی وہی طواف اور اس کا سرور یاد ہے جو اس رات ہم دونوں نے
کیا تھا۔

ایک دفعہ اور بھی ہمیں حجر اسود کو بوسہ دینے کا موقع نصیب ہوا تھا مگر ملتزم
شریف سے چمٹنے کی سعادت دوبارہ نہ آئی تھی ملتزم شریف کے بعد میزاب رحمت

کے بالکل نیچے دو رکعت نفل پڑھنے اور دعا مانگنے کا بھی موقع اسی رات کو ملا — خانہ کعبہ کی شمالی دیوار پہ چھت پر ایک پرنالہ لگا ہوا ہے جو سونے کا بنا یا جاتا ہے چھت پر سے بارش کا پانی اسی پرنالے سے نیچے گرتا ہے بارش کے وقت ہزاروں کا ہجوم میزاب رحمت کے نیچے اس آسرے میں جمع ہو جاتا ہے کہ اس سے کچھ قطرے اس کے اوپر بھی ٹپک جائیں۔ ہمارے سامنے بارش نہیں ہوئی — بہر حال میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنے والے کو بھی قبولیت کا مژدہ سنایا گیا ہے — لیجئے ہمارے خوشی کے اس یادگار رات کی تاریخ بھی ہمیں یاد نہیں رہی ؎

بہاریں ہم کو بھولیں، یاد اتنا ہے کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

جب کبھی امی حجر اسود کے چومنے کا شوق ظاہر کرتیں ہم انہیں فقہی مسئلہ بتا دیتے کہ چومنا ضروری کب ہے۔ موقع نہ ملے تو ہاتھوں سے اس کو اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لینے کا بھی وہی ثواب ہے بلکہ ازدحام میں گھسنا اور اس طرح لوگوں کو تکلیف پہنچانا الٹا گناہ اپنے سر لینا ہے۔

اب ہمیں جو یہ سعادت اس طرح حاصل ہو گئی تو ایک ذمہ داری سی محسوس ہونے لگی کہ کسی طرح امی وغیرہ کو بھی استلام کرانا چاہیئے۔ ورنہ سوچیں گی کہ ہمیں تو مسئلہ بتاتا رہتا ہے اور خود چوم آیا حجر اسود کو۔

روانگی سے ایک رات قبل بارہ ایک بجے اسی شوق میں حرم شریف میں تھے کہ شاید آج بھی پوری طرح باریابی نصیب ہو جائے۔ دیکھا امی پھوپھو جان

اور ممانی بھی وہیں ہیں۔ اس وقت امی نے کہا" بھیا! کسی طرح حجر اسود تک ایک دفعہ ہمیں پہنچا دو، حسرت رہ جائے گی کہ حجر اسود کو چھو نہیں پائے کچھ اس طرح رشتوں نے کہا کہ فقہی مسئلہ بتانے کی ہمت اس وقت ہم نے اپنے میں نہیں پائی اور حجر اسود تک پہنچانے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی اسی قسم کا مجمع اس کے اردگرد تھا۔

عام طور پر لوگ یہ کرتے تھے کہ حجر اسود کے پاسبانوں کو ایک ریال دو ریال تھمائے اور انھوں نے کوڑے برسا کر چومنے والوں کو ہٹایا اور دینے والے کو دھکا دے کر آگے کر دیا۔ اس کاروباری طریقہ کو اختیار کرنے پر طبیعت ایک دفعہ بھی مائل نہ ہوئی۔

یہ اندازہ ہوا کہ اس وقت جو آٹھ دس عورتیں ایک قطار میں کھڑی ہیں ان کے پیچھے اگر امی اور پھوپھو جان بھی لگ جائیں تو دس پندرہ منٹ میں وہاں تک پہنچ جائیں گی ۔۔۔ ہم قطار کے قریب کھڑے ہو گئے کہ قطار کے باہر والی عورتوں کو آگے بڑھنے سے روکیں ۔۔۔ قطار والی کوئی عورت بھی شاید حجر اسود تک نہ پہنچ سکی، ہوتا یہ تھا کہ ایک آدمی حجر اسود کو چومنے لگا چار اس کو گھیرے رہتے ہیں۔ اب اسے پیچھے ہٹنے کا بھی موقع نہیں، دیر تک چوم سکتا نہیں، ورنہ کوڑے برسنے لگیں گے۔ پہلے تو وہ دب دبا کر واپس ہونے کی کوشش کرتا ہے اندر چاروں طرف چومنے کے لئے بڑھنے والوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہماری طرف سے نہیں دوسرے کی طرف سے یہ نکلے نکلنے کا راستہ دینے کے لئے کسی ایک کو ہٹنا پڑے گا تو وہ ہم کیوں ہوں۔

دوسرا کیوں نہ ہوا بالآخر چوم چکنے والا ایک دفعہ ہڑبڑا کے جو پیچھے ہٹتا ہے تو چاروں وہ بھی اسی کی رو میں پیچھے ڈھکل جاتے ہیں اور حجرِ اسود سے دور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے جوان چاروں سے پیچھے تھے ان میں سے کوئی ایک اس ہل چل میں حجرِ اسود کو چومتا نظر آنے لگتا ہے۔

دیر تک پیش قدمی اور پسپائی کے یہ مناظر دیکھتے ہوئے اب ہمیں نتیجتاً نیا ایک نیا راستہ سوجھا۔ اور اس "حکمتِ عملی" کے سوجھ جانے سے پوری پوری کامیابی ہو گئی ۔۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ کے لئے یہی حکمتِ عملی اختیار کرنا ہو گا اس وقت یہ ترکیب کامیاب ہو گئی تھی ۔۔۔ امی اور بھو بھو جان حجرِ اسود کو چوم کر بہت خوش ہوئیں مگر مانی کہیں ادھر اُدھر ہو گئی تھیں شاید پہلے ہی انہیں یہ سعادت مل چکی تھی۔

۵ راپریل کو رات کے ۱۱ بجے مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے تھے ۲۲ دن کے بعد ۲۷ راپریل (۲۸ ذی الحجہ) کو اس شہر سے جس کے رہنے والوں نے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہنے نہیں دیا (من قریتک التی اخرجتک اے رسول! آپ کی اس بستی سے جس نے آپ کو خارج کر دیا تھا) اس شہر کی طرف جہاں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترکِ وطن کے بعد ہمیشہ کے لئے قیام فرمایا اور جو ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا شہر "مدینۃ الرسول" کہا جانے لگا ہمارا کوچ ہوا ؂

گفت معشوقے بعاشق کاے فتی!
تو بغربت دیدۂ بس شہر ہا

پس کدامی شہر زآنہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

روانگی کا وقت، حجاز کے موسم کے لحاظ سے، قبل طلوع صبح صادق مقرر ہوا۔ گرمی کا زمانہ تھا دن کی دھوپ میں سفر کرنا، اس خوشگوار سفر کو کلفت میں تبدیل کر دینے کے مرادف ہوجاتا ہے شک شوق کی رہنمائی میں کوئی کلفت محسوس نہ ہونا چاہیئے مگر یہ دعوی بڑا دعوی ہوگا کہ شوق کی نعمت کی شکل میں شائے کامل ہاتھ آگیا ہے ہاں یہ ضرور محسوس کرنا پڑتا ہے کہ ؎

ہیچ کے بخویشتن رہ نبرد بسوئے او
بلکہ بپائے او رود ہر کہ رود بکوئے او

دوسو ریال میں پانچ سواریوں کے لئے ٹیکسی کرلی تھی جو رات ہی کو ہماری قیام گاہ "بوہرہ رباط" کے گیٹ پر آکر کھڑی ہوگئی ـــ روانگی سے قبل طواف وداع، (خانۂ کعبہ کا رخصتی طواف) کرنا تھا، یہ رات کے کھانے کے بعد ہی کرلیا، اور فقہا کی ہدایت کے مطابق خانۂ کعبہ کا رخصتی طواف کرکے ہم پانچوں (امی، پھوپھو جان، ممانی جتیں میاں اور ہم) الٹے پاؤں حرم شریف سے واپس ہوئے۔ یعنی اس طرح چلے کہ پیٹھ ہماری حرم سے باہر جانے والے دروازے کی طرف اور منھ خانۂ کعبہ کی طرف رہا۔ اگرچہ اس طرح چلنا بہت زحمت کی بات ہے راستہ بالکل ہموار ہو تو خیر لیکن مطاف (طواف کرنے کی جگہ) ہے پھر ایک ٹھوکر اونچی زمین ہے جو تھوڑی دور کے بعد ایک پتلی لکیر بن جاتی ہے جس کے دونوں طرف دو تین بالشت نیچی کنکریوں والی زمین ہے پھر حرم شریف کا دالان آتا ہو اس کے بعد دروازہ "باب الوداع"

جس سے آخری طواف کے بعد باہر جانا چاہیے ـــــ واپس ہوتے ہوئے دعا بھی مانگتے جاتے تھے کہ لے رب البیت! تیرے گھر میں ہماری یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو۔ ایسا ہوتا کہ جلد از جلد تیری چوکھٹ کو چومنے کے لئے ہم پھر پہنچ جاتے ـــــ دعا مانگتے جاتے تھے اور اپنی حکومت کی لگائی ہوئی پابندی کو سوچتے جاتے تھے کہ پانچ برس تک تو اس دعا کے قبول ہونے کا کوئی نتیجہ ہاتھ آنے والا نہیں بقول زائر حرم مرحوم حمید صدیقی کے سے

اب حج و زیارت پہ بھی ہے قید تعین
ہم ہجر کے ماروں کو ہوا ایک یہ غم اور
تجدید تمنا نہ کریں پانچ برس تک!
ارباب تمنا پہ ہے یہ تازہ ستم اور!!

پھر بھی دعا مانگتے جاتے تھے اور مولانا محمد عتیق صاحب فرنگی محلی کا قول "بلانے والے کے یہاں کوئی قید سال وماہ کی نہیں ہے" ڈھارس دلاتا جاتا تھا۔

طواف وداع سے فارغ ہو کر بارہ بجے رات کو واپس قیام گاہ پر آئے اب سونے کا وقت کہاں تھا تہجد کے وقت روانگی ہونے والی تھی۔ ہم نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا کہ ہندستانی پوسٹ کارڈوں پر دو ایک خط گھر والوں کے نام لکھ لیے اور عظیم بھائی (چودھری عظیم الدین اشرف) کے سپرد کر دیئے جو ہمارے ساتھ رباط میں مقیم تھے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے قبل حج تشرف اندوز ہو چکے تھے، تین دن بعد (۳۰ اپریل کو) ہوائی جہاز سے واپس بمبئی جا رہے تھے اب ہماری واپسی کا پروگرام قطعی ہو چکا تھا یعنی ۲۸ اپریل کو مدینہ شریف جا رہے ہیں آٹھ یا نو دن وہاں کی

بابرکت فضا میں رہ کر اور جو سعادتیں ہمارے نصیب میں ہوں گی ان کو سمیٹ کر واپس جدے آئیں گے اور جدے سے ۸ مئی کے جہاز سے روانہ ہوکر ۱۹ مئی کو بمبئی پہونچ جائیں گے۔ اس پروگرام کی اطلاع گھر والوں کو اور دفتر کو لکھ بھیجی یہ خطوط بمبئی میں عظیم بھائی کے سپرد ڈاک کرنے سے ۳ مئی تک وطن پہونچ بھی گئے۔

ٹیکسی پر ہمارا مختصر سامان جب رکھا جانے لگا باقی سامان مکۂ معظمہ ہی میں معلم مولانا عبدالہادی سکندر کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ بار برداری کے مصارف ہم سے لے کر اپنی ذمہ داری پر اسے جدہ بھجوادیں) تو پتہ چلا کہ ہماری ایک جائے نماز نہیں مل رہی ہے۔ ابھی تک ہماری کوئی چیز اس سفر میں نہیں کھوئی تھی (البتہ حرم محترم میں چپلیں کھوئی تھیں مگر وہ کھوئی نہیں بلکہ بدل گئی تھیں) — بلکہ یہ ایک ہوا کہ ہم لوگ رباط میں اپنا کمرہ مقفل کرکے منیٰ چلے گئے دو دن کے بعد طواف زیارت کے لئے واپس مکۂ معظمہ آئے اور اپنا کمرہ کھولنا چاہا تو اس کا قفل بالکل ٹوٹا ہوا تھا۔ دھک سے ہو گئے کہ سارا سامان کمرے میں بند کرکے گئے تھے قفل ٹوٹی ہوئی ہے تو سرقہ بھی ہوا ہوگا، لیکن حیرت ہوئی کہ ایک چیز بھی جگہ سے بے جگہ نہیں تھی، اگرچہ ان دنوں رباط میں کیا پورے مکہ میں سناٹا تھا سب ہی منیٰ چلے گئے تھے، چوری بہت آسان تھی — یہ بھی ملحوظ رہے کہ حرم محترم میں حاجیوں کی جیبیں کٹی ہیں — لیکن ہمارا سامان جوں کا توں ملا — ہوا یہ کہ ہمارے کمرے سے ملے ہوئے غسل خانہ کا نل کھلا رہ گیا تھا، ہمارے جانے کے بعد جب نل میں پانی آیا تو بالٹی بھرنے لگی اس کی آواز باہر چوکیدار کو سنائی دی وہ فکرمند ہوا کہ

رباط کی ٹنکی میں جو پانی روزانہ بھرا جاتا ہے جس سے تمام کمروں کے غسل خانوں میں پانی آتا ہے، ہمارے غسل خانے کے نل سے بہہ جائے گا، پانی کی قیمت زمانۂ حج میں جو ہو جاتی ہے وہ ظاہر ہی ہے، چوکیدار کے یہی سمجھ میں آیا کہ "رفاہ عام" کی خاطر ہمارے کمرے کا قفل توڑ کر نل کو بند کر دے، اور اس نے یہی کیا، اب جب ہمارا غسل خانہ کھل گیا تو ہماری دو تین دن کی عدم موجودگی میں جو چند ازاد رباط میں رہ گئے تھے انھوں نے غسل خانے کا جی کھول کر استعمال کیا، نہائے کپڑے دھوئے، کھانا پکایا ـــــ مگر کوئی چیز ہماری گم نہیں ہوئی۔

جائے نماز کی گمشدگی ایسی کوئی خاص بات نہ ہوتی مگر اس کی کچھ اہمیت ہماری نظر میں تھی۔ ایک تو یہ کہ ہماری بیوی نے اپنی جہیز کی جائے نماز ہمارے ساتھ کی تھی گویا ایک امانت تھی ہمارے سپرد، دوسرے یہ کہ حرم شریف میں منیٰ میں عرفات میں، ہر جگہ اسی جائے نماز کو بچھا کر ہم لوگوں نے نمازیں ادا کی تھیں ایک تعلق ارض مقدس سے اس جائے نماز کو بھی ہو گیا تھا۔ سامان میں ڈھونڈھا محمد میاں صاحب الہ آبادی سے پوچھا کہ عموماً وہ اور حسین میاں اور ہم اپنی اپنی جائے نماز لے کر ایک ساتھ حرم شریف جاتے تھے، کوئی صاحب دیر تک حرم میں رکے اور ہماری جائے نماز ان ہی کے قبضے ہوئی تو چھوڑ آئے کہ وہ آئیں گے تو لیتے آئیں گے، محمد میاں صاحب اکثر اپنی جائے نماز حرم شریف کے بواب ہی کے پاس رکھ آتے تھے اور جب جاتے تو اس سے کہتے "سجادہ" اور وہ ان کی جائے نماز الماری سے نکال کر دیدیتا ـــــ کہیں نہیں ملی۔ اب روانگی کا وقت آگیا تھا۔ خیال آیا کہ چلو بواب سے بھی پوچھ لیں شاید وہاں وہ گئی ہو، دوڑتے ہوئے گئے تو تین بجے

رات کا وقت بدو اب بھی سو رہا تھا اسے جگایا پوچھا "سجادہ"؟ اس نے الماری کھول کر
کئی جانمازیں دکھائیں ہماری کوئی نہ تھی اس نے کہا "تم خود ڈھونڈھ لو" الماری
میں ہم نے تلاش کیا تو ہماری جائے نماز ہمیں مل گئی بڑی خوشی ہوئی ہم نے بدو اب
سے کہا "اس وقت ہم جا رہے ہیں" اس نے فوراً معانقہ کیا اور دیر تک سینے سے
لگائے رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعائیں دیں اور دوبارہ حاضری کے
لئے بار بار دعا کی ہم بھی ہاتھ اٹھائے آمین کہتے رہے ــــ اس طرح طواف وداع
کے بعد بھی ایک بار اور زیارت خانۂ کعبہ کا موقع مل گیا۔ اس دفعہ جونگاہ خانۂ کعبہ
پر پڑی تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی تمنا سا کو آخری بار دیکھ رہے ہیں اور اس پر
رخصتی نظر ڈال رہے ہیں ــــ اکیلے بھی تھے اس وقت، دل بھر آیا اور اتنی بڑی
نعمت سے جو جمال کعبہ کی دید کی شکل میں نصیب تھی چند لمحوں کے بعد محروم
ہو جانے کے تصور سے تکلیف ہونے لگی،

جائے نماز لے کر واپس آئے اور ٹھیک تہجد کے وقت ٹیکسی پر سوار ہو کر رات
کے سناٹے اور برقی قمقموں کی روشنی میں مکۂ معظمہ کی کشادہ سڑکوں پر چل پڑے
اچانک یہ خیال آیا کہ کس آرام اور سکون کے ساتھ اور منزل مقصود پر پہنچنے
کے کس یقین کے ساتھ آج مکۂ معظمہ سے روانگی ہو رہی ہے۔ یاد وہ وقت جب
ختم رسل ؐ بھلی! مدای کرہ سے رات کے سناٹے اور گھٹا ٹوپ اندھیارے میں یثرب
(مدینہ شریف) کی طرف اپنے ایک دوست ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ روانہ
ہوا تھا پیدل پتھریلی اور ریگستانی راہوں پر اس طرح قطع مسافت کی جا رہی تھی
کہ نشان قدم بھی مٹا دیئے جاتے۔ کہ دشمنوں میں ایسے ماہرین بھی تھے جو پیروں

کے نشان دیکھ کر جان لیتے تھے کہ کس قبیلے اور کس خاندان کے مسافر اس راہ
سے گئے ہیں۔ دشمنوں نے اس رات در دولت کا محاصرہ کر لیا تھا اور قتل کر دینے
کی سازش بڑی ہوشیاری سے تیار کر لی تھی — کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ
بزرگ ہستی ہماری نجات کی راہ بتانے میں اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کر رہی تھی!

بچپن میں ضرور اپنی والدہ محترمہ حضرت بی بی آمنہؓ کے ہمراہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب کا ننھیال کا سفر فرمایا تھا لیکن مبعوث ہونے
کے بعد پہلی بار مدینہ شریف کے لئے بحکم خداوندی حضور اکرمؐ مکہ سے نکلے تھے اور
اس طرح نکلے تھے کہ راستہ میں ہر موڑ پر دشمن کی خونخوار نگاہیں گزرنے والوں کو
گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں — اپنے گھر کے دروازے سے نہیں پچھواڑے سے
آپ باہر تشریف لائے — پھر مکہ سے نکل کر تین دن تک ایک پہاڑ کے کھوہ میں
(غارِ ثور میں) دشمن کی جستجو سے پوشیدہ رہنا پڑا — یہ سب کس لئے؟ یہ غارِ حرا
میں ریاضتیں کیوں؟ یہ ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر کس کے واسطے؟ غارِ ثور میں
پوشیدگی کس کی خاطر؟ صرف اس واسطے کہ اس کی امت کو بعد میں کلفتیں نہ ہوں اس کی
راہ کے کانٹے ہٹ جائیں اس کی قطع مسافت میں زحمتیں سدِ راہ نہ ہوں ؎

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش	تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم	تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد حضور انور تین دفعہ مکہ معظمہ
تشریف لائے سب سے پہلی بار تشریف لائے تو دشمنوں نے آنے ہی نہیں دیا حدیبیہ
کے مقام پر — جو اس وقت جدے اور مکہ معظمہ کی راہ پر تقریباً وسط میں ہے۔

حضور انور کو رکنا ہوا اور دہیں معاہدۂ صلح ہوا جس کے تحت دوسرے سال حضورؐ اس طرح مکۂ معظمہ میں عمرۃ القضا ادا کرنے آئے کہ از روئے معاہدہ صرف تلواریں ساتھ تھیں اور وہ بھی نیام کے اندر۔ اس طرح خون کے پیاسے دشمنوں کے درمیان آپ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لائے اور از روئے معاہدہ تین دن سے زیادہ مکۂ معظمہ میں قیام نہیں فرمایا اور واپس مدینہ شریف چلے آئے۔ دوسری بار فتح مکہ کے سلسلہ میں تشریف آوری ہوئی اور کافی قیام بھی ہوا۔ تیسری بار حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے اور پانچ دن منیٰ میں حج وغیرہ میں یہاں صرف کر کے مدینہ شریف لوٹ گئے جہاں پورے تین ماہ کے بعد آپ نے دنیا سے پردہ فرمالیا۔ اب وہ راہیں اور وہ گزرگاہیں سب مخفی ہو چکی ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کی وابستگی سے خوش نصیب ہو چکی تھیں ــــ اگر واقعی اور بعینہٖ وہی راہیں رہ جاتیں تو ایک امتی کے لئے ان راہوں پر چلنا یعنی پیروں سے چلنا ذہنی طور پر کس قدر دشوار ہوتا ــــ

ٹیکسی ہمیں لئے جس سبک رفتاری سے چل رہی تھی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ چالیس پینتالیس میل کی دوری پر واقع جدہ جب آیا تو اس وقت تک اندازاً صبح صادق طلوع نہیں ہوئی تھی یعنی ہم لوگ جو جدے میں ٹھہرنے والے نہ تھے اگر نماز فجر کا وقت آجاتا تو شاید اتنی دیر ضرور وہاں ٹھہر جاتے۔ مگر بغیر رکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ راستے کے ایک منزل میں اتر کر نماز فجر پڑھی۔ چائے ناشتہ کیا۔ ناشتہ ساتھ تھا۔ سادی چائے منزل پر فروخت ہو رہی تھی۔ پانی بھی فروخت ہو رہا تھا وضو کرنا تھا اس لئے کہ اگرچہ وضو کر کے مکۂ معظمہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر سنانے میں موٹر کے سفر نے سب کو اونگھا دیا تھا اور نئے سرے سے وضو کرنا تھا۔

حضوری مدینہ منورہ

جس راہ پر پہلے کبھی گزر نہ ہوا ہو اس کے مناظر خواہ دلکش ہوں یا نہ ہوں بہرحال اپنی طرف توجہ کھینچتے رہتے ہیں اور جس منزل پر اس سے پہلے کبھی سامان مسافرت نہ اتارا ہو اس کی اجنبیت کا تصور کسی نہ کسی عنوان سے حاوی رہتا ہے — لیکن جس نئی راہ پر اس وقت ہم گامزن تھے — مدینۃ الرسول کی راہ — اس سے پہلی دفعہ گزرنے کے باوجود یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ جانی بوجھی راہ اور ایسی جانی بوجھی شخصیت کی گزرگاہ ہے جس کے جلو میں ہزاروں بار تصور ہی تصور میں ادھر سے گزر ہو چکا ہے۔

اور وہ منزل جہاں اب تک رسائی نہیں ہوئی تھی اپنی جزئیات کے ساتھ تصور میں اس قدر واضح تھی کہ جیسے مسافر کی منزل نہیں بلکہ مقیم کا اپنا گھر ہے۔ اس وقت اپنے ان بزرگوں کے لئے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں جن کی حسن تربیت نے اس راہ اور اس منزل سے ایسا وابستہ بنا دیا کہ نہ تو اجنبیت محسوس ہو رہی تھی اور نہ کسی قسم کی فکر منزل دامن گیر نظر آتی تھی —

ذرّوں سے باتیں کرتے ہیں دیوار و دَر سے ہم
وابستہ کس قدر ہیں تری رہ گزر سے ہم!

چار پانچ گھنٹے کا سفر تھا۔ جب تک جدہ نہیں گزرا اونگھتے سوتے آگے بڑھتے رہے۔ جس منزل پر نمازِ فجر پڑھنے کے لئے ٹھہرے اور وضو کیا تھا، اسی منزل پر نیند اور اونگھائی نے بھی رخصت لے لی سو بھی کیسے سکتے تھے؟ ریگستان کی صبح ہو چکی تھی جہاں سورج نکلتے ہی گرم ہو جاتا ہے، اور نسیم صبح گاہی آتا تا تا بادِ سموم کا زمانہ اختیار کر لیتی ہے۔

زیادہ نہیں صرف پچاس سال پہلے کا زمانہ ہوتا تو ریگستانی علاقے کے اس سفر میں معلوم کتنی بار اس بادِ سموم سے سابقہ پڑتا جو قافلے کے قافلے کو اپنی اڑائی ہوئی ریت کی چادروں میں دفن کر سکتی ہے ـــ اب تو مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ تک بہترین پختہ اور سیدھی سڑک ہے جس پر صرف موٹریں اور بسیں ہی دوڑا کرتی ہیں۔ اور اس رفتار سے دوڑا کرتی ہیں کہ اگر ذرا بھی ٹھوکر کھا جائیں تو نہ کوئی متنفس بچے نہ مشین کا کوئی پرزہ سلامت رہے۔

اس گرم رفتاری کے باوجود کسی قسم کے خطرے کا احساس پاس نہیں پھٹک پاتا تھا دھن یہی تھی کہ کسی طرح منزل تک پہنچ جائیں ـــ منزلِ مقصود تک نہیں کے لئے اتنا لمبا سفر کیا تھا وہ تو رب آنے والی تھی جہاں اب تک تھے وہ حکم کی تعمیل میں تھے، اب جہاں جا رہے تھے وہی وہ منزل ہے جس کے لئے گھر سے نکلے تھے ؎

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

راستے بھر درود شریف پڑھتے رہنا ہی سب سے ضروری کام ہے جیسا کہ علما اور مشائخ نے لکھا ہے۔ حتی الوسع ہم نے بھی درود شریف کا ورد جاری رکھا اور اس یقین کی بدولت جاری رکھا کہ آج ہماری حاضری جو یہاں ہو رہی ہے تو صرف اسی لئے کہ مدینہ اور صاحب مدینہؐ کی زیارت کے شوق میں اکثر درود شریف پڑھ کر اپنے دل کو سمجھا لیا کرتے تھے کہ ؎

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

راستے میں دو ایک منزلیں آئیں جہاں پروانۂ راہ داری کی جانچ ہوتی تھی ڈرائیور ہمارے کاغذات لے کر جاتا اور مہریں لگوا کر لے آتا تھا۔

یہاں تک وہ خاص منزل راستے میں آ ئی جو پروانۂ راہ داری کے لحاظ سے خاص نہ ہو مگر ہمارے تخیلات کے لئے بڑی خاص منزل تھی۔ یعنی بدر کی منزل۔

بدر وہ مقام ہے جہاں آج سے تیرہ سو چودہ اسی برس پہلے تین سو تیرہ اللہ کے بندے اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ یہ ۳۱۳ بندگان خدا وہ تھے جن کے علاوہ اس وقت کرۂ ارض پر کوئی اور بندۂ خدا ایسا نہ تھا جو صحیح طور اپنے معبود کی معرفت رکھتا ہو اللہ کا نام لینے والے ضرور ہوں گے مگر اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے جان دینے والے یہی ۳۱۳ تھے جو صف آرا ہو گئے تھے ان ایک ہزار مسلح افراد کے مقابلے میں جو صرف اس لئے سامان حرب و ضرب سے لیس ہو کر بدر کی طرف لپکے تھے کہ اللہ کے نام کو بلند کرنے والے مٹھی بھر انسانوں کو نیست و نابود کر کے دم لیں گے۔

چشم فلک نے ایسا نظارہ جنگ کا ہے کو دیکھا ہوگا کہ ایک طرف مٹھی بھر وہ لوگ ہیں جو ہر طرح کے سامان جنگ سے محروم ہیں اور جو جنگ کے لئے نہیں بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے بدر میں آئے ہیں کہ کوئی دباؤ یا کوئی دھمکی سے ان کو ان کے مقصد سے منحرف نہیں کیا جا سکتا دوسری طرف سرگنی تعداد میں وہ تھے جو اس دم خم کے ساتھ آئے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں گے مقابلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے نور کی روشنی اور بڑھی اور بڑھی یہاں تک کہ اقصائے عالم میں پھیل گئی ۔

یہاں بدر شمشیر ہلالی اس قدر چمکی
کہ اب تک روشنی پھیلی ہوئی ہے ہفت کشور میں

جب اللہ والوں کی فوج مقام بدر میں جمع ہوئی ہو تو یہاں صرف ایک کنواں تھا۔ اب کنواں ہے یا نہیں اور ہے تو کس جگہ یہ ہم معلوم نہ کر سکے اس لیے کہ اتنی دیر ٹھہرنا نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال اس وقت بدر ایک اچھی خاصی بستی ہے۔

لیجئے ذوالحلیفہ آ گیا، یعنی اب مدینہ شریف سے صرف چھ میل کا فاصلہ رہ گیا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے احرام باندھا تھا۔ اہل مدینہ کی میقات (احرام باندھنے کی مقررہ حد) یہی ہے۔

ڈرائیور نے آگے بڑھ کر ایک نشان راہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ مدینہ شریف کی حدیں یہاں سے شروع ہو گئی بے ساختہ زور زور سے درود شریف کا ورد ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ یہ خیال آنے لگا کہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں سامنا ہونے والا ہے ان کی آرام گاہ کا جن کی محبت اور جن کی عاشقی کا دم بر امتی کی طرح ہم بھی بھرتے ہیں لیکن اس پوری عمر میں ایک موقعہ بھی کبھی ایسا آیا جب اس محبت وعشق کا ادنیٰ

ت بھی ادا کیا ہو۔ قسم لے کر اگر کوئی پوچھ بیٹھتا تو ان ہی کی قسم سوائے شرمندگی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔

یہ بھی خیال آیا کہ خوف کی شدت ہو یا خوشی کی فراوانی دونوں حالتیں کمزور دلوں کے لئے بسا اوقات مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی نافرمانیوں سرکشیوں اور آلودگیوں کے احساس کے ساتھ اس بارگاہ عالی میں حاضری ہو اور فرد جرم کے بوجھ سے دل بالکل ہی بیٹھ جائے — لیکن چشم زدن میں یہ خیال دور ہو گیا

فقد اتیت رسول اللہ محمداً والعذر عند رسول اللہ مقبول

(میں تو معذرت خواہ ہو کر اللہ کے رسول ؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں اور معافی و عذرخواہی اللہ کے رسول ؐ کے یہاں بڑی مقبول چیز ہے)

دل ہی دل میں باتیں ہونے لگیں کہ جن کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہو رہا ہے وہ تو ہی ہیں جو حشر میں ہم سب گنہگاروں کے شفیع ہوں گے وہاں شفاعت کا تاج سر پر رکھنے والے یہاں گناہوں اور لغزشوں سے چشم پوشی نہ فرمائیں گے؟ وہ ہر جگہ شفیع اور ہر وقت رحمۃ عالم ہیں ؎

غرض ہر جا شفیع و رحمۃ للعالمیں تو ہے
زمیں میں آسماں میں جنت الماویٰ میں محشر میں

کیا یہ خبط بھی تھا کہ یہاں ایسی حالت میں بھی آنا ہو سکتا تھا کہ نامۂ اعمال میں کسی قسم کا گناہ اور کوئی لغزش درج نہ ہو؟ یہ وہم تو ان پاکیزہ نفوس تک کو کبھی نہیں ہوا تھا جو صحبت کی برکت سے بشری تر اور پاکیزہ تر ہو چکے تھے لے عقل کے دشمن! کسی امتی کے سر تا پا گناہ ہونے سے ان کے منصب نبوت و رحمت پر

کیا آنچ آ جانے والی ہے؟ انھیں آلودگیوں لغزشوں نافرمانیوں معصیتوں کے ساتھ حاضری دے پھر دیکھ کہ تیرے حصے میں کتنی رحمت اور چشم پوشی آتی ہے۔

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت او

کچھ بھی کیا ہو دیکھنا یہ ہے کہ ان سے اپنا تعلق ـــــ وہ برائے نام ہی سہی ـــ توڑا تو نہیں ہے! تو خدا ہی بہتر جاننے والا ہے کہ کسی بھی مرحلے میں دانستہ یہ جرأت نہیں کی

ان انت دنیا فا عہدی منقطع من النبی ولا حبلی بمنصرم

(بے شمار گناہ کئے مگر حضور انور سے نہ دینی وابستگی ختم کی اور نہ آپ سے امید کی رسی کا سلسلہ ٹوٹنے دیا)

سن رکھا تھا اس لئے ڈرائیور سے کہا کہ جہاں سے پہلے پہل گنبد خضرا کا نظارہ نصیب ہوتا ہو، ہم اجنبیوں کو بتا دینا کہتے ہیں کہ بیر علی سے نظارہ نصیب ہوا کرتا ہے لیکن مسجد نبوی کی جدید عمارت اتنی بلند ہو گئی ہو کہ کہیں سے بھی باآسانی نظارہ نہیں ہو پاتا ہے ڈرائیور نے اپنی زبان میں ایک جگہ ہم کو متوجہ کیا مگر ہماری نگاہیں نظارہ سے قاصر ہیں،

چشم زدن میں ہماری ٹیکسی ایک آبادی کے اندر پہنچ کر ٹھہر گئی اور کسی نے بڑھ کر پوچھا کہ کس مزدور کے یہاں جانا ہے؟ ہم نے شیخ بہاؤالدین ذمیل مزدوین کا نام لیا پوچھنے والے نے ڈرائیور سے کاغذات لے کر دیکھے اور آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔

یہ مدینہ شریف تھا۔ ہم وہاں تھے جہاں پہنچنے کے خواب ہی دیکھا کرتے تھے اب جو جسمانی طور پر پہنچ گئے ہیں تو ہوش و حواس بجا نہیں ہیں، گاڑی اب شہر کی سڑکوں پر چل رہی تھی اور ہم ایک ایک عمارت کو اس طرح دیکھ رہے تھے۔ ابتداہی میں

کبھی ہمارے آباؤ اجداد کا قیام رہا ہو، مگر کوئی قیام گاہ اس پہلو سے نگاہوں میں نہیں بسی کہ موٹر اڈے پر گاڑی آگئی یہاں بھی ذرا دیر۔ نے مجھ کو عذرات دکھائے پھر آگے بڑھا، سڑکوں چوراہوں سے ہوتا ہوا ایک دفعہ اس نے بریک لگایا، ہماری نگاہوں کے سامنے مسجد نبوی کی شاندار نو تعمیر عمارت تھی ع

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے۔

اتر پڑے اور حیرانی سے متبرک عمارت کی طرف دیکھتے رہے ایک عربی لباس والے نے دریافت کیا کہ کہاں جانا ہے ہم نے کہا "صولتہ منزل" یا "احمد منزل"

آپ لوگوں کے پاس ان مکانوں میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ ہے؟"

"اجازت نامہ تو نہیں لائے ہیں اس لیے کہ ضرورت نہ تھی بہاؤ الدین صاحب کہاں ہیں؟"

وہ بھی آتے نظر آئے۔ یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ سوار یاں فرنگی محل سے آئی ہیں انھوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور کہا کہ دونوں منزلوں میں سے جہاں آپ چاہیں شوق سے ٹھہر سکتے ہیں۔

متین میاں نے کہا "مدینہ شریف میں آکر سید صاحب کے گھر میں (سید احمد حسین رضوی مرحوم جن کے مکان کا نام احمد منزل ہی) ٹھہریں گے۔

ان کی اس وجہ انتخاب نے دل کی عجیب کیفیت کردی۔

ہمارے شہر لکھنؤ کے دو مخیر رئیسوں حاجی محمد اصطفا خاں مرحوم اور خان بہادر حاجی سید احمد حسین رضوی مرحوم نے زائرین کے قیام کے لئے مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے روبرو دو عالی شان عمارتیں خرید کر وقف کردی تھیں

اصطفا منزل بالکل ہی سامنے ہے اور احمد منزل کا ایک حصہ سامنے ہے اور ایک گلی کے اندر۔

احمد منزل کا پورا ایک کمرہ بہاءالدین صاحب نے ہم لوگوں کو دے دیا۔ جس میں بجلی پنکھا سب کچھ تھا۔ اور ایک بڑا قالین پورے کمرے میں بچھا ہوا تھا۔ ہم لوگوں کا سامان کمرے میں پہونچنے بھی نہیں پایا تھا کہ بہاؤالدین صاحب ناشتہ بلکہ کھانا لے کر آ گئے۔ منھ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔

ہمارے خاندان کے ایک بزرگ مولانا محمد حیدر عبدالقدیر یہاں ۷۵-۸۰ سال سے مع اہل و عیال ہجرت کر کے چلے آئے ہیں۔ کھانے کے بعد ہم ان سے ملنے چلے۔ ان کے ایک لڑکے کی دوکان اصطفا منزل ہی میں ہے۔ دوسرے کی دوکان ذرا بڑھ کر رباط بھوپال سے متصل ہے۔ اس کی دوکان پر نام کا سائن بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔ "علی محمد الایوبی" یہ بچے فرنگی محل ہی میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے۔ وضع قطع بدل گئی ہے۔ بہرحال علی محمد سلمہ کو پہچان لیا اس کو بتایا کہ ہم کون ہیں علی محمد نے خالص عربی لہجہ میں کہا: اچھا رضا صاحب ہیں بلکہ رضا بھائی ہیں اس کی رہنمائی میں حیدر بھائی کے گھر گئے جو بالکل قریب تھا۔ وہاں ان کی بیوی اور بہن سے ملاقات کی۔ ان بیویوں کو امی اور پھوپھو جان وغیرہ کی آمد کی اطلاع تھی۔ پوچھا وہ کہاں ہیں ہم نے احمد منزل کا پتہ دیتے ہوئے پوچھا حیدر بھائی کہاں ہیں؟

ایک لڑکے کے ساتھ حیدر بھائی کی دوکان پر گئے جو مسجد نبوی کے باب السلام سے آگے بڑھ کر ایک گلی میں تھی۔ حیدر بھائی کو صاف پہچان لیا وہ ہمیں پہچان نہ سکے۔

جب پہنچا نا تو انھوں نے بھی امی اور پھوپھی جان کو دریافت کیا یہ سن کر کہ احمد منزل میں ہیں انھوں نے ایک ڈانٹ پلائی ہم نے کہا "آپ کا گھر اس وقت تک معلوم نہ تھا اس لیے سامان وہاں رکھ دیا ہے اور ان کو بٹھا دیا ہے، وہ اسی وقت اٹھے اور احمد منزل پہونچ کر صاف صاف کہا "آپ لوگ کہیں اور نہیں ٹھہر سکتیں. سامان باندھو" سامان باندھا اور حیدر بھائی کے مکان سے ملے ہوئے حیدر بھائی کے تعمیر کردہ دو فلیٹوں میں سے ایک فلیٹ میں ہمارا قیام ہو گیا۔

حضورِ خواجۂ دو عالمؐ

حیدر بھائی کے مہمان ہو کر بالکل اپنے گھر کے ماحول میں پہونچ گئے۔ فرنگی محل میں ان کا گھر ہمارے گھر سے ملا ہوا تھا اور ہر دم آنا جانا رہتا تھا۔ ان کے گھر کی خواتین یہاں بھی اس لباس میں رہتی ہیں جو لکھنؤ میں ان کا تھا اور وہی زبان بولتی ہیں عورتیں بھی اور بچے بھی جو لکھنؤ میں ان کی تھی ۱۵۔۲۰ سال کے قیام مدینہ منورہ کی بدولت بول چال کی عربی زبان ان سب کو آ گئی ہے اور ضرورت پڑنے پر بڑی روانی سے سب عربی بولتے ہیں۔ مگر گھر میں سب مادری زبان ہی بولتے ہیں

حیدر بھائی کے فلیٹ میں سامان وغیرہ منتقل کر کے اور جلد ی جلدی لکھنؤ میں رہنے والے عزیزوں رشتہ داروں کی خیر خیریت وغیرہ بتا کر مسجد نبوی میں حاضری کی تیاری میں لگ گئے۔

مدینہ شریف میں اپنی گھڑی کے حساب سے کوئی گیارہ بجے دن کو پہونچے تھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ٹھہرنے کے مراحل طے کئے اور اس حساب سے کپڑے وغیرہ بدلنے میں لگ گئے کہ ظہر کی نماز جو مدینہ منورہ میں ہماری پہلی نماز تھی مسجد نبوی میں

ادا کریں۔ اگرچہ اس سے زیادہ اہتمام سے یہاں حاضری دینے کا جی چاہ رہا تھا جو اہتمام حریم کعبہ میں حاضری کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی حجامت بنوانا غسل کرنا احرام باندھنا اور حاضری کی نیت کا اعلان زبان سے کرتے ہوئے حاضر ہونا لیکن جس دربار میں اب حاضری ہونے والی تھی وہاں ظاہری لباس کی یکسانی کی اہمیت نہیں۔ اس لئے احرام کی کوئی قید یہاں نہیں۔ تاہم آداب زیارت روضۂ اطہر (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) یہی ہے کہ غسل کر کے نئے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر حاضری دی جائے اور حاضری دینے والوں میں نیت کی یکسانی ہو یعنی یہ سچا احساس سب کو ہو کہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے بخشش اور درگزر کے پروانے لینے رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین کے دربار میں آئے ہیں۔

بجا اگر حجامت اور غسل کی فکر کرتے تو ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو پاتے۔ وضو کیا کپڑے بدلے اور بغیر کسی رہنما کو ساتھ لیے صرف شوق کی رہنمائی میں بغیر یہ خیال کئے کہ کس دروازے سے پہلے پہل مسجد نبوی میں حاضری دینے کا معمول علمائے امت کا رہا ہے جو دروازہ سامنے نظر آیا یعنی باب مجیدی اسی سے ہم اور متین میاں مسجد کے اندر داخل ہو گئے۔

ہماری قیام گاہ سے مسجد نبوی کا فاصلہ بس تین چار منٹ کا تھا۔ اتنا فاصلہ تھا کہ اگر اذان شروع ہوتے ہی گھر سے چل پڑیں تو اذان کے آخری کلمات باب مسجد پر سنیں اور دعائے اذان (اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمدن الفضیلۃ الخ) مسجد کے اندر مانگیں۔ یہ فاصلہ اس سے بھی کم تھا جو مکہ میں ہماری قیام گاہ (بوہرہ رباط) سے حرم محترم تک تھا۔

مسجد نبوی میں ہم پہونچ تو گئے۔ لیکن جہاں تک رسائی کی تمنا لے کر آئے تھے
روضۂ اطہر تک ادھر نگاہ تک اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی نماز
کا وقت ہو چکا تھا نمازیوں سے مسجد شریف بھر پور تھی ہم باب مجیدی سے داخل
ہوئے تو تعمیر حصۂ مسجد میں ہمیں جگہ نظر آئی، وہیں ہم دونوں نے سنتیں پڑھیں
اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی۔ ہم جماعت میں اس جگہ تھے جہاں سے نظریں اٹھا کر
گنبد خضرا کی تو زیارت کر سکتے تھے لیکن اس حجرۂ پاک کو نہیں دیکھ سکتے تھے جہاں
ہم آنے والوں کے ملجا و ماویٰ آرام فرما ہیں۔ بلکہ اس سمت دیکھنے کی ہمت نہیں کر
پا رہے تھے جو نمازیوں کی صفوں کی وجہ سے ہماری نگاہوں سے اوجھل بھی تھی

آداب زیارت میں لکھا ہے کہ مدینہ شریف میں حاضری ہو تو سب سے پہلے
روضۂ اطہر پر حاضری دی جائے۔ یہ جانتے ہوئے بھی ہمارا دل بے محابا حاضری کے
تصور سے دھڑکنے لگتا تھا۔ اگر آستانے کی چوکھٹ پر رک کر اچھلنے والے دل کو
تھوڑا سمجھا بجھا کر اندر نہ گئے، پھر آستانے کے اندر ایک ایک قدم خشوع و خضوع
کے ساتھ نہ رکھا اور دوری کو بتدریج قرب سے نہ بدلا تو نہیں کہہ سکتے کہ اپنا
حال کیا ہو گا۔

بے شک ان کا معاملہ دوسرا ہے جو کہیں بھی رہوں، شب و روز حضور قلب
سے یہاں حاضر رہا کرتے ہیں، اگر وہ یہاں پہنچتے ہی روضۂ مبارک پر حاضری دیں
تو وہ سہار لے جائیں گے اس مسرت کو یا اس رعب کو جو طبائع متضادہ پر
حسب حال طاری ہو سکتا ہے، ہم ایسے اگر گھنٹوں کیا دنوں اپنے دلی حالات کا
جائزہ لیتے رہیں تو حق بجانب ہوں گے۔

نماز ظہر پڑھ چکے۔ سنتیں بلکہ نفلیں بھی پڑھ لیں۔ اگرچہ نفلوں کی کوئی خاص عادت نہیں رہی ہے۔ لیکن مسجد نبوی میں یا حرم شریف میں نفلوں کا ثواب بھی ہزاروں رکعتوں کے برابر ملتا ہے۔ اور ثواب کی جمع جتھا اپنے پاس کہاں؟ یہاں بے حساب ثواب مل رہا تھا تو اپنی پونجی بڑھانے کی فکر کیوں نہ کرتے ـــــ سچی بات تو یہ ہے کہ نفلیں بھی اس خیال سے اور پڑھنے لگے تھے کہ کچھ اور وقت دھڑکتے دل کو قرار پکڑنے کا مل جائے۔ اب اس نماز کو آپ جو بھی کہیں، چھپانے سے فائدہ کیا؟ پوری نماز میں ہمارا دھیان ان ہی کی طرف رہا جن کے سامنے تھوڑی دیر بعد ہم کھڑے ہونے والے تھے۔

مانتے ہیں اور سچے دل سے مانتے ہیں کہ ان کے سامنے کھڑے ہونے والے تھے جن کی رحمت شفقت، معافی درگزر، اتنا عام ہے کہ خون کے پیاسوں تک کو ان پر پوری طرح قابو حاصل ہو جانے کے بعد بھی، دل سے معاف کر دیا۔ معاف کرنا رہا ایک طرف شکوہ و شکایت کا ناراضگی اور خفگی کا طنز و تشنیع کا ایک حرف بھی اس دم زبان مبارک سے نہیں نکلا فرمایا تو بس اتنا فرمایا لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء جان کے دشمنوں سے خون کے پیاسوں سے عزت و آبرو کے درپئے رہنے والوں سے بی بیوں اور بیٹیوں کی ہتک کرنے والوں سے فرمایا جا رہا ہے: آج (اور آج کے بعد بھی) تم سے کسی بھی تمھاری حرکت کی باز پرس نہیں کی جائے گی جاؤ تم سب کے سب بری ہو آزاد ہو،

یہ بھی اذعان و یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ سامنا ان کا ہونے والا ہے جنھوں نے اچھوں کے لئے نہیں بلکہ بروں کے لئے، ان کے لئے جنھوں نے طغیانی

اور سرکشی میں دن رات بسر کیے ہیں اعلان عام فرمایا ہو کہ یہ بڑے میرے ہیں:
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں"
لیکن ایک برے کو بھی تو آخر سوچنے کی ضرورت ہے! والدین کتنے ہی شفیق ہوں کتنی ہی نازبرداریاں کرتے رہتے ہوں ہر غلطی اور شرارت کی پردہ پوشی کرنا ان کا مستقل معمول ہو گیا ہو تو کیا ان سہولتوں اور ان نوازشوں کا مطلب غلطی اور شرارت کی کھلی چھوٹ سمجھا جائے گا؟

مالک کتنا ہی نرم دل اور چشم پوش ہو، لاکھوں بار تجربہ ہو چکا ہو کہ درگزر سے زیادہ کوئی اور چیز اسے محبوب نہیں ہے بڑی بڑی عدول حکمی کو بھی سکون بخشنے والی مسکراہٹ کے ساتھ نظرانداز کرتا رہتا ہے تو کیا ان باتوں سے غلام کو حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ عدول حکمی ہی کرتا رہے اور جب مالک کے سامنے آئے تو اس بے حیائی کے ساتھ آئے کہ اس کے دل میں ندامت اور خجالت کا شائبہ تک نہ پایا جاتا ہو؟

برعکس اس کے اس کو تو اور شرمندہ اور خجل ہونا لازم ہے کہ نافرمانی اور عدول حکمی کر رہا ہے ایسے مالک کی جو کبھی سزا نہیں دیتا جتنی بڑی غلطی کر کے آؤ وہ بس دلاسا ہی دے گا۔ ایسے مالک کے لئے تو دل یہ چاہے گا کہ ہماری کسی لغزش اور غلطی کا پتہ بھی اسے نہ چلے یا درشی کے ڈرسے نہیں۔ باز پرس چلے بھی تو اس کی نگاہوں سے بچ کر سے

کن رسوا حضور خواجہ ما را حساب من ز چشم او نہاں گیر

لو! نمازی مسجد سے رخصت بھی ہونے لگے — یہ وہی ہوں گے جو بہت پہلے یہاں آئے ہوں یا یہیں کے رہنے والے ہیں — ہماری نماز بھی ختم ہو چکی تھی لیکن اپنی جگہ سے اٹھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ چشم زدن کے لئے خیال آیا کہ ہمیں بھی مسجد سے رخصت ہو جانا چاہیے پھر خواجہ ہرودگرا کے حضور میں دستور کے موافق اپنے مزدور کے ساتھ جانا چاہیے — ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جیسے مل جائے!

مزدور صاحب رہنمائی کرتے ہوں گے تو آداب حاضری کی ذمہ داریاں انہیر عائد ہوں گی۔ ہمیں بس ان کی پیروی کرنا ہوگی۔ اور وہ سب کچھ وہ پڑھائیں گے بھی جن کے پڑھنے کا معمول صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ کیسے کیسے صلحائے وقت کیسے کیسے اولیا، اتقیا کیسے کیسے محدثین و فقہا ان دعاؤں کو حاضری کے وقت پڑھ چکے ہیں۔ ان کی مبارک زبانوں سے ادا ہونے والی دعاؤں میں برکت اور بڑھتی ہی ہوگی اور اس برکت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہمارے ایسوں کی قسمت میں بھی آئے گا جس وقت انہیں دعاؤں کو دھرائیں گے۔

ہم اپنی جگہ سوچ رہے تھے متین میاں بھی چپ تھے وہ بھی کچھ سوچ ہی رہے ہوں گے۔ اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو بھی جیسے نظر انداز کئے ہوئے تھے۔ نہ انھوں نے کچھ ہم سے کہا نہ ان سے ہم کچھ کہنے بیٹھے ہیں بزم دوست میں گمشدگان حسن دوست

عشق ہے اور طلب نہیں نغمہ ہے اور صدا نہیں

جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے اس متبرک ترین مقام تک جو ہمارے سفر کا

مقصد اور ہماری منزل مقصود ہے — بس دو دالان کا فاصلہ تھا جو اگرچہ خوب وسیع و عریض تھے پھر بھی چار پانچ منٹ میں طے کئے جا سکتے تھے — اور یہی چند قدم ایسے تھے جو جوئے شیر لانے کے برابر کار مشکل بن گئے تھے۔

مزور صاحب کی رہنمائی میں حاضری دینے کا خیال جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا — اچانک ہم نے متین میاں سے کہا "چلو! اب حاضری دیں" ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی اپنے دل میں یہی فیصلہ کر چکے تھے اور جیسے اسی گھڑی فیصلہ انھوں نے کیا تھا۔

اٹھ کھڑے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے اور کافی ہمت کے ساتھ اٹھے

ہائیں! یہ کیا؟ قدم لڑکھڑا کیوں رہے ہیں؟ دل اتنی زور زور سے دھڑک کیوں رہا ہے؟ اتنی دیر میں تو سب نشیب و فراز اچھی طرح سوچ سمجھ لئے تھے۔ کیا نئی بات ایسی پیش آگئی کہ آواز گھٹی جا رہی ہے، زبان خشک ہوئی جا رہی ہے۔ چہرے کا رنگ بھی اڑا جا رہا ہوگا۔ نئی بات کیوں نہیں ہوئی! اب تک جو کچھ تھا وہ سب خیالات اور تصورات کی دنیا میں تھا۔ اب عمل کا مرحلہ آ رہا ہے نظریاتی اور تصوراتی دنیا کے بڑے سے بڑے شہسوار بھی جب عمل کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو بچوں کی طرح انگلی پکڑنے والوں کا سہارا چاہتے ہیں۔ عمل کی دنیا میں قدم رکھنے کی ہیبت ہی دوسری ہوتی ہے پھر قدم اُٹھ رہے ہیں کس کی طرف؟ اس کی طرف ؂

جس کے قدم پہ جبہ سا روم و عجم کی نخوتیں
جس کے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری

خیر! جو کچھ بھی ہو! ہم کسی اور کا سہارا لئے بغیر ہی دنیا و آخرت میں اپنے آخری سہارے کے پاس جائیں گے، دل پہ کچھ بھی بیت کیوں نہ جائے ہم خود اپنا نامۂ سیاہ اپنے ہاتھوں میں لئے آپ کے دربار میں حاضری دیں گے یا رسول اللہؐ! اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے ؎

غالم از کسے می نالم از خویش
کہ ما شایانِ شانِ تو نہ بودیم

ہم نو واردوں کو کوئی یہ بھی بتانے والا اس وقت نہ تھا کہ کس سمت سے حاضری دینے جائیں۔ مواجہہ شریف میں کس مقام پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں اور کس جگہ نگاہوں کو مرکوز کر کے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کریں مگر کیا اس سلسلے میں کسی رہنما کی بھی حاجت تھی؟ بھاگا ہوا غلام جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ دل میں اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی نگاہیں نیچی کئے ہوئے۔ دست بستہ اس آقا کے حضور حاضر ہونا چاہیئے جس نے ہر بھاگے ہوئے کے لئے ایک ہی انداز رکھا ہے یعنی بخشش و درگزر عفو اور مہربانی کا۔ دونوں دالان کو اس طرح طے کرتے ہوئے جیسے بری ہونے کا فیصلہ سننے نہیں بلکہ پھانسی کی سزا سننے کو کوئی مجرم جائے ہم اس مقام پر پہونچ گئے جہاں پہونچ جانے کے بعد جنت میں پہونچنے کا خیال بھی دل میں لانا گستاخی نظر آنے لگتا ہے ہائیں! دل کی دنیا ہی بدلی نظر آنے لگی! ارے! وہ ہراس، وہ اندیشہ، وہ ڈر وہ خوف یہ سب کہاں چلے گئے! اچھا! تو دل کو اترانے کی سوجھنے لگی ہے؟

تصور عرش پہ ہے وقف سجدہ ہے جبیں میری ‏ ‏ ‏ مرا اب پوچھنا کیا؟ آسماں میرا زمیں میری!

تو یہ دم ختم ہو گئے ہیں اس دل کے جو چند منٹ پہلے بیٹھا جا رہا تھا صرف دو
دالان کو طے کرتے کرتے یہ انقلاب ما ہیت !
اور ہونا بھی یہی تھا ! مجرم اور گنہگار تو تھا ہی یہاں پہونچ کر بھی خوش نہ ہوتا
تو بدبخت اور کم نصیب بھی کہلاتا . بار یابی کا شرف مل جانا کوئی معمولی بات تھی ؟
استطاعت مالی وجسمانی کے چکر میں رہے مدعی عقل وخرد ! ہزاروں لاکھوں مستطیع
ومتمول صحت مند اور ہٹے کٹے ہیں جو اگر چاہیں تو سینکڑوں پھیرے یہاں کے کر سکتے
ہیں مگر دیکھ لیا تو نے کہ وہ یہاں نظر نہیں آرہے ہیں اور تو اور تیرے ایسے
بہت سے اور گرد یہاں ہیں جو خواب میں بھی یہاں پہونچ پانے کا خیال نہیں
کر سکتے تھے . ان ہی کا کرم نہیں تو اور کیا ہے جو اپنی تمام کوتاہیوں اور خامیوں
بے مائیگیوں اور بے استطاعتیوں کے ساتھ یہاں بلا لیا گیا .
یہ آنسو بہانے کا کون سا موقع ہوا ؟ اچھا ! فرط مسرت سے آنسو نکل آئے ہوں
گے یہ تو ٹھیک ہے یا افراط انفعال سے آنسو بہنے لگے ہوں تو ان آنسوؤں کا کیا
کہنا لیکن کہیں اپنی خوش انجامی کے بارے میں ادنیٰ ساشک بھی آیا یا ذرا سا بھی
یہ تردد لاحق ہوا کہ دیکھئے ہمارا سلام قبول بھی ہوتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ
قرآن کی صریحی نص کا انکار کرنا ہوا یہ گناہ نہیں کفر ہوا ؎

دو عالم بکاکل گرفتار داری بہر مو ہزاراں سیہ کار داری
ز سر تا بپا رحمتی یا محمدؐ نظر جانب ہر گنہگار داری

آداب باریابی

ادب کا تقاضا تھا کہ بائیں مبارک سے حاضر ہوکر مواجہ شریف (دربار نبوی) میں باریابی حاصل کی جائے لیکن جب خود اپنے سر و پا کا ہوش نہ رہا ہو اس سے کسی قسم کا تقاضا کرنا تقاضائے ہوش مندی کے خلاف ہوگا۔

آسان بات یہ تھی کہ جس سمت سے لوگوں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے جاتے دیکھتے اسی سمت چل پڑتے مگر ہم (اس) وقت جانے کے لئے اٹھے تھے جب مسجد نبوی سے لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ رخصت ہونے والوں کا ساتھ دیتے تو جس طرح دروازے سے داخل ہوئے تھے اسی طرح باہر نکل جاتے ۔

میں کب چوکتا؟ کہ اُس محفل میں جب رخصت کا ساماں تھا؟
یہ لب پر تھا کہ کیا میں بھی شریک بزم جاناں تھا؟

مسجد نبوی میں داخل ہونے کے کئی دروازے ہیں قدیم بھی اور جدید بھی باب السلام، باب الرحمۃ، باب جبرئیل، باب مجیدی، باب النساء وغیرہ باب جبرئیل سے داخل ہونے والا بائیں طرف سے حاضری دینے والا ہوگا

باب السلام اور باب الرحمۃ سے داخل ہونے والا سرہانے سے حاضر ہونے والا ہوگا۔ دوسرے ابواب سے اگر کوئی حاضر ہو تو گویا پشت مبارک سے وہ روبروئی کا شرف حاصل کرنے جارہا ہے۔

ہم لوگ مسجد نبوی میں باب مجیدی سے، جو سابق خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید کے نام سے منسوب ہے، عجلت میں حاضر ہوئے تھے اور بعد ناز پشت مبارک کی سمت سے بڑھتے ہوئے مواجہ شریف میں پہونچ گئے۔ اگر پہلے سے جانتے ہوتے تو پشت مبارک سے بائیں مبارک تک جاسکتے تھے اور امت کے معمول کے مطابق بائیں مبارک سے مواجہ شریف تک رسائی حاصل کرسکتے یہ نصیب! مواجہ شریف میں ہم نے اپنے کو حاضر پایا۔ درود شریف پڑھتے — اس لئے کہ اس وقت کوئی اور چیز یاد نہیں رہی تھی — آگے بڑھے اور روبرو ہوتے ہی زبان سے بے ساختہ "السلام علیک یارسول اللہ" کے الفاظ نکلے پھر بے اختیار درود شریف پڑھنے کی بلند آواز نکلنے لگی — اگرچہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والوں کی بلند آوازوں کے مقابلے میں ہماری آواز کو بلند کہنا موزوں نہیں پھر بھی رفع صوت کی غلطی کے ہم اپنے کو مرتکب پاتے ہیں

دارالہجرۃ — مدینۂ منورہ — کے محدث اور امام حضرت امام مالک کے بارے میں روایت ہے کہ شروع شروع وہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس حدیث دیتے تھے بعد میں انھوں نے مسجد میں درس دینا بند کر دیا۔ لوگوں کے استفسار پر امام مالک نے جواب دیا کہ طلبا کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے قدرے بلند آواز سے درس دینا ناگزیر ہو گیا تھا اور مسجد نبوی میں جہاں سرکار دوعالم آرام فرما ہیں

آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے اس لئے میں نے مسجد میں درس دینا موقوف کر دیا ہے۔

ایک دفعہ خلفائے عباسیہ کا دوسرا خلیفہ منصور مدینہ منورہ حاضر ہوا اور امام مالک سے مسجد نبوی میں کسی مسئلے پر بحث کرنے لگا خلیفہ، وقت تھا سب اس کے مطیع اور ماتحت تھے ماتحتوں اور اطاعت گزاروں کے لئے آداب ہوا کرتے ہیں مطاع اور مطلق العنان کے لئے کوئی ادب نہیں ہوتا، وہ بیچارہ اپنی عادت سے مجبور زور زور سے گفتگو کرنے لگا۔ امام مالک نے تنبیہ کی "امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز تیز مت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں کا ادب بتادیا ہے کہ اپنی آوازیں یہاں تیز نہ کرو۔"

یہ اشارہ قرآن شریف کی اس ہدایت کی طرف ہے کہ "اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اونچا اور تیز نہ کرو۔"

خلیفہ کو خیال آسکتا تھا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں حاضرین محفل مبارک کے لئے ہے جب اس نوعیت کی محفل نہیں تو اس محفل سے متعلق جو حکم ہے وہ بھی متعلق نہیں ہوگا۔

امام صاحب نے غالباً اس کے ذہن کو پڑھ لیا یا پھر عام لوگوں کی اطلاع کے لئے اس شرعی کلیہ کی بھی وضاحت کر دی کہ وان حرمتہ صلی اللہ علیہ وسلم میتاً کحرمتہ حیاً (جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کا احترام واکرام لازم تھا بالکل اسی طرح حیات ظاہری کے بعد بھی آپ کی توقیر و تعظیم کو ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے)

وقت کا یہ جلیل القدر اور مطلق العنان فرمانروا، امام مالک کا ارشاد

سن کر سرنگوں ہو گیا!

تو جو حکم صحابۂ کرام کو، جو آپ کی محفل پاک میں حاضری کی فضیلت سے مشرف تھے آداب محفل کے سلسلہ میں قرآن نے دیا ہے وہی حکم ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو روضۂ اطہر پر حاضری دیں۔ یعنی چیخ کر بولنے یا آواز بلند کرنے کی بے ادبی نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی پر تمہاری تمام نیکیاں رائیگاں ہو جائیں اور تم کو پتہ بھی نہ چلے (ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون)

افسوس کہ اس صاف اور صریح حکم اور اس واضح اور غیر مبہم شرعی کلیہ کے باوجود مسجد نبوی ہی میں ٹھیک روضۂ اطہر کے سامنے اور خاص مواجہہ شریف میں بیس بیس، پچیس پچیس آدمیوں کی ایک نہیں کئی کئی ٹولیاں ایک ساتھ بلند آواز سے صلوۃ وسلام پیش کرتی نظر آتی ہیں اور جہاں ذرا سی آواز بلند کرنا نیکیوں کو رائیگاں کر دیتا ہے وہاں سیکڑوں آوازیں ٹکرا کر چیخ پکار کا وہ منظر پیش کرتی رہتی ہیں کہ اگر صاحب روضۂ اطہر کی شفاعت وسفارش کا یقین نہ ہوتا تو کسی کے بھی خاتمہ بخیر ہونے کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا ؎

منادی فرد میری داور محشر نے یہ کہہ کر
کریں کیا! شافع محشر نے اس میں لکھ دیا کچھ ہے

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من جاءنی زائراً لم تنزعہ الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون لہ شفیعاً یوم القیامۃ (جو شخص میری زیارت کو صرف میری زیارت کی نیت سے آیا قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنا میری ذمہ داری ہے)

اس ارشاد نبوی کے بعد قبر شریف کی زیارت کرنے والے کے انجام بخیر ہونے میں شبہ کرنا بھی من جملہ معصیت ہے۔

مواجہ شریف میں شور وشر کا ہونا اب ایسا معمول بن گیا ہے کہ اس پر کسی طرح کی خلش بھی لوگ محسوس کرنے سے محروم ہو گئے ہیں — پھر ایک مجبوری بھی ہے — زائرین حاضر ہوتے ہیں۔ مزورین کے نمائندے ان کو مواجہ شریف تک لے جاتے ہیں اور اس طریقے سے عربی میں صلوۃ وسلام پڑھاتے ہیں جو طریقہ صدیوں سے معمول بنا ہوا ہے مزور کا آدمی ایک جملہ کہتا ہے اس کے ساتھ ہی تمام زائرین اس جملے کو دھراتے ہیں زور زور سے نہ دھرائیں تو پڑھانے والے کو کیسے معلوم ہو کہ اس کا کہا ہوا جملہ سب کی زبانوں سے ادا ہو چکا اب آگے کا جملہ کہے۔

مزورین سینکڑوں اور ایک ایک کے پاس زائرین ہزاروں ان سب کے نمائندے اپنے اپنے زائرین کو لے کر ایک وقت میں جب صلوۃ وسلام پیش کرنے کی تلقین کرتے ہیں تو کس حد تک شور کی کیفیت پیدا ہو گی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

جن کی واحد تمنا یہی ہو کہ حشر میں سرکار دو عالم کی شفاعت نصیب ہو جائے وہ مدینہ شریف کی حاضری میں صرف زیارت روضۂ اطہر کی نیت نہ رکھیں تو اور کیا نیت رکھیں گے؟

گرچہ درفردوس نعمتہا بے ست
وصل او، از ہرچہ دانی، خوشتر ست

یہاں پہونچ کر سو سال پرانی ایک بحث کی یاد آگئی موضوع بحث تھا کہ مدینۂ منورہ کی حاضری دینے والوں کے سفر کا مقصد اصلی کیا ہونا چاہیے مسجد نبوی

میں حاضری اور ضمناً روضۂ اطہر کی زیارت یا اصلاً روضۂ اطہر پر حاضری۔
سہسرام کے ایک عالم حج کو گئے اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے بغیر واپس آ گئے جب اس کا شہرہ ہوا تو ان پر طعنہ زنی ہونے لگی کہ دیکھو یہ روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے بغیر چلے آئے حالانکہ علماء زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب واجب قرار دیتے ہیں۔ مولانا صاحب نے ہر طرف سے جو یہ لعن طعن سنی تو ایک رسالہ لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ زیارت روضۂ اطہر کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ فعل جائز ہے۔ اس رسالے کا نام "القول المحکم فی زیارۃ قبر الحبیب الاکرم" تھا۔ مولانا کے دلائل کا جواب مولانا عبدالحئی (فرنگی محلی) کے ایک شاگرد محمد عبدالجبار نے ایک رسالے کے ذریعہ دیا جس کا نام تھا "الکلام المبرم فی نقض القول المحکم"
کچھ عرصے کے بعد مولانا سہسرامی صاحب نے الکلام المبرم کا جواب "القول المنصور فی زیارۃ سید القبور" نامی ایک رسالے کے ذریعے دیا جس میں یہ بحث بھی چھیڑی کہ ثواب کی نیت سے صرف تین جگہوں مسجد الحرام (مکہ)، بیت المقدس اور مسجد نبوی کا سفر کرنا جائز ہے۔ یعنی روضہ اطہر کی نیت سے مدینہ شریف کا سفر کرنا کوئی شرعی فعل نہیں ہے۔ در اصل یہ نقطہ نظر علامہ ابن تیمیہؒ نے پہلے پہل (آٹھویں صدی ہجری میں) پیش کیا تھا جس پر اس وقت بھی بڑا ہنگامہ ہوا تھا۔ بہر حال مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے ایک دوسرے شاگرد محمد عبدالعزیز کی طرف سے مولانا سہسرامی کے دوسرے رسالے کا جواب "الکلام المبرور فی رد القول المنصور" کے نام سے دیا گیا۔ یہ بحث و مباحثہ کتاب کے

ڈھائی سو مطبوعہ صفحات سے زیادہ پھیل گیا تھا۔ مولانا سہسرامی نے اپنی لغت میں تیسرا رسالہ اتمام الحجۃ علی من اوجب الزیارۃ مثل الحجۃ (اس شخص پر اتمام حجت جس نے زیارت قبر نبوی کو مثل حج کے واجب و فرض قرار دیا ہے) کے نام سے تحریر کیا۔ اس رسالہ کا لقب رکھا گیا۔ المذہب الماثور فی زیارۃ سید القبور۔ یہ کافی ضخیم تھا اور اس میں بہت سی ضمنی بحثیں علم و فن کی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اب خود مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے مولانا سہسرامی کے تیسرے رسالے کے جواب میں ایک ضخیم رسالہ السعی المشکور فی رد المذہب الماثور ملقب بہ واضح الحجۃ فی ابطال اتمام الحجۃ تحریر کیا۔ یہ رسالہ چار سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ساری بحث اُردو میں رہی اور خوب رہی۔

جس وقت ہماری حاضری مسجد نبوی ہوئی اس وقت بھی اور جس وقت مواجہ شریف کی طرف ہمارے قدم اٹھ رہے تھے اس وقت بھی ہماری نیت بالکل صاف تھی ۔۔ نیت نہیں بلکہ غرض بلکہ خود غرضی ہماری بالکل آشکارا تھی ۔۔ جرمہائے سیاہ کے مرتکب کو عفو بندہ نواز کا ماوٰی من درکار تھا اور اسی مایہ کی تمنا میں کرٹے کوس طے کرتا ہوا یہاں آ کھڑا ہوا تھا۔

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
پیش تو آمدہ قدسی پے درماں طلبی

مواجہ شریف کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوں تو قبلہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہے اپنی نجات کی دعا مانگتا ہے تو آخر کس رخ منہ کرکے دعا مانگنے والا دعا مانگے؟ خلیفہ المنصور نے یہی الجھن محسوس کرکے امام مالک سے پوچھا تھا۔

یا ابا عبد اللہ استقبل القبلۃ وادعوا ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے امام مالک! (جن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی) قبلہ کی طرف رخ کروں پھر دعا مانگوں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رخ کروں؛ محدثین کے سرتاج امام مالک کو اس سوال پر حیرت ہوگئی اور اسی حیرت کے عالم میں انھوں نے خلیفہ سے پوچھا "آخر حضور انورؐ کی طرف سے منہ پھیر کر دعا مانگنے کا خیال کیسے آگیا؛ حالانکہ حضور انورؐ ہی قیام قیامت تک تیرے ہی نہیں تیرے (اور ہم سب کے) باپ آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب نے اسے حکم دیا "قبلہ کی طرف نہیں بلکہ مواجہ شریف کی طرف رخ کر اور ان کے وسیلے سے دعا مانگ تب اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول کرے گا"

علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب قبر شریف پر حاضری ہو تو روضۂ اطہر کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے تقریباً چار گز پیچھے کھسک کر مواجہ شریف میں کھڑا ہو اور صلوٰۃ و سلام عرض کرے پھر ذرا کھسک کر حضرت ابو بکرؓ پر اور پھر کھسک کر حضرت عمرؓ پر سلام پیش کرے پھر اپنی جگہ آجائے یعنی مواجہ شریف میں جہاں پہلے کھڑا ہوا تھا آکر کھڑا ہو اور جو چاہے دعائیں مانگے۔

مواجہ شریف سے چار گز دور کھڑا ہونا ادب ہے اور یہ بڑی بے ادبی ہے کہ روضۂ اطہر کی جالیوں والی دیوار کو چھونے کے لئے قریب پہونچ جائے یا انھیں چھوئے

ہاں! پاس ادب!! اے شوق اندر نیا رست!

ہٹ کر ذرا قدس سے ذرا چند قدم اور!!

یہی بہت ہے کہ یادیں آلودگی اور کثافت در اقدس کے روبرو کھڑے ہونے کی سعادت نصیب میں آ جائے۔ اس کے بعد اگر کوئی جسارت کرے اور اپنی آلودگیوں اور کثافتوں سمیت مبارک جالیوں سے متصل ہو جائے یا انھیں مس کرنے کی کوشش کرے تو بڑی جرأت اور بڑی ہمت کی بات ہے۔

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

اور تو اور حضرت امام جعفر صادق[رض] تو اولادِ رسول[ص] اور اہلبیت رسول[ص] میں تھے امام مالک نے ان کے متعلق بیان کیا کہ میں نے امام جعفر بن محمد صادق کو دیکھا ہے وہ عموماً ہنستے رہتے اور دلچسپ باتیں کرتے رہتے تھے لیکن جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیتے تو حضور انور[ص] کے احترام اور جلالت شان کے خیال سے ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور امام جعفر صادق بغیر وضو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی بھی نہیں لیتے تھے۔

یہ حال تھا اولیاء اتقیاء اور خیار امت کا حضور انور[ص] کے احترام اور توقیر کے سلسلے میں — اب اگر ہر امتی اتنا جری ہو جائے کہ نام نامی لینا تو رہا ایک طرف بے محابا ان مبارک جالیوں کو چھونے لگے جو آرام گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاروں طرف ہیں تو آپ اس امتی کو کیا کہیں گے؟ یہ کوئی اظہار عقیدت ہے؟ یا اسے کوئی شوق کی بے تابی سے تعبیر کر سکتا ہے؟

ادب کا ہے یہ تقاضا کہ تیرے شوق کی بات
سنے نہ کوئی اِمرے دل میں یا دہن میں ہے!!

سینکڑوں زائرین مواجہ شریف کے روبرو ایستادہ تھے اور صلوٰۃ وسلام عرض کر رہے تھے ان میں ہر خطے اور ہر اقلیم کے باشندے تھے جو سر نیاز جھکائے اپنی رسائی قسمت پر ناز کر رہے تھے جو صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہو چکے تھے وہ بھی مجسم عقیدت بنے اپنی بگڑی بنانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آرہے تھے

بر در پاک تو ایستادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی و حلبی و عربی

ان ہی فکر مند دلوں میں ایک وہ بھی تھا جو بگاڑ کر ہی نہیں بلکہ اپنی دنیا و آخرت اجاڑ کر، جو مریض ہو کر نہیں بلکہ ہلاک ہو کر دنیا داری میں زندگی بسر کر کے نہیں بلکہ جاہلیت اور نافرمانی میں صبح و شام کرنے کے بعد اور بروں میں رہنے کے نتیجے میں برا ہو کر نہیں بلکہ اچھوں اور نیکوکاروں کے درمیان رہ کر نیکیوں اور اچھائیوں سے انحراف کر کے نہیں بلکہ ان کا تمسخر اور مضحکہ اڑا کر منزل مراد تک پہنچ گیا تھا اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کی جرأت کر رہا تھا۔

علما کی تصریحات کے مطابق مواجہ شریف میں حاضر ہو کر اس احساس کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے ہی تشریف فرما رہے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ ہر سلام پیش کرنے والے کو بنفس نفیس جواب عنایت فرما رہے ہیں ؎

مجروح ! لکھ رہے ہیں وہ اہل وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

حدیث کی مستند ترین کتابوں بخاری اور مسلم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

فرمودہ ایک واقعہ ملتا ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو سعید الخدری ؓ نے بیان
کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا
جس نے ۹۹ افراد کو مختلف اوقات میں یا ایک ہی وقت میں قتل کر ڈالا تھا،
(جب اسے ہوش آیا اور احساس ہوا کہ اس نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے تو) پھر وہ لوگوں
سے یہ پوچھتا ہوا نکلا کہ کیا میرے ایسے کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے (حالانکہ میں نے
۹۹ آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا ہے؟) ایک عیسائی درویش کے پاس آیا اور اس سے
یہی استفسار کیا کہ "کیا میری توبہ بھی قبول ہوگی؟"

ظاہر ہے کہ جس شخص نے بے قصور اتنے آدمیوں کی جان لی اس کی سنگدلی کا کیا
حال ہوگا اور ایسے سنگدل کی توبہ کا کیا اعتبار ہوگا؟ عیسائی درویش نے اس کے
ظاہری حالات کے پیش نظر حکم دیدیا کہ نہیں (تیرے ایسے آدمی کی توبہ قبول ہونے
کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) مایوسی کا یہ جواب سن کر اس خونخوار آدمی کو جو
غصہ آیا تو اس نے عیسائی درویش کو بھی قتل کر ڈالا (اب اس کی گردن پر سوجانوں
کا خون ہو گیا) پھر بھی یہ قاتل نجات کی تلاش سے دست بردار نہ ہوا اور جن لوگوں
سے ملتا یہی پوچھتا کہ کیا میری توبہ بھی (جب کہ سو خون میری گردن پر ہیں) قبول ہو سکتی ہے
ایک اور آدمی سے جب اس نے یہی سوال کیا تو اس نے کہا کہ فلاں بستی میں جا"
محدثین کی توضیح کے مطابق اس شخص نے جس بستی کا پتہ دیا تھا وہاں کوئی
بزرگ رہتے تھے اور وہ بستی ان بزرگ آدمی کے قیام کی وجہ سے نزول رحمت
کا محل بن گئی تھی۔
بتائے ہوئے پتہ کے مطابق سو انسانوں کے خون کا بادلا دے اپنی نجات کی تلاش

میں یہ شخص اس بستی کی طرف چل پڑا اور یقیناً اپنے سیاہ جرموں کے احساس سے وہ دل شکستہ ہوگا یا نجات کی جستجو میں دوڑ دوڑ کر بے دم ہو چکا ہوگا یا پھر اس کا مقررہ وقت آ گیا تھا بہر حال ابھی بستی تک پہنچا نہیں تھا کہ اس کو محسوس ہو گیا کہ اس کا وقت آخر آ گیا ہے اموت اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی اور وہ بستی جہاں سے اسے نجات اور مغفرت ملنے کا آسرا تھا ابھی دور تھی) عالم نزع میں چل تو کیا پاتا پھر بھی مرنے سے پہلے اس بستی میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس نے کھسک کھسک کر اپنے کو اس بستی سے قریب کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ اسے موت نے آ لیا اور اس نے بستی کی طرف اپنا سینہ بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے جان دیدی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عذاب کے فرشتوں اور رحمت کے فرشتوں میں اس شخص کے بارے میں جھگڑا ہوا کہ یہ مرنے والا کس کے قبضے میں جائے۔ سو بے قصور انسانوں کا قاتل ہے اس لئے عذاب کا مستحق اور عذاب کے فرشتوں کے قبضے میں جانے والا ہوا۔ دوسری طرف گناہوں سے توبہ کی نیت کر کے وہ ایک باخدا ہستی کی طرف تلاش نجات میں جا رہا تھا جب اسے موت نے آ گھیرا۔ ایک نیک کام کے دوران میں مرا اس لئے رحمت کے فرشتوں کے قبضے میں اسے جانا چاہیئے۔

خداوند تعالیٰ نے عذاب اور رحمت کے فرشتوں کے اختلاف کو اس طرح فیصل کیا کہ جس جگہ اس شخص کو موت آئی ہے اس جگہ سے دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ بستی قریب ہے جہاں یہ سرکشی اور قتل و غارت گری میں مبتلا رہا یا اس کی موت کی جگہ سے وہ بستی قریب ہے جدھر وہ نجات کی تلاش

میں جارہا تھا، پھر پروردگار عالم نے اپنی قدرت سے اس بستی کو جہاں عیسائی درویش قیام پذیر تھا حکم دیا کہ وہ اس شخص کی لاش سے قریب ہو جائے اور اس بستی کو جہاں اس شخص نے گناہوں کی زندگی بسر کی تھی حکم دیا کہ تو لاش سے اور دور ہو جا۔ اب عذاب اور رحمت کے فرشتوں نے فاصلہ ناپا تو درویش والی بستی اس شخص کی بستی سے بقدر ایک بالشت کے قریب نکلی بس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت کردی (اور رحمت کے فرشتوں کے حوالے یہ سو بے قصور انسانوں کا قاتل ہو گیا)

ایک باخدا بزرگ تک پہنچنے کی کوشش کے نتیجے میں اگرچہ وہ کوشش کامیاب نہیں ہو پائی مغفرت کاملہ نے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ وہ صرف ایک درویش کی بستی تھی یا زیادہ سے زیادہ بنی اسرائیل کے کسی نبی کی بستی ہوگی۔ اگرچہ اس کی صراحت محدثین کے یہاں نہیں ملتی ہے پھر وہ بقعۂ ارض جہاں دونوں جہان کے لئے رحمت لے کر آنے والا آرام فرما ہو اس سے قریب ہونے والا ہی نہیں بلکہ وہاں تک پہونچنے کی کوشش میں کامیاب ہو جانے والا رحمت کاملہ سے کس درجے میں سرفراز ہوگا اس کی تشریح کی کیا کوئی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔؟

رسائی قسمت سے ہم اس بستی میں جہاں ہر وقت رحمت کا نزول رہتا ہے پہونچ گئے تھے اور اس ارفع واعلیٰ مقام سے جہاں "رؤف رحیم" تشریف فرما ہیں ایک بالشت سے بھی کم فاصلے پر ایستادہ ہو سکتے تھے اگرچہ ادباً وہاں سے چار گز دور ایستادہ تھے نہ معلوم کون سا دن یاد کر کے یہ بھی آس لگائے تھے۔ کہ نہ صرف یہ کہ ہمارا سلام شرف قبولیت حاصل کر رہا ہو بلکہ لطف خاص کے ساتھ نگاہ بندہ پرور ہماری جانب نگراں بھی ہے۔

اپنی زندگی میں تو کوئی دن بھی ایسا نہ تھا جس کو یاد کر کے لطف خاص کا آسرا لگانے کا حوصلہ ہوتا ہو؟ ہاں وہ دن ضرور یاد آرہے تھے جب مدینہ شریف کے تمام بسنے والوں میں سے ہمارے جد اعلیٰ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو حضور انور روحی فداہ کے قیام کا وہ شرف حاصل ہوا تھا جس پر دنیائے اسلام آج تک رشک کرتی ہے۔

ترک وطن فرما کر مدینہ شریف کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے حضور انور روحی فداہ ابی و امی نے سرفراز فرمایا ہر ایک متمنی ہے کہ قیام آپ کا اس کے غریب خانے میں ہو۔ کہ وہ مرکز انوار ہو جائے۔ دولت مندوں کے محل موجود تھے۔ جاگیرداروں کے سر سبز و شاداب باغ بھی مدینہ منورہ میں تھے ایسے جاں نثاروں کی بھی کوئی کمی نہ تھی کہ اشارہ ہو جائے تو چشم زدن میں ساری دولت لگا کر آرام دہ محل آپ کے لئے کھڑا کر دیں۔

حضور انور کی اونٹنی نے احسان فرمایا کہ اس جگہ بیٹھ گئی جس جگہ سے حضرت ابو ایوب انصاری کا گھر سب سے قریب تھا ایک دفعہ بیٹھی پھر اٹھی پھر آ کر اسی جگہ بیٹھی پھر وہاں سے نہ اٹھی — حضور انور کا سامان جلدی جلدی ابو ایوب انصاری اور ان کے گھر والوں نے اتارا اور اپنے گھر پہنچایا۔ حضور انور نے بھی قیام کے لئے قدم رنجہ فرمایا۔ ابو ایوب نے دست بستہ عرض کیا کہ نچلی منزل میں قیام پسند فرمائیں گے یا اوپری منزل میں؟ جواب عنایت ہوا" اسفل ارفق بلی (نچلی منزل ہی ہمارے لئے موزوں ہوگی) تعمیل ارشاد میں ابو ایوب اور ان کے بیوی بچے اوپری منزل میں منتقل ہو گئے اور نچلی منزل حضور انور کے لئے ہو گئی ابو ایوب

انصاری کے جذبۂ ادب نے خیالات کو مہمیز کیا: جس چھت کے نیچے آقائے دوجہاں ہوں اس چھت پر تو چلے گا اے ابوایوب! کیا اس بے ادبی کا اندیشہ نہیں کہ نیچے جہاں سرکار دوعالم کی نشست ہو ٹھیک اسی کے اوپر چھت کو تو اپنے پیروں سے روندرہا ہو؟"

فوراً حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا "حضور! اس چھت پر ہرگز نہیں رہ سکتا جس کے نیچے حضورِ والا قیام فرما ہوں۔"

باصرار ابوایوب انصاری نے بالائی منزل پر حضورِ انورؐ کے قیام کا بندوبست کیا اور خود نچلی منزل میں رہنے لگے، اور اس احساس میں مگن رہنے لگے کہ ان کو اور ان کے گھروالوں کو یہ سرفرازی حاصل ہے کہ نعلین مبارک ان کے اوپر ہیں۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے کفش پائے حضورؐ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

بے شک! جس دن ابوایوبؓ انصاری کی "تاج پوشی" ہوئی تھی وہ دن ان کے لئے ہی نہیں ان کی قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے سرمایۂ شرف و کرامت ہے۔ ۔۔۔ تو اس وقت ابوایوب انصاریؓ کی نسل کا ایک فرد۔۔۔ بدنام کنندہ نکونامے چند ۔۔۔ وہی تاج پوشی کا دن یاد کرکے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

ابوایوب انصاریؓ کا گھر بھی یاد آرہا تھا اور مسجد نبوی میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر شریف یہ وہ آخری ارشاد بھی جس کے بعد منبر شریف پر بیٹھ کوئی دوسرا خطبہ حضورِ انورؐ نے نہ دیا حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مرضِ خدمت بکر چکا تھا جس میں آپ نے وفات فرمائی، انصاریوں کی پیش آنے والے سلوک کے

تصور ہی سے وہ کیفیت تھی کہ بیٹھے بیٹھے رو یا کرتے تھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ انصاری بیٹھے رو رہے ہیں پوچھا کیا ہوا کیوں رو رہے ہو تم لوگ؟ جواب ملا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ہماری جو پوچھ گچھ تھی اُسے یاد کر کرکے رونا آرہا ہے ـــــ حضرت عباسؓ اسی وقت حضور انورؐ کے حجرے میں حاضر ہوئے آپ بستر علالت پر تھے۔ انھوں نے انصاریوں کی اس کیفیت کا تذکرہ آپ سے کیا، انصاریوں کی یہ بے قراری سن کر حضور انورؐ بے چین ہو گئے اسی شدت علالت میں ایک چادر سے سر میں پٹی باندھ کر حضور انورؐ برآمد ہوئے اور سیدھے منبر شریف پر تشریف لے گئے ـــــ صحابہؓ کا کہنا ہے کہ اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ دنیا سے پردہ فرمالیا۔

منبر پر تشریف لا کر حمد وثنا کے بعد آپ نے حاضرین کو مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

"انصاریوں کے بارے میں تم لوگوں کو میں وصیت کرتا ہوں، انصار میرا گھر بار مال ومتاع اور آل واولاد ہیں۔ ان پر جو فرائض تھے (دین کی خدمت اور پیغمبر اسلام سے وفاداری کے) وہ انھوں نے کما حقہ ادا کر دئے لیکن ان کی خدمات کے سلسلے میں جو ان کے حق امت پر لازم ہو گئے ہیں ان کی ادائیگی ابھی نہیں ہو پائی ہے (تو میں وصیت کرتا ہوں کہ) انصاریوں میں جو نیک اور خیر خواہ ہیں ان کی پذیرائی کرو اور جو انصاریوں میں غلط کاری میں پڑ گئے ہیں ان سے درگذر سے کام لو۔"

یہ وصیت کہ خطا کار اور برے کردار والے انصاریوں سے درگزر کرو، ایسی بندہ پروری ہے کہ انصاریوں کی نسل کے خراب سے خراب ترفرد کو بھی ایک ہی سہارا بس ہے۔ حضرت ابوایوب ایوبؓ انصاری کی سینتالیسویں پشت کا ایک خطا کار انصاری جس کا نام اس کے باپ دادا نے محمد رضا، رکھ کرا ور حضور انورؐ کے نام نامی کو اس کے نام کا جزو بنا کر نجات کا ایک وسیلہ اور پیدا کر دیا، دربار میں کھڑا اگر لطف خاص کا متوقع بنا ہوا ہو تو آپ اسے پاگل یا دیوانہ نہیں کہہ سکتے ۔۔۔ جس آقا نے دوسروں کو انصاریوں سے درگزر کا حکم دیا وہ خود انصاریوں سے اور ان کی آل اولاد سے کیا کچھ سلوک نہ فرمائے گا! پس ضرورت ہے تو اس کی کہ نسل انصار سے تعلق رکھنے والا اس تعلق کو خود یاد رکھے اور اپنی موروثی غلامی کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہوئے اپنے آقا کی خدمت میں حاضر رہے۔

دراقدس پہ حاضری کے دوران جی نہیں چاہتا کہ یہاں سے ہٹ کر کہیں جایا جائے۔ بس اگر کوئی چیز مخل انداز ہوتی تھی تو وہ زائرین کی بے احتیاط آوازیں تھیں۔ قطعاً اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اس طرح کی صدا و شور وہاں ہو جہاں زبان سے زیادہ قلب کی حضوری درکار ہونا چاہیئے۔

جس وقت ہم لوگ حاضر ہوئے تھے یعنی بعد نماز ظہر وہ وقت تھا بھی کثرت زائرین کا یہ اندازہ بعد میں ہوا۔ دوسرے اوقات میں حاضری کافی یکسوئی سے نصیب ہوتی۔ حاضری میں کب تک ہم رہے یہ اس وقت یاد تھا نہ اب یاد آ رہا ہے بہر حال وہاں سے ہمیں رخصت ہونا پڑا۔ رات بھر کے جاگے تھے ساڑھے تین سو میل کا سفر طے کر کے آئے تھے، قیام گاہ پر واپس آ کر تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گئے اور اس وقت آنکھ کھلی جب عصر کی اذان ہو رہی تھی۔

مسجد نبوی اور متبرک آثار

اللہ کے گھر ــــ خانۂ کعبہ ــــ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ تعمیر کیا تھا جس کی مستند تاریخ سے ہم ناواقف ہیں ــــ مسجد نبوی کو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے افضل ترین فرزند خاتم الانبیاء محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنے جاں نثاروں، انصار و مہاجرین کے ساتھ تعمیر کیا اور اس تعمیر کی جزئیات تک باوثوق ذرائع سے ہم تک پہونچی ہیں، اولین تعمیر کے بعد جتنے اضافے مسجد شریف میں ہوئے ان کی تفصیل بھی تاریخ نے ہمارے لئے محفوظ کرلی ہے. حافظے اور تصور کی مدد لے کر آپ چاہیں تو مسجد نبوی کے اندر بیٹھے ہوئے اس کی تعمیر کی کیفیت کا پورا نقشہ ذہن میں تازہ کرسکتے ہیں۔

پہلی حاضری کے وقت تو تاب تصور اور قوت حافظہ جواب ہی دیئے رہتے ہیں بعد کی حاضریوں میں جب حال کا رشتہ ماضی سے جوڑنے کی کوشش کرنے لگے تو ایک دنیا آباد نظر آنے لگی۔

تصور کی نگاہوں نے دیکھا کہ جس مبارک مقام پر اس وقت ہمیں شرف حاضری

نصیب ہے وہ ابھی مسجد نہیں صرف آراضی ہے جس پر کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں اور باغیچہ کی سی کیفیت پائی جاتی ہے اس باغیچے میں "مربد" بھی ہے جہاں کھجور سکھائے جاتے ہیں اور چھواروں کی شکل میں تبدیل کئے جاتے ہیں۔ اس آراضی اور اس باغیچے کے مالک دو یتیم یثربی بچے سہل اور سہیل ہیں جو وراثتاً اس کے مالک ہوئے ہیں ۔

اور یہ شہر، جہاں یہ آراضی اور یہ باغیچہ واقع ہے ابھی "یثرب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ عربستان کی تاریخ اور جغرافیہ میں اس شہر کو کوئی خاص اہمیت بھی حاصل نہیں برعکس اس کے اس شہر کے مقابلے میں جس میں اللہ کا گھر —— خانہ کعبہ —— واقع ہے یثرب اور یثرب کے باشندے کمتر اور فروتر سمجھے جاتے ہیں ۔ اعزاز و احترام میں بھی شان و شوکت میں بھی سطوت و جبروت میں بھی ،

انتظامات کی یہ چہل پہل سی کیسی نظر آ رہی ہے ؟ کوئی خاص بات ضرور ہے جو یثرب کے باشندوں کی نگاہیں اپنے اردگرد سے ہٹی ، یثرب کی طرف آنے والی راہ کی طرف بے ساختہ اٹھ رہی ہیں یقیناً کسی آنے والے کا انتظار کیا جا رہا ہے —— کون ہے وہ آنے والا ؟ مکے کے خاندان ہاشمی کا ایک جوان جسے اس کے ہم وطن گھر سے بے گھر کر دینے پر تل گئے ہیں !

جوان ہاشمی، مہمان بن کر آ رہا ہے ؟ نہیں ! مستقل قیام کی غرض سے تشریف لانے والا ہے ! خوب !! مستقل قیام ہوگا کہاں ؟ یہاں خود اس کا گھر بار تو ہے نہیں، کسی کے یہاں ۔ ٹھہرنا ایک دن دو دن کا نہ سہی مہینہ پندرہ دن کا ہو سکتا ہے وہ بھی اگر آنے والا تنہا ہو ۔ اہل و عیال کے ساتھ مستقل رہنے کے لئے آنے والے

کو تو پہلے ہی کوئی گھر لے لینا چاہیئے سیدھے جہاں آ کر اترے!
ابھی آمد نہیں ہوئی" وعدۂ آمد" ہی ہے لیکن ذرا دیکھئے تو یثرب کا ایک ایک گھر کیسا بارونق اور حسین نظر آ رہا ہے ؎

وعدہ کس نے کیا ہے آنے کا؟
حسن دیکھو غریب خانے کا!

خبریں گرم ہیں کہ قدوم میمنت لزوم سے یثرب سرفراز ہونے والا ہے معتبر اطلاع بھی آ چکی ہے کہ مکہ سے مہمان بزرگ کا کوچ ہو چکا ہے۔ راستہ اگرچہ متعین اور معروف ہے لیکن دشمنوں کے بُرے ارادوں نے اسے پُرخطر بنا دیا ہے ظاہر ہے کہ مکہ سے یثرب تک کی مسافت ایک عام راہرو کی طرح طے نہ فرمائی جائے گی، ہوسکتا ہے کہ حسب موقع و ضرورت راہ میں ان جگہوں پر بھی قیام ناگزیر ہو جائے جہاں منزل کرنے کا معمول عام قافلوں اور مسافروں کا نہیں رہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ متعین شاہراہ سے ہٹ کر قطع مسافت فرمائی جائے ——— بہرحال جن حالات میں سفر کیا جا رہا ہے۔ ان میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں تاریخ یا فلاں دن مکہ سے کوچ ہوا ہے اس لئے فلاں تاریخ اور فلاں دن ورود مسعود ہوگا۔

یثرب کے باسی روزانہ صبح سویرے گھروں سے نکل کر حدود شہر کے باہر جمع ہو جاتے اور راہ دیکھا کرتے ہیں جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے کہ اس چلچلاتی دھوپ میں کسی آنے والے کے آجانے کا دستور ہی نہیں ہے۔ کئی دن سے انتظارِ مہمان میں یہی ہمہ شوق آمد اور ہمہ تن ماں رفت کا

سلسلہ جاری ہے۔

اچانک ایک یہودی کی صدا نے کہ "تو تمہارا مطلوب ومقصود تشریف لے آیا" اہل یثرب کو چونکا دیا۔ یہ یہودی اپنے بلند قلعے سے یثرب کی طرف آنے والی شاہراہ کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ناقہ سواروں پر پڑ گئی جو یثرب ہی کی طرف آ رہے تھے۔ آمد آمد کا غلغلہ کئی روز سے تھا ہی، اس نے اندازہ لگا لیا کہ آنے والے وہی ہیں جن کے انتظار میں یثرب کے باشندے بے چین ہیں اس نے قلعہ کی چوٹی سے جو پکارا تو تمام شہر میں تک مژدۂ جانفزا پہونچ گیا۔ گھروں سے دوڑتے ہوئے اہل یثرب نکلے اور حدود شہر سے باہر خیر مقدم کے لئے پہنچ گئے۔

شہر سے دو میل پر قبا نامی ایک مقام پر استقبال کرنے والے آنکھیں بچھائے کھڑے ہیں کہ سواری اس طرح نمودار ہوئی کہ حضور انور ناقۂ مبارک پر تشریف فرما اور رفیق سفر حضرت ابو بکرؓ ایک چادر کے ذریعہ سورج کی آڑ اس طرح کئے ہوئے ہیں کہ دھوپ چہرۂ انور پر نہ پڑسکے۔

یثرب کے لوگ حضرت ابو بکرؓ کو پہچانتے ہیں کہ تجارتی ضروریات کے تحت ان کی آمد و رفت یہاں اکثر رہی ہے۔ حضور انورؐ کو وہی یثربی پہچان سکے جو مکۂ معظمہ جا کر عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے جن کی مجموعی تعداد سو سے بھی کم تھی۔ یا پھر وہ مہاجرین جو آپ سے پہلے ہجرت کرکے یہاں آ گئے ہیں۔

تعارف نہ ہونے کی وجہ سے اور چہرۂ انور پر چادر کی آڑ ہونے کی وجہ سے بھی بہتوں کو پہچاننے میں ضرور مغالطہ ہوا۔

قبا میں چار روز قیام فرما کر حضور انورؐ خاص یثرب میں نزول اجلال فرمانے کے قصد سے روانہ ہوئے تو یثرب میں شادمانی کی ایک لہر ہر طرف دوڑ گئی، گلی کوچہ چمک اٹھا قلوب اہل یثرب کھل پڑے شہر کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔

سواری حدود شہر میں داخل ہو رہی ہے، اہل یثرب کی وہ بچیاں جن کے یہاں عفت دپاکیزگی کا یہ اہتمام کہ گھر کے باہر تو کیا کبھی چھت کے اوپر بھی نہیں آئی تھیں آج کھلی چھتوں پر اور کوچوں کے نکڑوں پر کھڑی ہیں۔ ادھر جمال جہاں آرا پر نظر پڑی ادھر ان بچیوں نے نبیؐ شیوائی کا گیت گانا شروع کردیا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(ماہ تمام نے الوداع کہنے والی گھاٹیوں سے ہم پر طلوع فرمایا ہمارے اوپر شکر اور اس وقت تک شکر واجب ہو گیا جب تک کرۂ ارض پر اللہ کو ایک بھی پکارنے والا موجود ہے)

حضورؐ کی سواری بستی کے اندر سے گزر رہی ہے جس مکان کے قریب سے ناقہ گزرتا اس کا مکین دست بستہ التجا کرتا کہ ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

جواب میں دعائے خیر دینے کے ساتھ فرما دیا جاتا کہ اونٹنی کو روکو نہیں، وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے جہاں حکم خداوندی ہے وہیں قیام کرے گی۔ اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دی گئی ہے وہ گزرتی چلی جاتی ہے اور خلاف معمول داہنے

بائیں دیکھتی بھی جاتی ہے وہ دیکھئے بنی نجار (یثرب کے ایک خاندان) کے مکانات
کے پاس اونٹنی پہونچ کر ایک آراضی پر بیٹھ گئی ہے یہ آراضی تو سہل اور
سہیل دو یتیم بچوں کی ہے۔ جس پر کھجور کے درخت لگے ہیں۔ لیجئے! اونٹنی اٹھی
ارے! قریب ہی ابو ایوب انصاری کے دروازے پر پھر بیٹھ گئی پھر وہاں سے
اٹھی اور اپنی پہلی بیٹھک پر آکر اس طرح بیٹھی کہ گردن بھی ڈال دی ہے یہ
اشارہ ہے کہ بس اب آگے جانے کا حکم نہیں۔

ابو ایوب انصاری کے دروازے پر اونٹنی بیٹھی ہے ان کے گھرانے کی
لڑکیاں نکل پڑی ہیں اور دف پر گانے لگی ہیں ؎

نحن جوار من بنی النجار ۔ یا حبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، زہے نصیب! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایسا پڑوسی
ہمارے نصیب میں آگیا)

انتہائے کرم اور فرط شفقت کے ساتھ حضورؐ بنی نجار کی ان لڑکیوں کو
مخاطب کرکے دریافت فرما رہے ہیں "تمہیں مجھ سے بڑی محبت ہے؟"
سب ایک زبان ہو کر عرض کرتی ہیں: "جی ہاں اے اللہ کے رسول!!"
لڑکیوں کو اس کے معاوضے میں کیا سرفرازی ملی؟ فرمایا "واللہ یعلم ان قلبی یحبکم"
(خدا جانتا ہے کہ میرا دل تم سے محبت کرتا ہے)

یثرب کے لڑکے اور نوکر چاکر مدینہ کی گلیوں میں مارے خوشی کے چیختے پھر
رہے ہیں: "آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آگئے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"
حضرت والا نے خاندان بنی نجار کے ایک فرد ابو ایوب انصاریؓ کے غریب خانے

کو اپنے قیام سے سرفراز فرمایا گویا غیروں میں نہیں رشتہ داروں میں قیام پذیر ہوئے ہیں بنی نجار آپ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ دار ہیں۔

اچھا! بنی نجار کے فرد ابو ایوب انصاری کو یہ شرف بھی حاصل ہو کر وہ سرکارؐ کے رشتہ دار ہیں!!

خیر! یہ شرف تو خاندان بنی نجار کے دوسرے افراد کو بھی نصیب ہے ہاں ابو ایوب کے اس شرف میں ان کا کوئی مقابل نہیں جو سات مہینے تک سرکار کے ان کے گھر میں قیام فرمانے اور اتنے عرصے تک ابو ایوب کے گھر والوں کو آپ کی نعلین مبارک سیدھی کرنے کی نعمت غیر مترقبہ کی شکل نصیب ہوا

جس آراضی پر پہلے پہل ناقہ بیٹھا تھا اور جہاں اس وقت مسجد نبوی ہے اس آراضی کو حضور انورؐ نے خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور دونوں یتیم بچوں کو عندیہ لینے کے لئے یاد فرمایا ہے۔ بچے آپ سے لین دین والا معاملہ کرنا منظور نہیں کر رہے ہیں اور ہدیۃً پیش کرنے کی آرزو ظاہر کر رہے ہیں۔

آپ معاوضہ دیئے بغیر لینے پر راضی نہیں ہیں بالآخر حضورؐ کے منشا و خواہش کے موافق آراضی کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔

اب "یثرب" کا شرف یہ ہو گیا کہ کوئی اسے یثرب نہیں کہتا ہے آپ کی نسبت سے مدینۃ الرسول، نبی کا شہر کہتا ہے۔ مدینۃ الرسول مدینۃ الرسول" زبانوں پر چڑھ گیا ہے اور عام بول چال میں صرف" مدینہ" کہا جانے لگا۔ اور یثرب والے انصار پکارے جاتے ہیں۔

حصول آراضی کے بعد مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنے اصحاب کے ساتھ اینٹ اور گارا اٹھا کر لا رہے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں سے تعمیر فرما رہے ہیں اس کار خیر کے وقت زبان فیض ترجمان سے یہ صدا نائی دے رہی ہے اللھم لاخیر الاخیر الآخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ۔

(اے پروردگار! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی بھلائی کہلانے کی مستحق نہیں اے اللہ! انصاریوں پر اور مہاجرین پر اپنی رحمت نازل فرما)

کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے درختوں کے پتوں کی چھت ۔ یہ ہے مسجد نبوی جسے آخری نبی اور اصحاب نبی نے بنا کر کھڑا کر دیا ہے ۔۔۔ کتنی اونچی ہے یہ مسجد؟ صرف سات گز! کتنی بڑی؟ قبلہ (جنوب) سے شمال تک پچاس گز اور مشرق سے مغرب تک ۶۳ گز ۔۔۔

ہجرت کے ساتویں سال مسجد نبوی میں کچھ توسیع ہوئی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آس پاس کے کچھ مکانات خرید کر کے نذر گزارتے ہیں اور مسجد کا طول و عرض سو سو گز کر دیا جاتا ہے۔

یہی اصل مسجد نبوی ہے اور اسی اصل مسجد سے متصل مشرق جانب دو حجرے بھی تعمیر ہوئے دونوں بی بیوں حضرت سودہ رض اور حضرت عائشہ رض کے رہنے کے لئے اس وقت تک یہی دو بیویاں حضور کے نکاح میں تھیں اس کے بعد ازواج مطہرات کی تعداد کے مطابق حجرے بنتے گئے۔ حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ جن کے کئی مکان مسجد شریف کے قریب تھے آنحضرت کی ضروریات کے لئے یکے بعد دیگرے سب نذر

نذر کر دیئے۔ حضرت بی بی عائشہ کے حجرے سے متصل حضرت بی بی فاطمہؓ کا حجرہ ہے
جب بھی حضور انورؐ سفر سے واپس تشریف لاتے پہلے مسجد شریف میں دو رکعت
نماز پڑھتے اس کے بعد حضرت بی بی فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے ان کی اور بچوں
کی خیر و عافیت دریافت فرماتے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد نبوی میں مختصر سا اضافہ جانب قبلہ اور سمت مغرب
میں ہوا پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں مسجد کی چھت اور صحن کو پختہ کرا دیا اور قبہ
میں کچھ اضافہ بھی کیا۔ مگر جس طرف ازواج مطہرات کے حجرے تھے اس طرف کوئی
اضافہ نہیں کیا گیا۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جب حضرت عمر بن
عبدالعزیز مدینہ شریف کے گورنر تھے مسجد نبوی میں کافی توسیع ہوئی قریب جوار
کے مکانات اور ازواج مطہراتؓ کے حجرے خرید کر مسجد میں شامل کر دئے گئے۔

سلاطین ترک کے زمانے میں مسجد نبوی کی تعمیر از سر نو ہوئی اور اس میں بہت
وسعت ہو گئی یہ سب توسیعیں مغرب اور شمال کی سمت ہوئیں جنوب کی طرف (جو
مسجد نبوی کے لئے سمت قبلہ ہے) اور مشرق کی طرف (جس سمت روضۂ اطہر ہے) برائے
نام توسیعیں ہوئیں۔

آخری توسیع ابھی سات آٹھ سال قبل معزول شاہ سعود کے اہتمام میں ہوئی
اور یہ اضافہ شدہ حصہ اس قدر سبک اور اس قدر متناسب ہے کہ خوبی و رعنائی میں
"تاج محل" کا تاثر پیدا کر دیتا ہے۔

خلفاء و سلاطین نے سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مسجد نبوی کو تعمیر کرایا
اور آرائش و زینت کے پہلو سے سونے کا کام اس کے ستونوں اور چھتوں میں کرایا۔ خدا

جزائے خیر دے سلاطین ترک کو کہ انھوں نے ہر عہد کی مسجد نبوی کی حدود کو نقش و نگار کے فرق سے واضح کر کے تاریخ اسلام پر گراں بہا احسان کیا ہے۔

پہلے مسجد نبوی کتنی بلند اور کتنی لمبی چوڑی تھی اس کی وضاحت ستونوں کی نوعیت سے کی گئی ہے پھر کتنی وسیع عہد اموی میں ہوئی اور کس حد تک توسیع سلاطین ترک کے زمانے میں ہوئی یہ پتھروں کی تبدیلی اور نقش و نگار کے رد و بدل سے بخوبی واضح کر دی گئی ہے۔

اصل مسجد نبوی جسے حضور اقدس اور آپ کے اصحاب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا اگرچہ موجودہ عمارت مسجد کے دیکھتے بہت مختصر ہے لیکن اسی مختصر حصے میں "روضۂ جنت" بھی ہے محراب النبی بھی ہے حضور کے اعتکاف کرنے کی جگہ بھی ہے استن حنانہ کا مدفن بھی اور ستون ابولبابہ بھی جسے ستون توبہ بھی کہتے ہیں۔ اور پھر اس اصل مسجد نبوی سے ملی ہوئی خاص آرام گاہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے ؎

یا خیر من دفنت فی القاع اعظمه — فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه — فیه العفاف وفیه الجود والکرم

(اے وہ افضل ترین ذات جس کے اجزائے جسم سپرد زمین کئے گئے اور ان اجزائے جسم کی پاکیزگی کی بدولت زمین کا نشیب و فراز سب پاکیزہ ہو گیا۔

میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ قیام فرما ہیں۔ اس قبر میں مجسم پاک دامنی اور سراپا فیاضی اور سراپا شرافت آرام فرما ہے)

یہ چار مصرعے ایک اعرابی نے مزار مبارک کے روبرو رو رو کر پڑھے تھے جانے

آپ کے سامنے نہیں بارہ سو برس پہلے ان کے سامنے جو کہیں زیادہ دین کے واقف کار اور رموز شریعت کے شناسا تھے۔

مختصر مسجد نبوی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ بی بی عائشہؓ کے حجرے میں تھے اسی حجرے میں حضورؐ کی تدفین بھی عمل میں آئی۔

قبر شریف بن جانے کے بعد بھی حضرت بی بی عائشہؓ کا قیام اسی حجرے میں رہا حضرت بی بی عائشہؓ کے قیام کی وجہ سے قبر شریف تک رسائی بغیر اجازت حاصل کئے نہیں ہو سکتی تھی یہ جو حدیثوں میں ملتا ہے کہ مشتاقان زیارت حضرت بی بی عائشہؓ سے التجا کرتے تھے کہ اے ہماری ماں! ذرا حضور انورؐ کی قبر مبارک ہمارے لئے کھول دیجئے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اجازت دیجئے کہ ہم حجرے کے اندر آسکیں یہ بھی روایتوں میں ملتا ہے کہ بی بی عائشہؓ نے بیچ میں پردہ ڈال کر حجرے کے دو حصے کر لئے تھے ایک میں ان کا قیام رہتا تھا دوسرے میں مزار انورؐ تھا اس وضاحت کے ساتھ زیارت کے لئے مزار شریف کے "کھول دینے" کی صورت اور صاف سمجھ آتی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد دیگرے اس حجرے میں باجازت حضرت بی بی عائشہؓ دفن ہوئے اور اب بھی اندرون حجرہ حاضری بلا اجازت نہیں ہو سکتی تھی حصول اجازت کے بعد اندرون حجرہ مبارک پہونچنے میں کوئی روک نہ تھی یہ صورت حال کم و بیش ستر سال قائم رہی روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں جب مروان بن الحکم مدینہ شریف کا گورنر تھا۔ تو اس نے ایک صاحب کو اپنا چہرہ قبر شریف سے ملتے دیکھا اور پہچان نہ پایا کہ یہ کون صاحب

ہیں۔اس نے بے ادراکی کے ساتھ ان کی گدی پکڑ کر کہا "تجھے پتہ بھی ہے کہ تو کیا کر رہا ہے" تو ان صاحب نے بڑی بے نیازی کے ساتھ مروان کی طرف منہ کرکے جواب دیا "ہاں، جانتا ہوں کہ کیا کر رہا ہوں یہ مت سمجھ کہ میں مٹی اور پتھر کے ڈھیر کے پاس آیا ہوں پتھر اور مٹی کے ڈھیر کے پاس نہیں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا ہوں"۔

مروان کی بے ادراکی پر اس کو تنبیہ بھی کرنا ضروری امر تھا۔ اس لئے کہ اپنا چہرہ قبر شریف پر رکھنے والے صاحب صحابی رسول تھے اور بعض روایتوں کے مطابق میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ تھے۔

بہر حال اس زمانے تک جب مروان مدینہ شریف کا گورنر تھا۔ بلکہ اس کے بھی تیس برس بعد تک مزار مبارک پر حاضری دینا اس طرح ممکن تھا کہ حجرہ کے اندر تک رسائی ہو جاتی تھی اگرچہ عام امتیوں کے لئے کیا خاص اس وقت کے لئے بھی آداب زیارت کا ضابطہ یہی ہے کہ زیارت کرنے والا کسی بزرگ کے مزار سے اتنا ہی قریب ہو جتنا قرب صاحب مزار کی زندگی میں اس کی محفل میں اس کو نصیب تھا۔ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں (یعنی ۸۸ھ میں) جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی جس کے منتظم ولید کی طرف سے مدینہ شریف کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز مقرر ہوئے تو پہلی بار مزار پر انوار نگاہوں سے اس طرح پوشیدہ کر دیا گیا کہ حجرہ بی بی عائشہؓ کی قدیم دیواریں شہید کرکے پختہ دیواریں نئی نیو ڈال کر اس طرح بنائی گئیں کہ حجرے کے اندر جانے کا کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب حجرے کی بنیادوں کو پختہ دیواریں قائم کرنے کے لئے

مشرقی جانب کھڑا کیا جانے لگا تو ایک قبر کی لحد کھل گئی اور ایک پاؤں نمودار ہوگیا لوگوں میں دہشت پھیل گئی۔ بعض جاننے والوں نے بتایا کہ اس دیوار سے متصل حضرت عمرؓ کی قبر تھی اور یہ قدم جو نمودار ہوگیا ہے وہ حضرت عمرؓ کا ہے۔

معتبر روایت کے مطابق حجرے میں حضور انورؐ کے مزار سے قریب حضرت ابوبکرؓ کی تدفین بپاس ادب ذرا نیچے کھسکا کر اس طرح کی گئی کہ حضرت ابوبکرؓ کا سر حضور انورؐ کے سینۂ مبارک کے محاذی رہا پھر حضرت عمرؓ کی تدفین اس طرح ہوئی کہ ان کا سر حضرت ابوبکرؓ کے سینہ کے محاذی رہا۔ حجرہ مختصر تھا حضرت عمرؓ کی میت جب سپرد لحد کی گئی تو جگہ کی تنگی کی وجہ سے میت کے پاؤں دیوار کی بنیاد کے اندر رکھ دیئے گئے ــــ اب جو دیوار بدلنے کے لئے کھدائی کی گئی تو پاؤں ظاہر ہوگیا۔ بہرحال پختہ چہار دیواری جس میں کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا قائم کر دینے کے بعد ایک اور حصار چاروں طرف بنا دیا گیا اس میں بھی کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا۔ البتہ حجرے کی چھت میں ایک روشن دان بنا دیا گیا تھا اس طرح پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی حضور انورؐ کا مزار پرانوار اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں نگاہوں سے مخفی کر دی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان خوش نصیبوں کے دور کے خاتمے کے بعد جنھوں نے ظاہری آنکھوں سے بھی ان مزارات کو دیکھا تھا اچھا خاصا اختلاف اس بارے میں ہونے لگا کہ تینوں قبریں کس ترتیب سے واقع ہیں اور قبروں کی کیفیت کیا ہے زمین سے کتنی اونچی ہیں اور کس وضع کی ہیں؟ دیکھنے والے جب نہیں رہے تو دیکھنے والوں کی زبانوں سے سننے والوں نے اپنی اپنی یاد کے موافق حجرے کے اندر

کی تفصیلات بیان کیں جو جزئیات میں ایک دوسرے سے قدرے مختلف تھیں۔

پھر کئی برسوں کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ۵۵۵ھ میں سلطان نورالدین شہید محمود بن زنگی نے ایک رات تین بار خواب میں حضور انورؐ کی زیارت کی کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ "ان دونوں کی خباثت اور شر سے بچاؤ"

سلطان نورالدین خواب سے بیدار ہوتے ہی فراست ایمانی سے سمجھ گیا کہ مدینہ شریف میں کوئی غیر معمولی بات اٹھ کھڑی ہوئی ہے وہ راتوں رات بیس ہمراہیوں کے ساتھ شام سے چل پڑا اور ۱۶ دن کے اندر مدینہ منورہ پہونچ گیا پہونچتے ہی اس نے حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ بڑے چھوٹے سب صلہ و انعام لینے کے لئے حاضر ہوں تعمیل حکم میں مدینہ شریف کی ساری آبادی ایک جگہ جمع ہو گئی۔ سلطان نے ایک ایک کو بنظر غور دیکھا مگر وہ دو شخص نظر نہ آئے جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔

اس کے بہ تاکید پوچھنے پر کہ کوئی رہ تو نہیں گیا اسے بتایا گیا کہ صرف دو آدمی جو بالکل خانہ نشین ہیں اور مال و دولت سے بے نیاز عبادت و ریاضت میں منہمک رہتے ہیں نہیں آئے ہیں سلطان نے حکم دیا کہ وہ بھی پیش کئے جائیں دونوں حاضر کئے گئے تو ہو بہو وہی تھے جن کو خواب میں سلطان شہید نے دیکھا تھا ان کی رہائش گاہ کا پتہ معلوم ہونے کے بعد سلطان ان دونوں کو اسی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہاں پہونچا اور اندر جا کر ایک ایک چیز دیکھی، سوائے کتابوں کے اور کچھ نہ پایا۔

زمین پر جو چٹائی پڑی ہوئی تھی اسے بھی سلطان نے ہٹایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ۔ نظر آئی جو حجرۂ شریف کی طرف اندر اندر کھودی گئی تھی دوسری طرف ایک کنواں تھا جس میں سرنگ سے مٹی نکال نکال کر ڈالی جاتی تھی۔ سخت گرفت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ دونوں بھیس بدلے ہوئے نصرانی تھے جو جسد اطہر کے ساتھ گستاخی کرنے کی نیت سے اندر اندر سرنگ کھود کر اس مبارک مقام تک پہونچ جانا چاہتے تھے۔ ان دونوں کو قرار واقعی سزا دی گئی۔ اس کے بعد سلطان نے حجرے کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ وہ سطح آب تک پہونچ جائے پھر اس خندق کو پگھلائے ہوئے سیسے سے اوپر تک بھر دیا اور اسے مستحکم بنا دیا کہ اب کسی نیچے سے رسائی کا کوئی اندیشہ ہی نہیں رہا۔

اس طرح حجرۂ شریف کو ہر طرف سے محصور کر دیا گیا ہے اور دوسرے حصار کے بعد چند فٹ چاروں طرف چھوڑ کر پیتل کی جالیاں چاروں طرف بنا دی گئی ہیں۔ ان میں دروازہ ہے اندرون حجرہ پہونچنا تو نا ممکن ہے البتہ مبارک جالیوں کے اندر رسائی ہو سکتی ہے۔ اور خاص خاص اشخاص کی ہوتی ہے۔ گنبد خضرا اس حجرے کے اوپر دوسرے حصار پر قائم ہے۔

اتنے پردوں اور حجابوں کے باوجود، اہل کشف و صاحبان بصیرت کی بات نہیں عام امتیوں تک کو موجہ شریف میں ایستادہ ہوتے ہی محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ دربار رسالت میں حاضر ہیں اور مراحم خسرانہ سے علی حسب مراتب سرفرازی بخشی جا رہی ہے ؎

او پردہ نشیں بامیں تیرے اہل نظر سے پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

وہ جو عشقِ نبوی کی دولت سے مالامال ہیں توان کا کیا کہنا! کوئی حجاب ان کے لئے حجاب نہیں، کوئی دوری ان کے لئے دوری نہیں ؎

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

اہلِ دل و صاحبانِ نظر کی اس سرفرازی سے تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ انھوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہو کر چشمِ ظاہر سے مشاہدۂ جمالِ نبوی کی سعادت حاصل کی اور بلاواسطہ شرفِ تخاطب سے سرفراز ہوئے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خود تحریر کیا ہے کہ ۲۵ بار انھیں اسی طرح شرفِ باریابی نصیب ہوا۔

ہمارے ایک بزرگ خاندان مولانا عبدالباقی انصاری ایوبی ہجرت کر کے مدینہ شریف میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تقریباً پچاس سال شرفِ حضوری سے شادکام رہنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ان کے ایک شاگرد مولانا محمد ابراہیم الختنی نے ان کے متعلق گویا چشم دید واقعہ یہ بیان کیا کہ مولانا عبدالباقیؒ نے جو مسجد نبوی میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دن دورانِ درس میں ایک آواز سنی یا عبدالباقی إلی متی تدرس البخاری ولا تدرس کتابی "(اے عبدالباقیؒ بخاری کا درس کب تک دیتے رہو گے اور میری کتاب کا درس دینا شروع نہ کرو گے)

مولانا نے اس آواز کو سنتے ہی سبق بند کر دیا اور فوراً مواجہ شریف میں حاضر ہو کر صلوۃ و سلام بھیجنے کے بعد عرض کیا: حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ

کون سی کتاب ہے جس کو حضور نے "میری کتاب" یاد فرمایا ہے۔

براہ راست جواب ملا "الموطا لامام محمد مع التعلیق الممجد" (امام مالکؒ کی موطا (حدیث کی کتاب) جو امام محمدؒ کی روایات سے مروی ہے اس لئے موطا امام محمد کہی جاتی ہے۔ اس کی شرح التعلیق الممجد کے ساتھ)

التعلیق الممجد موطا امام محمد کی وہ شرح ہے جسے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے تصنیف کیا ہے۔ مولانا عبدالحئی کے شاگرد مولانا عبدالباقی مہاجر مدنی تھے۔

مولانا عبدالباقی صاحب نے اسی دن سے بخاری شریف کا درس ملتوی کر کے موطا امام محمد کی شرح التعلیق الممجد کے ساتھ پڑھانا شروع کر دیا تو کیا حرج؟

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

یوں تو مدینہ شریف کے ذرے ذرے سے ایمان، ایثار، محبت، جاں نثاری، مواخات و مواسات کی پوری پوری تاریخ وابستہ ہے لیکن اول تو حاضری دینے والوں میں ایسے کتنے کہ جریدۂ عالم پر ثبت تاریخ کو پڑھ سکیں دوسرے اس سرچشمۂ فیض تک پہونچ جانے کے بعد اس کا موقع کہاں کہ دوسری طرف توجہ بھی کی جائے

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مواجہ شریف یا مسجد شریف سے اٹھ کر کوئی جائے تو کہاں جائے؟ دیکھے تو کیا دیکھے؟

محبوبی ہر عشوہ گرے را چہ کند کس؛
آنجا کہ تو باشد دگرے را چہ کند کس؟

بجاکہ ان کی رہ گزروں پر بھی سر کے بل چلنے کا جی چاہتا ہے بلکہ ان کے جان نثار دل کی خاک پا کو آنکھوں سے لگانے کے لئے جی بے چین ہو جاتا ہے ان راہوں میں پھرنے کا شوق بھی کروٹیں بدلتا ہے۔ جن راہوں سے عشق و سرفروشی کے قافلوں کی صبح و شام آمد و رفت رہتی تھی لیکن ابھی تو مواجہ شریف کی حاضری سے سیری کہاں ہوئی؟ "روضہ جنت" میں بھی ابھی حاضری نہیں دی۔ ستون ابی لبابہ سے لپٹ کر توبہ و استغفار ابھی کہاں کیا؟

مواجہ شریف سے اجازت لے کر ہم اصل مسجد نبوی کی طرف بڑھے اور "روضہ جنت" کی طرف رخ کر لیا۔

"روضہ جنت" ہے کیا؟ حجرۂ بی بی عائشہؓ اور منبر مسجد کے درمیان جو جگہ ہے اس کو حضور انورؐ نے "روضہ من ریاض الجنۃ" (جنت کے باغیچوں میں کا ایک باغیچہ) فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک ایسی جگہ بھی ہے جہاں نماز پڑھنے کے اجر کا اندازہ اگر لوگوں کو ہو جائے تو اس جگہ کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی جانے لگے، عرصہ تک یہ متعین جگہ لامعلوم رہی پھر حضرت بی بی عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس متعین مقام کی نشان دہی فرما دی۔ اب اس متعین مقام پر جو ستون ہے اُسے ستون عائشہؓ کہتے ہیں۔

"ستون ابی لبابہ" حضرت ابو لبابہؓ انصاری سے منسوب ہے اور ستون توبہ بھی کہلاتا ہے حضرت ابو لبابہؓ نے یہودی قبیلہ بنی قریظہ سے جن سے ان کے گہرے مراسم تھے اس وقت جب بنی قریظہ کا محاصرہ مسلمانوں نے کر لیا تھا یہودیوں کے مشورہ طلب کرنے پہ غلطی سے ایسا اشارہ کر دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تم اگر اپنے کو سپرد کر دو گے تو

قتل کردیئے جائیں گے"۔ اس طرح غیر ضروری بات کہنے پر بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے مسجد نبوی میں آکر ایک کھمبے سے اپنے کو باندھ لیا اور طے کرلیا کہ اب اسی وقت اپنے کو ستون سے کھلوائیں گے جب ان کی توبہ قبول ہوگی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان کی بندشیں کھولیں گے۔

ابو لبابہؓ کی صاحبزادی پانچوں وقت آکر نماز کے لئے ان کی رسیاں کھول دیتی تھیں نماز کے بعد پھر کھمبے سے باندھ دیتی تھیں یا حوائج ضروریہ کے لئے کھولتی تھیں پھر باندھ دیتی تھیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابو لبابہ پہلے ہی میرے پاس آجاتے، تو میں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا مگر اب جبکہ انھوں نے اپنا معاملہ خدا کے حوالے کردیا ہے کہ جب تک وحی کے ذریعہ توبہ کی مقبولیت معلوم نہ ہوجائے گی اس وقت تک وہ اپنے کو باندھے رکھیں گے تو اب جب تک خدا کا حکم نہ ہوگا۔ میں انھیں نہیں کھولوں گا"۔

ابو لبابہؓ بھوک و پیاس کی شدت اور توبہ کے لئے الحاح وزاری سے بے حال ہوگئے یہاں تک کہ ان کی قوت سامعت جواب دے بیٹھی اور بصارت بھی جواب دے جاتی کہ ایک دن سحر کے وقت جبکہ حضور انورؐ حضرت بی بی ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے قبولیت توبہ کے سلسلے میں وحیٔ نازل ہوئی اور آپ نے اسی وقت اپنے دست مبارک سے ابولبابہ کی بندشوں کو کھولا ؎

چہ مبارک سحرے بود چہ فرخندہ شبے
آن شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اس طرح یہ ستون "توبہ" بھی کہا جاتا ہے اور یہاں گنہگاروں کی توبہ آئندہ بھی قبول ہوتی رہے گی اس لئے کہ یہ مقام نزول رحمت کا محل ہے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں نماز فجر کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے اور وہ اصحاب جن کا مسجد کے علاوہ کوئی اور ٹھکانا نہ تھا یا اصحاب صفہ آپ کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے اس وقت حضور انورؐ ان کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے اور رات کو جو کچھ قرآن نازل ہوا ہوتا وہ ان حضرات کو سناتے اور یاد کراتے تھے طلوع آفتاب کے بعد دوسرے اصحاب جو گھر بار والے تھے۔ حاضر خدمت ہوتے اور اسی جگہ انہیں فقراء و مساکین کے درمیان بیٹھ جاتے اور دینی امور کے بارے میں استفسارات کرتے یہی وہ جگہ بھی ہے جہاں اعتکاف کے زمانے میں کبھی کبھی حضور انورؐ کا تکیہ بچھونا بچھا دیا جاتا تھا اور آپ اسی ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔

اگرچہ اس کے قریب ایک دوسرا ستون بھی ہے جسے "ستون سریر" کہتے ہیں اس ستون کے پاس چٹائی (سریر) سے ایک آڑ کھڑی کر دی جاتی تھی جس کے اندر حضور انورؐ اعتکاف کے دن گزارتے تھے۔

اسی قدیم مسجد نبوی میں ایک ستون حرس "نگہبانی کا کھمبا" بھی ہے جسے ستون علیؓ بھی کہتے ہیں یہاں رات کے وقت عموماً حضرت علیؓ اور کبھی کبھی دوسرے صحابہ حجرۂ مبارک کی پاسبانی کرتے تھے حضرت علیؓ پاسبانی کے دوران رات بھر اسی جگہ نفلیں پڑھا کرتے تھے اسی لئے یہ ستون حرس" بھی کہلاتا ہے اور "ستون علی" بھی۔

ستون حرس کے بعد "ستون وفود" ہے جو حجرۂ بی بی عائشہؓ اور حجرۂ بی بی فاطمہؓ کے درمیان ہے۔ باہر کی جماعتیں اور وفود جب حضور انورؐ سے شرف نیاز حاصل کرنے

یا سمجھوتے کرنے یا دینی امور پر تبادلۂ خیال کرنے حاضر ہوتے تو اسی ستون کے پاس حضور انورؐ انھیں شرف باریابی بخشتے۔ اس وقت آپ کے ارد گرد بڑے بڑے صحابہ بھی ہوتے تھے۔

اسی ستون وفود کے پاس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بی بی فاطمہ حضرت علی اور حضرات حسنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مخاطب فرما کر "السلام علیکم یا اھل البیت" فرمایا کرتے تھے۔

ستون حرس، ستون وفود اور ستون سریر اب بھی موجود ہیں مگر ان کے اردگرد کی زمین کا بیشتر حصہ روضہ اطہر کے گرد کھنچی ہوئی جالیوں کے اندر آ گیا ہے اس لئے یہاں نماز پڑھنے کی گنجایش نہیں نکل پاتی۔ البتہ ستون عائشہ اور ستون توبہ کے آس پاس کئی کئی آدمیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور یہ جگہ ہر وقت بھری رہتی ہے۔

حجرۂ بی بی فاطمہؓ کے پائیں سے متصل ایک ستون تہجد ہے جہاں حضور انورؐ کھجور کی ایک چٹائی پر تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے اتباع میں صحابہ بھی مقتدی بن کر تہجد پڑھنے لگے تو آپ نے حجرۂ شریفہ کے اندر تہجد پڑھنے کا معمول فرمالیا۔

ایک ستون مقام جبرئیل کے نام سے موسوم ہے حضرت جبرئیل وحی پہونچانے کے لئے جب حاضر خدمت ہوتے تو اسی جگہ نزول کرتے تھے۔ ان سب کو "اسطوانات رحمۃ" در حمت خداوندی کے ستون کہا جاتا ہے اور ان تمام جگہوں پر نفلیں پڑھنا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہاں جگہ مل جانا باعث فخر درجہ ہے۔

پھر وہ مقدس مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کی امامت کے لئے قیام فرما ہوتے تھے جسے "محراب النبی" کہا جاتا ہے حضور کے نماز پڑھنے کی جگہ پر

ایک محراب اس طرح بنا دی گئی ہے کہ صرف آدھا حصہ باہر ہو جہاں امامت کے دوران حضور انورؐ کے پائے مبارک ہوتے تھے۔ سجدہ گاہ بھی محراب کے آثار کے اندر چلی گئی اب حاضری دینے والوں کو اس جگہ نماز پڑھنے میں سجدہ اس جگہ نصیب ہوتا ہے جہاں پائے مبارک ہوتے تھے۔

حجرۂ بی بی فاطمہؓ کے بائیں سے متصل ستون تہجد ہے اور پھر ذرا سی جگہ چھوٹی ہوئی ہے اس کے بعد اصحابؓ صفہ کا چبوترہ ہے عہد رسالت میں یہاں ایک چھپر تھا جس کے نیچے وہ اصحاب رسول رہتے تھے جن کا گھر بار بھی نہ تھا اور جن کا ذریعہ معاش بھی کچھ نہ تھا، یہ اللہ کے رسول کے مہمان رہتے تھے اور دن بھر خدمت میں حاضر رہتے تھے ان ہی اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے جن سے بہت بڑی تعداد میں ارشادات نبوی مروی ہیں ایک دفعہ لوگوں کے اس اعتراض کو سن کر کہ ابوہریرہؓ بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں جب کہ دوسرے بڑے بڑے صحابہ بہت کم روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا تھا کہ " اور اصحاب کے اوقات کاروبار میں بھی گزرتے تھے اور میں صبح وشام، اس مسجد میں منبر اور حجرے کے درمیان بھوک سے نڈھال پڑا رہتا تھا دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ اس طرح ہمہ وقت کی حضوری کے طفیل سب سے زیادہ ارشادات کو سننے کا موقعہ مجھے ملا"

اب اصحاب صفہ کا چبوترہ حجرۂ مبارک کے خدمت گزاروں کی بیٹھک ہے اور یہاں قرآن شریف بھی رکھے ہیں لوگ یہاں بیٹھ کر تلاوت بھی کرتے ہیں۔

اصحاب صفہ کے چبوترے اور حجرۂ بی بی فاطمہؓ کے درمیان جو جگہ چھوٹی ہوئی ہے وہی راستہ ہے بائیں سے باب جبرئیل تک جانے کا۔

ہم نے مسجد نبوی میں حاضری کا معمول باب جبرئیل ہی سے رکھا تھا۔ باب جبرئیل سے آنے والا پہلے مزار مبارک کے بائیں حاضر ہوتا ہے، دروازے اور پائیں مبارک کے درمیان اتنی گنجائش ہے کہ نمازیوں کی کئی صفیں ایک ایک صف میں بیس پچیس نمازیوں کے حساب سے قائم ہوتی ہیں۔ ہم لوگ (ہم متین میاں اور شیخ ظہیر حسین) ان ہی صفوں میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ حضور انورؐ کے مبارک قدموں سے قریب رہیں۔ نماز کے علاوہ بھی یہیں آکر بیٹھتے تھے۔ نماز ہونے لگتی یا سنتیں وغیرہ پڑھتے تو ہمارا منہ قبلہ کی طرف ہو جاتا ورنہ قدم ہائے مبارک کی طرف رخ کئے بیٹھے رہتے تھے۔

ایک دفعہ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ سپاہی نے ٹوک کر کہا "یہ قبلہ ادھر نہیں ہے (ہاتھ سے اشارہ کر کے) اس طرف ہے۔"

ہم نے جواب دیا "ہم نماز نہیں پڑھ رہے ہیں کہ قبلے کی طرف منہ کرنا ضروری ہو۔" اس نے درشتی سے کہا "قبلۂ حاجات" کے بجائے "قبلۂ نماز" کی طرف منہ کرنے کو کہا یہ خیال کر کے کہ "جواب جاہلاں باشد خموشی" پر عمل درآمد کرنے کا یہی محل ہے ہم خاموش رہے۔ سپاہی نے بھی اس سے آگے بات کو بڑھانا نہ چاہا۔

"باب جبرئیل" سے حاضری دینے میں ہمیں اور متین میاں کو ایک خاص مزہ اس لئے بھی آتا تھا کہ اسی دروازے سے ذرا آگے بڑھ کر ہمارے جد حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا وہ گھر تھا جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک قیام فرمایا تھا جب تک مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجرے نہیں بن گئے۔

باب جبرئیل سے آگے قبلہ رخ جو راستہ جاتا ہے اس میں چند قدم چل کر پہلے وہ جگہ

پڑتی ہے جو "مشہد عثمانؓ" کہلاتی ہے۔ یعنی جہاں حضرت عثمان غنیؓ کا مکان تھا اور اس مکان کو ایک مہینہ سے زیادہ تک گھیرے میں رکھا گیا تھا کہ نہ حضرت عثمانؓ مسجد نبوی میں نماز کے لئے آ سکتے تھے اور نہ کوئی شخص ان تک ضروریات کا سامان پانی تک پہنچا سکتا تھا۔ اسی مکان میں چالیس دن تک بے آب و دانہ محصور رکھنے کے بعد ایک رات دشمنوں نے پچھواڑے سے داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

اس سے ذرا اور آگے بڑھ کر ایک پختہ مکان ہے جس پر دارسیدنا ابی ایوب الانصاری من الاوقاف پتھروں کے نقش سے لکھا ہوا ہے مکان بعینہ وہ نہیں رہا جو عہد رسالت میں تھا بلکہ پختہ بنا دیا گیا ہے اور جب ہم نے دیکھا ہے تو اس میں ایک اسلامی ملک کے سفارت خانے کا شفاخانہ تھا۔

ایک دفعہ ادھر سے ہم گزر رہے تھے دو تین دری حاجی وہاں کچھ ڈھونڈتے ملے۔ ہمارے رک جانے پر ایک نے دوسرے سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا "ان ہی سے پوچھ لو"۔ ان میں سے ایک نے پوچھا "وہ کون سی جگہ ہے جہاں ہمارے سرکار کا ناقہ آ کر بیٹھا تھا"

"وہ جگہ تو مسجد نبوی کے اندر ہے"۔

اس نے وضاحت کے ساتھ سوال کیا "جس دروازے کے قریب ناقہ بیٹھا تھا پھر سرکارؐ نے اسی گھر میں قیام فرمایا وہ جگہ کون سی ہے؟"

وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کو ڈھونڈھ رہے تھے ان کو بتایا اور وہ عبارت بھی دکھا دی جو باہر کی دیوار پر نقش ہے۔

ان دونوں کے حرکات و سکنات میں عقیدت کی غیر معمولی کیفیت دیکھ کر کسی نے بڑے افتخار کے ساتھ انھیں یہ بھی بتایا کہ "ہم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں ہیں"

دونوں ادب سے جھک گئے اور کہنے لگے کہ ہماری پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیجئے ؛
اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ وہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری دے چکے ہیں اب ان کے گھر کی زیارت کر رہے ہیں اور خوشی اس پر بھی ہے کہ نبیؐ کی اولاد کے ایک فرد کے ساتھ زیارت کر رہے ہیں۔ اور ہمیں خوشی اس بات پر ہو رہی تھی کہ ہم بھی بزرگ قرار پا رہے ہیں اور ہمارے آگے یہی لوگ ادب سے جھک رہے ہیں۔

تا داغِ غلامی تو داریم
ہر جا کہ رویم پادشاہیم

اور اسی داغ غلامی کے احساس کے ساتھ جب مواجہ شریف میں حاضر ہوتے تھے اور ابو ایوب انصاریؓ کا واسطہ دے کر اپنی عرض پیش کرتے تھے تو اس وقت اپنا دماغ عرش معلیٰ پر نظر آنے لگتا تھا۔
بہرحال یہ واقعہ ہے کہ اتنی بڑی سرکار میں حاضری دینے والے پر جو رعب دبدبہ طاری رہنا چاہیئے اس سے ہمیں کبھی سابقہ نہ پڑا بر عکس اس کے نشاط کا سا عالم ان تمام دنوں میں رہا جو مدینہ شریف میں ہماری حاضری کے دن تھے یاد نہیں پڑتا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اندرونی مسرت کی ایسی دولت ہاتھ آئی ہو اور وہاں سے رخصت ہو کر چلے آنے کے بعد کا عالم ؟ تو الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ دینا اپنی قدرت اور استطاعت سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ ؎

واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان، تری انجمن میں تھی !

قیام مدینہ شریف کے دوران جنت البقیع میں بھی حاضری دی، جہاں ہزاروں صحابہ تابعین اولیا اور علما مدفون ہیں جہاں ازواج مطہرات اور آنحضرت کے اہل بیت دائی حلیمہؓ فرزند حضرت ابراہیمؓ سب کی قبریں ہیں مگر کون کس کی قبر ہے یہ اب کوئی نہیں بتا سکتا، نہ کوئی نشان نہ کوئی علامت بس ملبے کے ڈھیر جابجا نظر آتے ہیں اور قبرستان کے نگہبان اس لئے وہاں کھڑے رہتے ہیں کہ کوئی کسی قبر کو کہیں ہاتھ نہ لگانے پائے۔ یہی نگہبان اگر کسی وقت مہربان ہوں تو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ ڈھیر جو نظر آ رہا ہے فلاں کی قبر ہے۔ یا مزدوری ہمراہ ہوں تو وہ بتاتے جاتے ہیں کہ کس کی قبر کہاں ہو! یعنی کہاں پر تھیں!!

جنت البقیع آج بھی اہل مدینہ کا عام قبرستان ہو! حدود مدینۂ منورہ میں جو کوئی خوش قسمتی سے مرتا ہے خواہ مدنی ہو یا آفاقی یہی جوار صالح میں دفن کیا جاتا ہے۔

جس خوش نصیب کو حدود مدینہ میں مرنا نصیب ہوتا ہے۔ اس کے جنازے کی شان بھی عجیب ہوتی ہے کفنانے کے بعد میت مسجد نبوی میں لائی جاتی ہے اور یہیں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر جنازے کو مواجہ شریف سے گزار کر باب جبرئیل سے باہر لے جاتے ہیں اور جنت البقیع میں دفن کر دیتے ہیں۔ تقریباً ہر نماز کے بعد کسی نہ کسی خوش نصیب کے جنازے کی نماز ہم نے بھی پڑھی۔

مولانا محمد ابراہیم ختنی (مہاجر مدنی) نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کا جنازہ اسی طرح مسجد نبوی میں لایا گیا اور نماز کے بعد مواجہ شریف سے گزار کر جنت البقیع لے جایا گیا، یہ عالم دیکھ کر مدینہ شریف کے ایک دوکان دار نے اپنے دل میں کہا کہ "یہ مرنے والا جنتی ہے بشرطیکہ ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو"

دل ہی دل میں یہ بات سوچ کر وہ اپنی دوکان کھولنے چلا گیا۔ اچانک ایک
درویش جو مدینہ شریف میں مجذوب کی حیثیت سے متعارف تھا آیا اور دوکاندار
کی پیٹھ پر ایک ڈنڈا رسید کر کے بولا۔ تو مدینہ میں مرنے والے کے ایمان میں شک
کرتا ہے!

جاں می دہم بیاد و غمت می برم بخاک
طوبیٰ لمن یموت و فی قلبہ ہواک

مدینہ منورہ سے تین میل دور کوہ احد کے دامن میں وہ مقام ہے جہاں
جنگ احد ہوئی تھی۔ یہاں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا مزار اور دوسرے شہدائے
احد کے مزارات بھی تھے اب میدان کی سی کیفیت ہے۔ چالیس سال ہوئے مزار
شہید کر کے زمین کے برابر کر دیے گئے۔ یہاں بھی حاضری دینے والوں کو اگر سپاہی
نہ بتائے کہ یہ کس کی قبر کی علامت ہے تو کوئی نہیں جان سکتا کہ کہاں حضور انورؐ کے
عم محترم حضرت حمزہؓ مدفون ہیں اور کہاں حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ایسے جلیل القدر
صحابی وغیرہ۔

مدینہ شریف کو اگر کوئی اس پہلو سے دیکھنا چاہے کہ اسلامی تاریخ کے کیسے کیسے
اہم واقعے اور کیسی کیسی اہم شخصیتیں یہاں سے وابستہ ہیں۔ تو اس کے لئے ایک
عمر چاہئے اور اس کے بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے ہم نے
نو دس دن کی حاضری میں یہ حوصلہ نہیں کیا۔ بس انھیں مقدس مقامات کو جو
زیارت گاہ کی حیثیت سے شہرت پا چکے ہیں دیکھنے گئے اور زیادہ وقت اس
اعلا سرکار میں گزارنے کی کوشش کرتے رہتے تھے ہ

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

اور اس سرکار میں حاضری کی دولت ہاتھ آ جانے کے نتیجے میں اور کیا کیا سعادتیں روح اور قلب کے حصے میں آتی ہیں ۔۔۔ اور بے خنک و شبہ آتی ہیں۔ ان کا ادراک ہر ایک کے بس سے باہر ہے اور جو واقعی ان سعادتوں کے اندازہ شناس ہوتے ہیں وہ بھی یہ سمجھ کر چپ ہو جاتے ہیں ؎

دیکھ آئے ہیں جو چشم حقیقت نگر سے ہم
کہتے نہیں ہیں حضرت واعظ کے ڈر سے ہم

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب ہمیں گنبد خضرا پر رخصتی نگاہ ڈالنا پڑی اور درود سلام کے ساتھ رو رو کر دعائیں مانگنے لگے کہ

"اے اللہ کے رسول! خدمت اقدس میں ہماری یہ پہلی حاضری ہے آپ کے صدقے میں ایسی حاضری بار بار نصیب ہوتی رہے۔"

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا ایں کرم بار دگر کن

فتاویٰ فرنگی محل

موسوم بہ

فتاویٰ قادریہ

الحاج مفتی محمد عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محل) کے چالیس سالہ فتاویٰ کا انتخاب

مرتب

محمد رضا انصاری

صفحات ۲۷۵ سائز $\frac{20\times26}{8}$

قیمت

غیر مجلد چار روپے پچیس پیسے للعہ

اس انتخاب میں میلاد شریف، قیام تعظیمی، عرس، سماع اور دوسرے ان مسائل کے بارے میں جو اختلافی ہیں جوابات ہیں

ناشر

"فرنگی محل کتاب گھر" ۹ فرنگی محل لکھنؤ ۳

مجذوب اور انکا کلام

خواجہ عزیز الحسن مجذوب مرحوم

خلیفہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی شخصیت نیز اُن کا انتخاب کلام

مرتبہ

محمد رضا انصاری

صفحات ۱۴۴ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت

غیر مجلد ایک روپیہ پچاس پیسے عہ

ناشر: فرنگی محل کتاب گھر ۹ فرنگی محل لکھنؤ ۳